



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و شپاس لائق و سزاوار ہے خدا سے پاک کی جو تمام جہانوں کا
 رب ہو۔ بڑا مہربان صاحب رحم۔ روز جزا کا مالک ہے۔ اسے خدا تعالیٰ ہی عبادت
 کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہلکے سیدھی راہ دکھا۔ دن و گون کی
 سی جنبہ تو نے فضل کیا۔ اور دن و گون کی راہ نہ دکھا جنبہ تیرا غضب ہو اسے۔
 اور نہ دکھا ہلکے گمراہوں کی راہ خداوند محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما۔ جیسے ابراہیم
 اور آل ابراہیم پر تو نے رحمت نازل فرمائی بیشک تو عظمت والا۔ اور محمد و آل محمد
 پر برکت نازل کر جیسے تو نے ابراہیم و آل ابراہیم پر برکت بھیجی بے شبہ تو بزرگی
 اور خوبیوں والا ہے۔

بے شبہ اور بیشک ہی وہ دین ہے جو ایک بڑا انبار کوڑے کرکٹ کا تہ و بالا
 کرنے سے اپنی جھلک اور مدین بہا میرے کی طرح دکھاتا ہے جو مدت ہمارے
 و راز سے انسان کے واسطے محفوظ ہے جسکی نیت و تابو و کرنیکی مقصدین و

سورۃ حمد کا فضلی ترجمہ ۱۰ • اللہم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراہیم
 و آل ابراہیم انک حمید مجید و بارک علی محمد و آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و
 آل ابراہیم انک حمید مجید۔ کا فضلی ترجمہ ۱۱۔

مباحثین نہایت سرگرمی سے کوشش کر چکے ہیں۔

عقلی روشنی اور بشری شہادت سے یہ قطعی طور پر واضح ہو چکا ہے کہ اگر انسان کے واسطے روحانی تربیت کا کوئی مکمل طریقہ ہے تو یہی (اسلام) جو نوع انسان کے سرچشمہ پر منطبق ہو سکتا ہے۔ یہی وہ روشنی بخش مذہب ہے جو کہ تمام خوبیوں کا منبع اور تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی ایک ایسا مذہب ہے جسکی بنا احسن و قبح عقلی پر ہے۔ اور چھوٹی سی چھوٹی بات ہی اسکی عقل سلیم سے مطابق ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جو حکمت قدیم یونان کے مقابل میں مغفرو مغفرو ثابت ہوا ہے اور یہی وہ مذہب ہے کہ جواب بڑی جوانمردی سے حکمت جدیدہ کا مقابلہ کر کے غالب آیا ہے اگر دنیا میں حکمت حلالہ کا کسی مذہب کے مقابلہ کیا ہے تو اسی مذہب اور یہی وہ مذہب ہے جس نے تمام مذاہب کو اپنے نین جذب کر لیا ہے اور اسی مذہب کی نقیض طبعی حالت کا اثر حکمت جدیدہ پر واقع ہو رہا ہے جس قدر تعریف و تحسین ہم اس مذہب اور بانی مذہب کی کریں وہ کم ہے۔ نہ وہ تعریف جس سے زبان ہی ہماری حقد اوٹھاوے۔ بلکہ وہ سچی و اصلی تعریف جس پر ہر انصاف پسند کے دل لوٹ ہوں۔

وہ یاد کر نہیں جو کج فہمی سے اپنی بالاعتصاف و عناد سے اچھی بات کو بھی برا کر کے ثابت کرتے ہیں جیسا کہ اس نئی روشنی کے لوگ پابندی مذہب ہی کو برا سمجھتے ہیں اور آزادی کا عقل قرار دیکر فید کو ناپسند کر کے مذہب کو چھٹکارا کرتے ہیں۔ سکا تو ذکر ہی نہیں۔ کہ ہر اچھا سا اچھا مذہب اونکے نزدیک برا ہے۔ حالانکہ یہ بھی اونکی کج فہمی یا جہالت کی بات ہو وہ مذہب ہی کو نہیں جانتے کہ

کیا چیز ہے اور اسکی مقید کیسی بھلی۔ اور خوش آئند ہے۔ ہمارے دل سے کوئی پوچھے کہ اس قید میں کیا لطف ہے۔ اب ہے اس لطف کو کانٹا ہن کرٹھنے پھر آزادی بگھاریے گا۔

(مذہب)

دنیا میں اس آفرینندہ و دو جہان کی صفات نامتناہی میں سے صفت تخلیق کی تقدیر کرنے والے بے محدود بے نہایت ایسے نمونہ نظر آتے ہیں کہ جنکا خود موجود ہونا ہے لیسقدر کاملہ کے فاعل حقیقی ماننے پر مجبور کرتا ہے اور وہ نمونہ باسباب ظاہر تین طرح کے پائے جاتے ہیں۔

ایک نوری جو ملک کے نام سے مشہور ہیں اور وہ خواہشات نفسانی سے بالکل متبراہین اور مادہ شر اوں میں خلق نہیں ہوا ہے۔

دوسرا نمونہ جن و شیطان کے نام سے پکارا جاتا ہے جنہیں مادہ شر اور پابندی خواہش نفسانی بہت ہے۔

تیسرا نمونہ عنصری مخلوق کے نام سے نامزد ہے۔ اور یہ عنصری مخلوق موالید ثلاثہ کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں (یعنی نباتات جمادات حیوانات) پھر انہیں سے بھی ہر ایک کی بے تعداد نوعیں دریافت ہوتی ہیں اور اسکے عادات و خاصہ دوسرے جدا بنائے گئے ہیں۔ اور کچھ ضروریات مقرر کیے گئے ہیں۔ اور کچھ قدرت دی گئی ہے جسکے سبب سے وہ

۴۔ اس بحث کو معراج نبی میں مفصل لکھ چکے ہیں ۱۲

۵۔ بشرط حیات ثبوت عقل و کماستقل عورت پر لکھیں گے۔

نفع اپنی ضروریات اپنی احاطہ اختیار قدرت میں داکرتی ہے؟ اور اس ادا کرنے کے سبب ہمیشہ وہ راحت میں رہتی ہے۔ ”پہلے دو منونوں کے بیان کی اس مقام پر ہم کو ضرورت نہیں۔ اور نباتات و جمادات سے بھی ہکوسرہو کار نہیں فقط حیوانا کا ذکر مقصود ہے اور حیوانات میں بھی ہمارے سخن زیادہ تر حیوان ناطق (یعنی انسان) کی طرف ہے کیونکہ ہماری تحریر کا منشا اس مقام پر ادی کی ذات سے متعلق ہے۔ موالید ثلاثہ میں سے ایک مخلوق حیوانات کی قسم سے ہو جو صرف بھوک پیاس اور شہوت کی خواہشوں اور اغنین کے متعلقات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ قدرت و اختیار جو مبدی قیاض سے اسکو عطا ہوا ہے فطرت یعنی جبلت کے نام سے پکارا جاتا ہے جو کہ اسکے مادہ کے ساتھ ترکیب پائی ہوئی ہے اور دراصل وہ ایک جودت ہے جسکے باعث سے حیوان میں اس قدر آزادی پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی مرضی کے موافق اپنی تبدیل جانے پر مختار ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پورا کر نیکی طرف سے آزادانہ متوجہ ہوتا ہے اور اسکو حاصل کر کے راحت پاتا ہے۔ فی نفسہ حیوان کی بھی بے نہایت نوعین عالم عناصر میں پائے جاتے ہیں جنکی تعداد خود وہی گناہارندہ جزو کل جانتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو قادر مطلق مانا ہے (اور بیشک و شہدہ اس صفت کے ساتھ پورا پورا موصوف ہے) اسنے ایک مخلوق ایسی پیدا کی جو خواہشات سے متبرک ہے۔ دوسری ایسی پیدا کی جسکا دار و مدار آزادانہ خواہش پر ہے اب ضرور ہوا کہ کوئی نفع ایسی بھی ہو جو خواہش سے متبرک تو نہ ہو مگر آزادانہ بھی نہ ہو

اسیے انواع حیوانی میں سے ایک نوع کو جو ہر عقل عطا فرما کر مقید بنا دیا جسکی وجہ سے نفسانی خواہشیں محدود ہو گئیں اور چونکہ خواہش کا پیدا کر کے روک دیا جانا واقعی ایک سخت تحمل اور ضبط کا کام تھا ؟ جو دوسرے انواع کی قوتوں سے باہر معلوم ہوتا تھا لہذا اس خدمت کی سزا داری ہی نوع ماننے گئے اور ایسی بڑی خدمت کی اعزاز کے سبب باقی تمام انواع حیوان میں میں یہ ہو کر متاثر گردانے گئے اور اشرف المخلوقات کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہی نوع نوع انسان کہلائے گئے۔

لیکن حقیقی نے خصوصیت کے ساتھ ہر ایک نوع حیوانی کو ایک ایک خاصہ عطا فرمایا ہے جسکے سبب وہ ہر ایک بھی اپنے باقی انواع سے میسر ہو گئی ہے اور چونکہ وہ نوع ایک خاص کام کے واسطے بنائی گئی ہے لہذا اوسپر کار بند ہو کر اوسکے دائرہ میں اپنی حیات عارضی صرف کر دیتی ہے اس مضمون کی تصدیق مذہب ہندو کی ایک معتبر کتاب ”منو سمرتی“ سے بھی ہوتی ہے اوسمیں لکھا ہے کہ ”ہر چاہی نے جسے پہلے جس جاندار کو جس کام کے لیے پیدا کر دیا آئندہ اوسکی نسل اوسی کام کے ساتھ مخصوص ہو گئی مثلاً شیر کا بچہ ہمیشہ شیر کی خاصیت میں اور بکری کا بچہ ہمیشہ بکری کی خاصیت میں پیدا ہوتا ہے۔“

مگر قوت مدد نہ ہونے کے سبب وہ نوعیں ایک دوسرے کی جبلت خاصیت دریافت نہیں کر سکتیں اور اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے عادات اختیار کرنے سے مجبور ہیں البتہ انسان اپنی جبلت فطرت اور قوت مدد کی بدولت

اکثر بلکہ تمام حیوانی اطوار اور خواص سے واقفیت رکھتا ہے اور حاصل کر سکتا ہو۔ مگر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ منقسم حقیقی کی تقسیم کئے ہوئے۔ خاصۃً اپنی اپنی نوع کے واسطے بستر کے ساتھ مخصوص مانے گئے ہیں دیکھو کہ خداوند تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے اور بھلائی کے نتیجہ سے خالی نہیں ہے اور وہ ہر امر کے نتیجہ سے واقف ہے اسلئے کہ وہ سب فعل اور احوال کے نتائج اور یکے قائم کئے ہوئے ہیں اور وہ قادر مطلق حکیم دانا اور عالم الغیب ہے مگر وہی اطوار و خواص جو ایک نوع کے واسطے بستر تھی دوسرے نوع کے واسطے غیر ضروری اور مضربکہ بعض مواقع پر باعثِ ہلاکت ہوتے ہیں اکثر انواع کے خاصۃً جنسے ایک نوع کو راحت پہنچتی اور دوسرے کے واسطے ضد واقع ہوئی ہیں جو باعثِ کلفت و ہلاکت ہیں۔

(عقل) فی نفسہ ایک جو ہر لطیف ہے جو دریافتِ مہیات اور کتابِ حیات کے لیے بنیادِ آئہِ باطنی کے ہے اور ایک حالتِ محویت میں انسان کے متعلق کی گئی ہے (وہ خود یہ نہیں جانتی کہ میں اس مادہ میں کس غرض سے بھیجی گئی ہوں) اور اس کا خارج میں کوئی وجود نظر نہیں آتا ہے۔ مگر باطن میں اس کو انسان کے دل و دماغ سے ایسا متعلق ہے جیسے وزیر کو پادشاہ کے ساتھ عقل و فطرت میں مقدم ضرور فرق ہے کہ عقل کو انسان کی پیدائشی حالت سے کچھ سروکار نہیں یہ ایک قوتِ مدرکہ خارج سے انسان کے متعلق ہوتی ہے اسکی ترقی انسان کے خارجی اسبابِ معلوم مشاہدہ تجربہ وغیرہ پر موقوف ہے اور فطرت انسان کی پیدائشی مادہ کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اس کو انسانی مادہ تخلیق سے واسطہ ہوتا ہے۔

(انسان) مختص ہے نفسِ ناطقہ کے ساتھ اور نفسِ ناطقہ کتے ہیں اور کمالِ اولیٰ کو

جو جسم طبعی کے واسطے ہوتا ہے اور وہ کمال صاحب الہ ہوتا ہے واسطے اور اک
امور کلینیہ اور جزئیہ مجرودہ کے پس اس نفس ناطقہ کے واسطے دنیاطراون آثار کے
جو ادھمین پائے جاتے ہیں (دو قوتیں ہیں)۔

پہلی قوت عاقلہ ہے جس سے نفس ناطقہ امور نظوریہ و تصدیقیہ کو جانتا ہے اور
اس قوت کو عقل نظری کہتے ہیں اور دوسری قوت عالمہ ہے جو انسان کے بدن کو
احوال جزئیہ کی طرف حرکت دیتی ہے بسبب فکر کے جیسے انسان نے فکر کی اور اس کی
فکر سے یہ اعتقاد پیدا ہوا کہ یہی سے کلکتہ میرے بیٹے بہت اچھا ہے یہ اعتقاد کر کے
اپنے جسم کو کلکتہ کی طرف حرکت دی اس قوت عالمہ کو عقل عملی کہتے ہیں۔ اور نفس
ناطقہ کے لئے (دلچاظ قوت عاقلہ کے) چار درجہ ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ نفس تمامی معقولات علم حصولی سے خالی ہوتا ہے بان اتنا ضروری
ہو کہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے لیکن یہ علم حضوری ہے اسی واسطے اور پر علم
حصولی کے قید لگا دی گئی۔ بان استفادہ او سکوادون معقولات غیر حاصلہ کے
حصول کی بافتہ ہے؟ اس درجہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہ کہ جب وہ نفس جزئیات پر حس ڈالتا ہے تب او سکوا معقولات
بدیہیہ حاصل ہوتے ہیں اور استفادہ اس بات کی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ
ان امور بدیہیہ سے نقل کرے طرف امور نظریہ کے اسکو عقل بالملکہ کہتے ہیں۔
تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ امور نظریہ کو حاصل کرے ولیکن ادون امور نظریہ کا
مطالعہ و معائنہ نہ کرے بلکہ وہ امور اس کے خزانہ ذہن میں جو کہ ایک قوت ہر قوی
باطن سے مجتمع رہیں اسکو عقل بالاصل کہتے ہیں۔

ہو بخار و درجہ یہ ہے کہ وہ نفس ناطقہ اپنے مقولات مکتبہ کا مطالعہ کیا کرے اسکو
 عقل مطلق کہتے ہیں۔ اور عقل بالملکہ خود و سرور درجہ کا نام ہے اگر نہایت اور
 انفس مدارج میں پہنچ گئے تو اسکو قوت قدسیہ کہتے ہیں چونکہ خلقت انسان و
 حیوانی سے ہے اسلئے اسکی فطرت فطرت حیوانی سے علیحدہ نہیں ہو سکتی پس اسکا
 میلان طبع افعال و خواص حیوانی کی طرف ہوتا ہے یہ ضرور ہے کہ جس طرح دوسرے
 انواع کو ایک ایک خاصہ عطا ہوا ہے اسی طرح یہ بھی خاص امونکی پابندی کیواسلئے
 مختص ہے چونکہ کبھی مادہ فطرت نفس ناطقہ پر غالب اگر انسان کو افعال حیوانی کے
 الکتاب پر متوجہ کرنے والا ہوتا ہے اور تا وقت انسان فطرت کے غلبہ سے بہت
 جلد آزادانہ افعال حیوانی کا مرتکب بن جاتا ہے مگر افعال حیوانی بہت سے ایسے ہیں
 جو انسان کے واسطے باعث ہلاکت ہیں اور انسان اونے بخیر ہے۔ اسلئے نیکی پسند
 منصف کامل اور متعظم حقیقی نیکو اندیشی کے ساتھ اون افعال سے باز رکھنے کے
 واسطے انسان کو عقل عطا کی اور چونکہ عقل مخلوق اپنے ممکنات سے ہولندا و اسکی
 خطا کرنے پر کوئی شے مانع نہیں ہو سکتی اسلئے عقل کو خطا سے محفوظ رہے کیواسلئے
 ہادی (یعنی رسول) اور مصلح پیدا کیے جسکو ناموس اکبر اور حکیم باطن کہتے ہیں) اور
 بیان تک بحر رحمت موجزن ہوا کہ وہ ہادی اور مصلح انسان کے بھیس پیدا کیے
 تاکہ اونکی ہدایت اور اصلاح زیادہ تر موثر ہو۔ چنانچہ بیشمار پیغمبر اور ہادی اور مصلح
 و فتا فوقانی آدم مبین پیدا کیے گئے اور بہت سے برگزیدہ اشخاص رہنمائی کرنیوالے
 (اور نفس انسان کو اون کاموں سے بچانے والے جنکے نتیجے انسان کے حق میں ضرر
 تصور تھے) ظاہر ہوئے جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کروڑوں بلکہ بیشمار راہ سے

بچھٹتے ہوئے بنی آدموں کو منزل مقصود تک پہنچایا اور مطلق العنانی سے انسان کو
 جو کہ تمام صفات حیوانی سے متصف تھے باز رکھا۔ علوم سکھائے انسانی عقائد کو
 بیدار کیا ہر امر کے نتیجے سے آگاہی دی۔ تہذیب نفس کے ساتھ اونکو اون فرائض
 کی طرف متوجہ کیا جنکے واسطے اونکی آفرینش ہوئی تھی اور انسانوں کو انسانی حقیقت
 سمجھائی اون بادین پیہرون اور مصلحوں کے ہند و نصایح (جو کہ واصل خاص خدا
 کی طرف سے ہوتے ہیں) وہی امور ہیں جو بندہ اور عبود کے درمیان رہے اور
 دل کے واسطے قائم ہیں۔ اور انہیں امور اور ہدایات کی پابندی کا نام عوام
 لوگوں میں مذہب ہے۔

”مذہب کے معنی ہیں چلنے کی جگہ۔ مگر اصطلاح میں کسی رہنمائی پیروی کو کہتے ہیں۔
 اور مذہب کے احکام کو شریعت کہتے ہیں! اور انہیں احکام کے مکتوبی مجموعہ کا نام
 کتاب مذہب ہے۔ واصل مذہب کا خاص مدعا اور منشا، تہذیب نفس انسان
 جو کہ اوکو عام خواص حیوانی۔ یہ بجا کرتیہ انسانی پر فایض کرے۔ اسوجہ سے
 شریعت کے احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں۔“

یہ منسوخی احکام ایسے نہیں ہوتے ہیں کہ جسمیں اصولی مذہب منسوخ ہوں بہین
 بلکہ اصول مذہب وہی قدری قائم رہتے ہیں مگر وہ امور جو دراصل مخلوق کی بہتری
 اور تہذیب کے واسطے مناسب وقت جا کر اصول کے ساتھ ملائے جلتے ہیں
 جنکی پابندی کا حکم ہی قریب قریب اصول کی پابندی کے ہوتا ہے۔ از سر نو

تبدیل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت آدم سے اس وقت تک بہت سی شریعتیں تبدیل
 ہوئیں مگر اصول ملت وہی قائم ہیں جو کہ حضرت ابوالبشر کے وقت میں قائم ہوئی
 تھی جیسا کہ کتب قدیمہ سے پتہ چلتا ہے۔ دو تہریت زبور انجیل و فرقان، پس مذہب
 وہی ہے کہ جو فطرت انسانی کی متابعت کرے کیونکہ فطرت انسان کے مادہ کے
 ساتھ پیدا ہوئی ہے اور انسانی مادہ و راصل مادہ حیوانی ہے پس فطرت انسانی
 ہی فطرت حیوانی سے علحدہ نہیں ہو سکتی۔ کس لئے کہ انسان بھی فی نفسہ حیوان ہے
 اسکا مادہ بھی اور نہیں حیوانات کے ساتھ اور انہیں کے طریقہ پر ترکیب پایا ہے
 جنکو حیوان مطلق کہتے ہیں؟۔ پر انسان کی فطرت کس طرح فطرت حیوانی سے جدا
 ہو سکتی ہے اور فطرت حیوانی اس امر کی مقتضی ہے کہ بالکل آزادانہ اپنی خواہشیں
 پوری کی جائیں۔ مثلاً کوئی حیوان جب غلبہ شہوت سے بیتاب ہوتا ہے اس کے
 پنج کی جو مادہ اس کے سامنے آتی ہے اس سے جتنی کرتا ہے اور اپنی ہوس کو
 پورا کرنا چاہتا ہے چاہے مادہ حیوان ہو جسکے بطن سے یہ خود پیدا ہوا ہے۔
 اسی کے نطفہ سے کوئی پیدا شدہ ہو۔ اور وہ اس فعل سے نہ نادم ہوتا ہے
 گنگار کیا یہ فطرت کا مقتضی نہ تھا جو حیوان سے ظہور میں آیا۔

اور اسی طرحے بشمار ثلثین ہر انسان اپنے جی میں خود سوچ سکتا ہے تو کیا یہ فعل
 ایسی فطرت انسان کے واسطے کوئی بھلائی کی بات ہے پس مذہب ہمیشہ مقتضی
 فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ بلکہ فطرتی اضلال کی اصلاح اور درستی کے واسطے
 مذہب کی ضرورت پیش آتی ہے اگر صرف فطرت ہی انسان کی تہذیب نفس کے
 واسطے کافی ہوتی تو عقل کیوں دی جاتی۔

انسان کو عزت فطرت کی بدولت نہیں ہے بلکہ اسی جو ہر عقل کے سبب اس نے تمام مخلوق پر شرف پایا ہے اور عقل کے سبب نعمت میں (باندھنا) یہی تحریر ہے بیشک انسانی فطرتی آزادی عقل سے باندھی گئی ہے اور محدود کر دی گئی ہے۔ عقل کا کام ہے کہ جو خیالات انسان کے دل میں پیدا ہونے لگتے ہیں وہ ان خیالات پر غور کرتی ہے جو انسان کے مفید ہونے میں اس کی پیروی کی اجازت دیتی ہے اور جب تکانہ تجویز برآطا ہر ہونے والا ہوتا ہے اسے باز رکھتی ہے۔ پس اگر انسان (حیوان مطلق) تسلیم کیا جاتا ہے تو ضرور اس کی آزادی میں ہی کلام ہے۔

جب انسانی روح کو جسم کے ساتھ ایک خاص مدت تک متعلق ہونا پڑا اور عالم علوی سے عالم سفلی میں قیام نصیب ہوا۔ تو اس کی اوس راحت و آزادی میں اوس وقت سے فرق آگیا جو کہ پہلے اسے حاصل تھی اس راحت کے چن بننے کے سبب اوس میں یکبارگی وحشت پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا کر اس امر کی خواہش مند ہوئی کہ کسی طرح سے پھر اوس آزادی اور راحت کو حاصل کرے۔ چونکہ جسمانی تعلق ہونے کے بعد اس کے عقل ہی مل چکی لہذا عقل کی مدد سے وہ اپنے مدعا کے حصول کے لیے کچھ غور و فکر میں مصروف ہوئے جب تکانہ تجویز ہوا کہ اس جسمانی تعلق کو سلامت روی کے ساتھ گزرائے کیونکہ اس کے چند طریقوں اور پابندیوں پر مجبور ہونا پڑا اور وہ پابندیوں اور طریقوں خود عقل نے اس کی تجویز کر لی۔

اور باوجود اس بات کے کہ عقل پر ہی روشن ہونے کی وجہ سے اس کی مجوزہ توہین آئیں اس کی روح کو حقیقتاً راحت ابدی ہو جانے کا کافی سبب نہ ہو مگر کیونکہ ناقص عقل کی تلاش اور تجویز ہی نقص سے خالی نہیں ہو سکتی۔

تا ہم بغیر طریقہ عقیدہ کے انسانی رنج کو دنیا میں رہنا دشوار ہوا۔ واقعی انسان چاہے
 ظاہر کیسی ہے آزاد و خواہے مگر پھر بھی چند ایسے ضروری امور کے ساتھ پابند رہیگا
 پھر آزادی کی پوری ترین صادق نہیں آسکتی کیونکہ درحقیقت وہ آزادی بھی چند
 ضروریات کی پابندی پر موقوف ہے۔ انسان اگر غور کرے دیکھے تو درحقیقت اپنے
 کو صد ہا امور کی پابندی میں پاد بجا اور آزادی کی کسی بلکہ صد ہا بنجیروں میں جکڑا اور عقیدہ نظر
 آتیگا اگر کوئی شخص مذہب کی عقیدہ سے آزادی حاصل کرے اور آزاد ہون کا خواہاں
 ہو تو ممکن نہیں جو شخص قید کی وجہ سے مذہب سے آزادی چاہے تب بھی ہاں
 آزاد نہیں رہ سکتا؟ یہ مسئلہ آزادی کا ایسا مسئلہ ہے جس سے کہ جو کچھ اس بارے
 میں کہا گیا اور لکھا گیا ہے وہ سب کم ہے اگر انسان شبانہ روز ہر ہر حالت کو اپنی
 نظر کرے تو فیصدی شاید ایک بات ایسی نکلی کہ جسمین یہ آزاد شخص ہو بلکہ بھی ممکن نہیں
 آزادی ضرور متنوع اور محال ہے اگر غور سے دیکھو تو اپنے گھر ہی میں انسان آزاد نہیں
 بسر کر سکتا۔ گھر میں اوس وقت خوشی اور خرمی نظر آسکتی ہے۔ جبکہ ہر نفس ضابطہ اور
 متعل ہو اگر ہر ایک شخص ہی چاہے کہ میرا ہی کتا ہو۔ میرا ہی سب خیال کریں تو ممکن
 نہیں کہ ایسے گھر میں امن و چین ہو۔ ایک دفعہ غصہ کرنے سے سب کام درہم و برہم
 ہو جاتے ہیں اور سب گھر والے افسردہ اور پریشان دکھائی دیتے ہیں جبکہ گھر کے
 مالک کو اپنے خاندانی اور گھر والوں اور نوکروں کے راضی رکھنے کی کوشش لازم
 ہو تو ہر محکوم کا کیونکر بے فرض ہو گا کہ اپنے مالک کو اپنے سے راضی رکھیں
 اسی طرح پادشاہ و رعایا کے درمیان میں تعلقات میں کسی سلطنت میں امن و
 انتظام باقی نہیں رہ سکتا تو فیکہ پابندی قواعد اختیار کرے آزادی ہے ایک

ایسی شے ہے جو انتظام و امن کے بطور کرنے کا باعث قوی ہے۔ اسی وجہ سے
 واضعاً قانون کو ہمیشہ سے ایک قانون اور طریقہ کے جاری کرنے کی ضرورت
 ہوئی ہے اور قوم کو اوس ضابطہ کا جبر و ظلم سے اور کبھی رفق و نرمی سے پابند
 بنایا گیا ہے۔ اسی بنا پر انسانی روح اپنی زندگی سلاست و روی سے گزارنے
 کے واسطے کچھ طریقہ اور ڈھنگ مقرر کر لینے پر مجبور ہے جنکی وجہ سے اوسکو
 کس قدر اطمینان اور راحت ابدی ہوتی ہے اور اوس روح کی وحشت جو اوسکو
 جسم کے غفلت سے پیدا ہوئی ہے۔ کس قدر کم ہوتی ہے۔ سیواسطے ہمارے خالق
 و صانع نے ہکونین قوانین مذہبی کا پابند بنایا اور ہمارے خیر اندیش شفیع و مربی رسول
 مقبول مسلم نے ہکونواضابطہ شایستہ کہ جو ہمہ تن عقلی ہیں تعلیم کیے جسکا نام مذہب
 قرار پایا ہے۔

انسان ہمیشہ محتاج قوانین و ضوابط کا ہے۔ اور ہر مذہب و ملت کے قوانین اکثر مختلف
 ہوتے ہیں۔ پس یہ دیکھنا چاہیے کہ مذہب اسلام کے اصول و فروع کیسے ہیں
 اور آیا روحانی زندگی کے واسطے کافی ہیں یا نہیں۔

ہم اپنے مذہبی فروع کو بھی ایسا ہی مستحسن سمجھتے ہیں جیسے ہمارے اصول مذہبی جو عقل سے
 مطابق ہیں اور سب فرعیات اسلام کے عقلی حسن رکھتے ہیں۔

انسان کو لے جسکا جی چاہے ہمارے کنگن کو آرسی کیا ہے

ہم یہ نہیں کہتے کہ اصلی مشاور شایع کا اور اصلی ملت حملہ اور کی ہکو در یافت ہو گئی ہو
 نہیں بلکہ بانی اسکا اور مقصد ان قوانین کا ایسا حکیم و علیم ہے جسکا ہر فعل و افعال محکم
 مقصد سے ہوتا ہے ہر شے کی غایت و غرض و نفع تام لحاظ کر کے ہکو حکم کیا ہے۔

لیکن ہم بقدرِ راجحی عقل ناقصہ کے ہر ہر جزئیہ کو جب نظر کرتے ہیں تو کچھ نہ کچھ عین
حسن ضرور پاتے ہیں اگرچہ وہ اسرا کی شکل میں نمایاں ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ حسن
اور عین ضرور ہے؟ حسن و قبح کی چند قسمیں ہیں جسکو ذیل میں ہم بیان کرتے ہیں۔ ہم
یہ نہیں کہتے کہ وہ سب حسن ہر شے میں ہیں بلکہ ان اقسام میں سے کوئی نہ کوئی حسن
ضرور ہوگا۔

(حسن و قبح عقلی کے اقسام)

(۱) حسن و قبح عقلی کہی یعنی صفت کمال ہوتا ہے اور مقابل اس کے صفت نقص ہے
(جیسے علم حسن ہے یعنی کمال ہی اس شخص کیواسطے جو نصف اسکے ساتھ ہے اور
سب اس کے ارتقاع شان کا ہے۔ اور جہل قبح ہی یعنی صفت نقص ہی اس کے
واسطے جو اس صفت سے نقص ہے۔

(۲) یعنی تناسب و ملائمت غرض اور منافرت و مخالفت اس کے؟ اور ان معنوں
مصلحت و مفیدہ کے ساتھ ہی تعبیر کرتے ہیں۔ اور مصلحت و مفیدہ مختلف ہوتا ہے
باختلاف اعتبارات۔ اکثر افعال ایک کے حق میں مصلحت ہوتے ہیں اور دوسرے
کے حق میں مفیدہ "جیسے قتل زید مثلاً مصلحت ہے یا نسبت اس کے اعدا کے اور
مفیدہ ہے یا نسبت اس کے اولیاء کے" پس مصلحت غالب حسن ہے۔

(۳) یعنی ملائمت طبع اور منافرت طبع مانند اکل طعام لذیذ و شرب دوا تلخ کے؟
مگر مراد اس سے یہ متین ہے کہ جو مناسب طبع ہے وہ داخل مصلحت ہے کلیتہً اور
جو منافر ہے وہ داخل مفیدہ ہے ہمیشہ "مثلاً دوا تلخ کا پینا اگرچہ منافر طبع ہے
لیکن حال مرخص کے واسطے اصلح ہو نیکی وجہ سے حسن ہے۔"

۴) فعل کا سبب فتح و ذم ہونا سبب معرفت اور یہ بھی مختلف ہے باختلاف
عرفت اور انہیں معنوں سے قبیح کو ستانی مروست اور خلاف مروست اور خلاف فتح
بھی کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً عیسائیوں کا ہندوستانی لباس پہناؤنگے نزدیک و وضع
ہونے کی وجہ سے برا ہے اور مسلمانوں کو لباس عیسائیوں کا پہنا بد وضعی ہے۔ اور
اسی خیال سے کسی دربار میں فقیروں کی صورت بنا کر یا نا یا صحبت عیش میں
لباس مانتی پہنا اور محفل غم میں لباس شادی سے شرکت کرنا قبیح ہے۔

۵) قبیح وہ فعل ہے جس میں ایسی صفت ہو کہ اگر حکیم او سپر مطلع ہو تو متغیر ہو اور
حسن اسکے خلاف ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حسن وہ فعل ہے جس کا
فاعل مستحق مدح ہو نزدیک حکیم کے اور قبیح وہ ہے کہ جس کا فاعل مستحق ذم ہو۔
عام اس سے کہ ہماری عقل اوس میں اچھائی یا بُرائی تجویز کرے اور حکیم اوس کے
اچھائی یا بُرائی بیان کرے اگرچہ اسے اوس کی خطا پر مبنیہ شدہ کوئی ڈاکٹر طبیب
کسی مرض کے مناسب کوئی دو تجویز کرے اور استعمال سے اوس کے مریض کو
ضرر بھی ہو لیکن عمل کرنا اسے طبیب پر عقلاً مستحسن ہے حالانکہ مریض ناواقف
ہو مرض سے بھی اور علاج سے بھی۔ فقط تجویز پر طبیب کے عمل کرنا عقلاً مستحسن ہے
اور انہیں معنوں میں اکثر حسن و قبیح ہشیار شریعت کا ہے۔ جبکہ وجہ سے
ہم احکام کو بغیر ہی کہتے ہیں۔

۶) کیا ہو ایک ڈاکٹر کسی افسر محکمہ کی نسبت یہ کہہ دے کہ دماغ اس کا کمزور ہے۔ یا یہ
کام اچھی طرح نہ دیکھے گا۔ کمال دیا جاتا ہے۔ ایک انجینئر کسی کو مٹی کسی ہوٹل کسی
پل کی نسبت کہہ دے کہ یہ غیر مستحکم ہے بدون طلب دلیل کے اوس عمارت کو کمزور

میں لینا فرما دیا جاتا ہے۔

میں کیا وجہ ہے جبکہ ہم خان کائنات کو حکیم و علیم تسلیم کر چکے۔ اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ جو چیز کوئی بنا دیکھا اور اسکے تاثیرات و افعال سے ہی ضرور واقف ہو گا۔ پس جو کچھ ہم کو اصل و فروع تعلیم ہو سہ ہین ضروری اور لازمی امر ہے کہ اس حکیم مطلق بنے کوئی نہ کوئی نفع ضرور متوقع فرمایا ہو گا اگرچہ ہم اس سے ناواقف ہوں ہم کو حسن اور سکاویا ہی ہے جیسے طبیب کوئی دوا تجویز کرے اور ہم مرض سے اور رباہیت دوا اور تاثیر و افعال سے اس کے ناواقف ہوں اور رباہ وجود اسکے استعمال دوا پر عقلاً بچہ و بزرگ ہوں پس جن امور کو ہم اسرار غیر منکشفہ جانتے ہیں اسوجہ سے اس کے حسن کو نہیں دریافت کر سکتے اور اس بنا پر حسن اور سکا بر طرف نہیں ہو سکتا کیونکہ حکیم و علیم کا مقرر کردہ ہے جسکی دانشمندی اور حکمت ہم کو ہزاروں اور لاکھوں تجربوں سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور یہ جاننا کسی شے کے حسن کا یہ بھی ہماری جمالت کا ثبوت ہے کہ اس شے کو قبیح سمجھ لین یہ بھی عکاس تجربہ ہے مدد ہا اور ہزاروں اشیا و محض لکنہ ہی فی الجملہ انکی ماہیت معلوم ہوتے سے کیسے کیسے حسن و نہیں پیدا ہو گئے جب تک وہ شے محض لکنہ ہی ہزاروں جب نظر آتے تھے۔

ہم کو اس امر پر نظر کرنی چاہیے کہ علم و حکمت کن چیزوں سے بے بہرہ ہے۔ ہم درختوں کی روئیدگی اور پھولوں کی شگفتگی ایک مستقل اور غیر متبدل حالت کے ساتھ دیکھتے ہیں جبکی نسبت حکما کا قول ہے کہ یہ اسرار متغیر الدخل ہیں اون لوگوں نے اب تک ہم کو یہ بھی نہیں بتلایا کہ حقیقتاً زندگی کیا چیز ہے اور فی الواقع روئیدگی ہی ہے۔

یہ نہیں اور اگر ہے تو جسم کی موت کے بعد اسکی کیا حالت ہوتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ طبیب انسانی جسم کے ہر رگ و پٹھے ہڈی اور عضو کے نام سے مع فعل و مقام بتلا سکتا ہے لیکن تاہم وہ اس قوت سے بالکل لاعلم ہے جو جسم کو جاندار کرتی ہے۔ سائنس نے دماغ آدمی میں نفرت و محبت اور کل خواہشات نفسانی اور انسانی اور میلان خاطر کا مادہ پیدا کرتے ہے چھڑے یا گولی دل و دماغ میں پیوست ہو کر جاندار شکل کو ایک غیر متحرک اور بوجان تو وہ کے قطع مبدل کر دیتی ہے جو فوراً متغیر و فاسد ڈھیر ہو کر ایک جدید زندگی کی کڑے کموڑے کی شکل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی حکیم انسان کو سابق کی طرح سے زندہ کر کے اس میں محبت و نفرت کی قوت پیدا کر سکتا ہے "نہیں" اس سے کوئی ایسی شے خارج ہو گئی ہے جو پھر داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ کیا شے ہے اور کیا ہو گئی۔ حرکت اس جگہ بالکل گنگ ہے۔ کیا حرکت بندھا سکتی ہے کہ برقی قوت کیا چیز ہے باوجودیکہ اسی فن میں کیسی ترقی کی گئی ہے اور اس سے صد ہا چیزیں ایجاد کی گئی ہیں پس جبکہ انسان اکثر اشیاء کی کہنے کی دریافت سے قاصر ہے تو کیونکر ہر شے کا حسن و قبح دریافت کر سکتا ہے بجز اسکے کہ ایک مسلم الثبوت دانشمند حکیم خیر خواہ قوم نے جو امور جو قواعد مضبوط کرائے ہیں اوسے نیکر کے فقیر نہیں اور اسکی تعلیم میں عمر بسر کریں۔ بجز اسکے عقلا ہم کو کوئی چارہ کار نہیں ہے پس ہمارے اصول و فروع کے مہول الکئہ ہوئے کی وجہ سے حسن بر طرف نہیں ہو سکتا۔

حسن و قبح اشیاء کے جبل کے اکثر اسباب ہیں۔

(۱) عدم اطلاع ماہیت و کئی جیسا کہ اکثر اشیاء نامعلوم ہیں۔

(۱۲) مفاسد و مصالح کا نہ جاننا نہیں معلوم شائع نے اپنے کمال و دانشمندی سے
کس چیز میں کوئی مصلحت اور سوت دیکھی جسکی وجہ سے تمام قوم کو اسکا پابند بنایا اور
کس شے میں کہ مفید اور مضرت دیکھی جسکے خیال سے ممانعت کی۔

(۱۳) مناسب طبع عام و منافذ طبع عام سے بہکو، طلاع نہیں ہو سکتی پہلے تاریخ
کے نام ہوئی وجہ سے "مثلاً کوئی شخص کسی تلخ چیز کے کھانیکو کسی خوشی سے گوارا
نہ کر سکا لیکن ایذی البکمال فرحت و شادمانی اور اسکا استعمال کرتے ہیں۔ پہلے طبائع عرب
بادیہ نشین کے بہت سخت و جاہلانہ تھے آب و ہوا بھی وہاں کی اور ہی ہم جب تک
ان امور کے آثار سے مطلع نہ ہوں کیونکر کسی عمل کے حسن و قبح کو دریافت کر سکتے
ہیں۔ ہمارے واسطے وہی حسن ہے جو ہمارے عربی نیک نیت دانشمند رسول کے
ذریعہ سے ہمارے حکیم و علیم خالق نے بتائی اس حسن سے زیادہ دنیا میں عقلاً کوئی حسن
ہو سکتا ہے جس امر کے فعل کا اصرار اور جسکے ترک کی ناکید ایسا حکیم و علیم ایسے دانشمند
رسول کے ذریعہ سے کر دی۔

مثلاً کسی مریض کے واسطے کوئی عطائی ایسے نازک وقت میں کوئی دوا تجویز کرے جسوقت
کہ یہ مریض ایک کمرہ یا ایک صحرا میں جان بلب ہو تو کیا اسوقت غنیمت سمجھا جاتا ہے
نہ کہ پھر مریض کی خوش منشی سے ایک طبیب عاذق بواسطہ دوسرے طبیب کا دل کے
ایک دوا اور اس مرض کی بتلانے جیسین یہ بھی خیال ہے کہ اس دوسرے طبیب کی
شرکت سے اب مقررہ ضرر کا دوا نہیں باقی نہ رہا ہر طرح سے مناسب حال ہے اسی طرح
جو احکام ہم تک اور اس خالق علیم کے پہنچے بواسطہ اس دانشمند رسول کے ایسی تاریک
حالت میں جان کہ مرض جیل کی دبا پھیلی ہوئی تھی اور مریض جیل جان بلب تھا۔

اور جبکہ استعمال سے تیرہ سو برس کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ کروڑوں اور سنکھوں
مریضان جبل کو صحت ہوئی۔ پس کیونکر سے وہ شخص نہ ہوگا۔

اگرچہ ہم اس طریق علاج سے بالکل تابلہ ہیں؟ لاکھ ہم حکیم و عالم نہیں پھر یہی جاہل ہیں مقابل
اوجہ کے جبکہ سامنے ہرٹے بدبیات اولیہ سے ہے مگر انصاف مقتضی اس امر کا ہے کہ
تمام مذاہب کو ایک پلہ میں رکھو اور اس زندگی بخش اسلام کو ایک پلہ میں پھر دیکھو پاک
جہاڑی ہے۔ جو نسبت چوٹے سے چوٹے کرہ کو کرہ شمس سے ہے اگر وہی نسبت
ان تمام مذاہب کو اس فلسفہ مذہب سے نہ نکلے تو کچھ بات ہی نہیں۔

اب ہم بدو خدا حسن و قبح امثیا کو موافق گنجائش و صلت ثابت کرتے ہیں اگر خدا
بد کی اور ختم کی قدر دانی اور زمانہ کی ساعدت ہوئی تو ہم فرعیات کو از روئے عقل
کے ثابت کر کے دکھائے دیتے ہیں و ما توفیقی الا باللہ

(وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون)

عبادت ظاہری کا حسن

خدا نے عبادت کو علت غائی جن وانس کا قرار دیا ہے کیونکہ عبادت موجب
معرفت عبود ہے تاوقتیکہ معرفت محبوب نہ ہو تو وجود ہے عہد کا بیکار ہے اور یہ
ظاہر ہے کہ خدا نے حکم فقط اپنی شناخت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ لہذا عبادت
و طاعت ضروری ہے۔

عیسائیوں کا عام طور پر سلمانوں پر یہ اعتراض ہے کہ انسان کو مذکیہ نفس و رزق
روحانی درکار ہے اور وہی عقل و سزاوار ہے نہ یہ اعمال ظاہری شل طہارت
بدن روزہ و نماز کے "یہ محض ریاکاری اور دکھلاؤ کے بات ہے پس سب سے

کہ پہلے ہم ثبوت اس امر کا اجمالاً دین کہ اعمال ظاہری مذہب عیسائی میں بھی ضروری سمجھے گئے ہیں۔

اگر عیسائی اپنے متبن پر تو ریت کا بنانا چاہتے ہیں تو طارٹا روزہ 'اختہ' اور دیگر اعمال کے پابند بنیں اور توریت پر عمل کریں۔

کیونکہ خود حضرت مسیح فرماتے ہیں "ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہے تو شریعت پر عمل کر" (متی باب ۱۹) اور جو کوئی شریعت کا سب سے چوٹا حکم "مالدے وہ آسمانی بادشاہت میں سب سے چوٹا کملا دیگا۔ اور یعقوب کا یہ قول کہ انسان اعمال سے راست باز گنا جاتا ہے اور صرف ایمان سے نہیں اور ایمان بغیر اعمال کے مردہ ہے اسی طرح تمام انبیاء کا اس پر عمل رہا ہے۔ ہزاروں سال ائم سابقہ کا اس پر عمل رہا اور یسوع خدا نے ہی ایسی تعمیل کی تاکہ مزید کی اور نئیل توریت کا حکم دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جو شخص توریت کے چوٹے حکم کو مالدیگا وہ سب سے حقیر و صغیر کملا دیگا۔

پس جو لوگ عبادت ظاہری اور اعمال ظاہری کو کچھ نہیں سمجھتے وہ یقینی مخالفت توریت و مخالفت انجیل سمجھے جائیں گے ورنہ یا تو یہ کہو کہ یہ آیات انجیل کے غلط ہیں۔ یا پولوس کے ہدایات جو شریعت پر عمل کر نیکو منع کرتے ہیں وہ غلط ہیں۔ ہم تو ہرگز اس امر کو بادر نہ کریں گے کہ مسیح کا کاجوٹ ہو اور پولوس مقدس کا تقدس اسی بڑھ جاوے۔

پس جب یہ امر وضع کو پہونچا کہ عیسائی اپنی عیسائیت کے بقا میں مجبور ہیں شریعت کی پابندی پر تو اب اعتراض اٹھنا ہرگز چاہیے۔ عیسائیوں پر پھر نہیں ہر مذہب والا

اوس مذہب کا جہی تک کملا دیگا جب تک اپنی شریعت پر عمل کرے اور کوئی مذہب اعمال ظاہری سے خالی نہیں ہے وید کے ماننے والے بھی مجبور ہیں اور اعمال ظاہری

موجب تقرب باری خیال کرتے ہیں۔ دیکھو وید کی بدایت یہ ہے۔

”پر ماتما تک پہنچنے کے لیے بڑے سامان کی ضرورت ہے بادشاہ کے دربار میں وہی پہنچ سکتا ہے جسکی پوشاک درباری ہو اور جو کتاہی دربار کے ادب و قواعد سے واقف ہو اسی طرح راتما کے حضور میں پریم بل کے حاصل کرنے کے لیے بھی وہی عابد و عارف لوگ پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے زبردست سادہنوں سے اپنی آتما کو اس کے درشن کے قابل بنالیا ہو اور ساتھی اس کے یرم دھام میں بچرنے کے قواعد کو جانتے ہوں لیکن جس طرح پرکشاشی دربار میں واقف کار کے ساتھ جا کر انسان اپنی مطلب برآری کر لیتا ہے اور پھر اسکی تعلیم کے آئندہ کے لیے خود دیار کا بنجاتا ہے اسی طرح اس شاہنشاہوں کے بھی مالک پر مشور کی حضور میں بھی جو اس کے مقبول بندے ہیں انکی پیروی کرتا ہوا انسان رفتہ رفتہ پر مشور کے دربار تک پہنچ جاتا ہے۔“

اب ہم حسن عقلی اس عبادت ظاہری کی بیان کرنے ہیں۔

انسان کی واسطے روحانی تربیت کا کوئی مکمل طریقہ ہے تو یہی ایک جو فیض انسان کے ہر طبقہ پر منطبق ہو سکتا ہے؟ اسکی بنیاد اسی اذنی حقیقت پر ہے جو ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک بذریعہ منتخب انبیاء کے انسان کو حوالے کیا ہے۔ یعنی حضرت آدم سے تا حضرت خاتمِ بیجے ایک طریقہ ہی جو روح کی اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے کہ اسکو اعلا ترین ہستی نصیب ہو انسانی علم میں ہی ایک طریقہ ہے جو ہو ہو دلیل و حکمت کے مطابق ہے۔ دلیل اوہام سے بڑا ہے اور اسکا استغاثہ براہ راست انسانی عقل و فہم کی جانب رجوع کرتا ہے یہ شخص کو

بالا نفرد اپنے افعال و خیالات کا جواب دہ و مقرر تلبہ اور قائم مقام گذارہ
 کی تعلیم سے ارتجاب، معاصی کی جرات نہیں دلائی۔ دینی مطالب میں متاثر و مرتفع ہو
 اور انسانیت کے اعلا ترین و ذمی عظمت اجزاء سے شغل ہے اگر عقل و فراست اور
 رہتہ ستیزی سے اس پر غلبہ نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص ہمارے حضرت کی تعلیمات کا
 تجربہ کرے اور اسے معلوم ہو جاوے گا کہ ہر حالت میں یہ دینی و دنیوی و دیگر چیزیں کی تعلیمات
 و آیات کے باطل مطالب میں جو طریقہ اعمال و عبادات کا انحصار ہے قائم کیا
 وہ نفس الامری بالکل اس لیے تھا کہ نوع انسان بت پرستی سے باز رہے اور اونکا
 مقصد یہ تھا کہ جیسے راستبازی و ادراک کے ساتھ عمل کرے اسے انسان کو تقرب
 باری تعالیٰ سے حاصل اور باطنی پاکیزگی و شستگی کے ساتھ تصفیہ ظاہری بھی مع
 دیگر خوبیوں کے میسر ہو اسلامی عبادت اگر چہ ظاہری ہے لیکن تناسف اور روحانی
 رخصت کی جو رخصت کے پاس اور ہر شخص کے دل میں ہے کیونکہ ہر عبادت اور ہر عمل
 نیک سے انسان کا قصد یہی ہوتا ہے کہ ہم بذریعہ اسکے تقرب روحانی خدا سے چاہتے
 ہیں چنانچہ بلکہ عبادات و طاعات میں نیت کو لازمی اور پہلی شرط قرار دیا ہے اور
 بدون نیت کے ہر فعل کو بیکار و عبث سمجھا گیا ہے بلکہ اس نیت کو رکن قرار دیا ہے۔
 (عبادت میں نیت کرنا حسن عقل) نیت ہی قلبی اور روحانی شے ہے ظاہری پس
 نیت کی شرط ہونے سے نیک نیتی اسکی شرط کنندہ کی ہر مضمت مزاج پر ظاہر ہو سکتی ہے
 کیونکہ نیت اس لیے قرار دی ہے کہ انسان عادی ہو اس امر کا کہ ہر فعل کو اپنے ہاں ارادہ
 خدا سے لے کر لائے ماسوائے خدا کو اپنے کسی فعل میں شریک نہ کرے۔ جب
 انسان اس امر کا عادی ہو جاوے گا کہ ہر کام خالق کی خوشنودی کے واسطے کرے تو اگر
 کسی دنیاوی کام پر آمادہ ہوگا تو ضرور یہ خیال کرے گا کہ یہ کار دنیاوی کس قسم کا ہے

پسندیدہ خدا ہے یا نہیں اگر پسندیدہ خدا ہے تو کچھ محض اس کی خوشنودی کی واسطے بجالانا چاہیے اور اگر ناپسندیدہ ہے تو کچھ ناپسندیدہ یا نہیں پس ہر فعل میں ضرور اس کی نیت خدا کی خوشنودی کی ہوگی جس سے قوت روحانی مضاعف ہوتی جاوے گی۔

دوسرے یہ کہ نیت کی بدولت آنحضرت نے انسان کو انسان بنایا اور ارادہ جو کہ جزو کائنات انسان ہے اس کا ایسے اچھے اسلوب سے انسان کو عادی کیا کہ جس سے بہتر کوئی طریقہ تصور نہیں کیونکہ انسان کے مجموعی افعال اکثر بلا ارادہ اضطرار پر ہی محمول ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑا نقص ہے کیونکہ جب بلا ارادہ کسی کام کو کر لیا تو اس میں خوف ضرر بھی ہوگا اور معذرت سے اجتناب نہ کر سکیگا اور جب بقصد ارادہ جس فعل کو کر لیا تو اگر عاقل ہے تو ضرور معذرت سے پرہیز کر لیا پس شایع نے انسان کو پابند ارادہ کا بنایا کہ جو کام کیا جاوے ارادے سے ہو جس کا نام نیت ہے۔ پس جب انسان امور مذہبی میں ارادہ کا پابند ہوگا تو بسبب عادت کے امور دنیاوی میں بھی ارادے اور قصد کی پابندی کر لیا اور بوقت ارادہ ہر طرح سے انجام دینی کر لیا اور یہ خیال ہر وقت رہے گا کہ یہ فعل ہمارا پسندیدہ خالق ہے یا نہیں پس جن پسندیدہ ہوگا اس سے اجتناب و پرہیز کر لیا پس نیت ہمارے ہر فعل و ہر عمل میں تقریب خدا کی رہتی ہے جو مانع شرک ہوگی اور موجب تقرب روحانی ہوگی نہ ریاکاری جیسا کہ ریاکار عیسائی تصور کرتے ہیں۔

(اعمال ظاہری کا حسن بچند وجوہ ہے)

(۱) عقلا انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیے باطن اچھا اور ظاہر بُرا یہ عقلاً ویسا ہے جو جیسے عکس اس کا قبیح ہے۔

(۲) ظاہر اگر برپا ہے تو اثر اسکا باطن پر ضرور ہوتا ہے با افعال کرتے کرتے باطن ہی دیا
 اسی خراب ہو جاتا ہے چنانچہ مشاہدات سے یہ امر ثابت ہے کہ اگر کتاب سنا ہی سے انسان
 معکوس القلب ہو جاتا ہے کوئی نیکی آخر میں اس سے سرزد ہی نہیں ہوتی بجز بدی کے۔
 (۳) تصفیہ و حافی بدون اعمال ظاہری ممکن نہیں بلکہ با افعال سے نفس پر احتجاج
 و استدلال ہوتا ہے۔ دیکھو شرابخواری زنا کاری چوری اگرچہ یہ سب افعال ظاہری ہیں
 لیکن ان سب کا اثر نفس پر بلا انتہا موجود ہے نفس و روح میں جو تعلق ہے وہ بعینہ
 ایسا ہے جیسے صدف کا خانہ صدف ہے اگر خانہ صدف توڑیں تو اثر اسکا ضرور صدف
 پر واقع ہوگا اسی طرح جسم کو اگر آغشتہ بول و پیراز سے رکھیں گے تو کسی نفس ہمارا
 صفائی پسند نہ رہیگا بلکہ دل ہی آلودہ نجاسات سے ہو جاویگا پس تذکیہ ظاہری
 پر تذکیہ باطنی موقوف ہے اور بد چلنی کے سارٹنگٹ ظاہری کے خراب ہونے
 سے ملتے ہیں۔

(۴) حکمت اخلاق میں یہ امر ثابت ہے کہ انسان جس مرض میں مبتلا ہو۔ مثلاً
 عین جہن میں مبتلا ہے تو علاج اسکا یہ ہے کہ اسکو مخادوت و محالک میں مبتلا
 کر دین رفتہ رفتہ یہ مرض زائل ہو جاویگا اور یہ اچھے پہلے مرد بخاوینگے۔ اسی
 طرح سے بت پرست خدا کا نام لیتے اور سکا سجدہ کرتے اور سکا ذکر کرتے از
 بس ڈرتے تھے۔ لہذا اون کا فریت پرستوں پر خدا ہی کے سجدہ کرنے اور سکی
 عبادت کرنے اور سکا ذکر کرنیکا حکم ہوتا کہ مرض کفر و کنازائل ہو اور جو ظاہری عبادت
 لائے ہیں وہ عبادت خدا کرتے کرتے پیر عادی ہو جاویں اور وسیعہ حسد کو
 سجدہ کرنے لگیں۔

(۵) ہر قوم کے کچھ آداب مذہبی ہیں اور ہر ملت ایک طرفہ عبادت کے پابند ہو اب اگر اونکے افعال سے بہتر افعال و اعمال نہ لکھائے جاتے تو کیونکر دل اونکے پیچھے اور کیونکر سے ایمان لاتے۔

(۶) حالت باطنی اور قلبی ایک ایسی کیفیت ہے جسکا اثر دوسروں پر ناممکن ہے بخلاف ظاہر کے اسکا اثر دوسروں پر یہی بہت ہوتا ہے لہذا اعمال ظاہری اسواسطے قرار دی گئی تاکہ اثر اسکا غیروں پر بھی ہو۔

(۷) جو لوگ منافق ہیں اسلام کے دلی دشمن ہیں نہ ماہرین بسبب خوف یا لالچ و طمع کے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اونکی حالت باطنی کیونکر دریافت ہو سکتی اور کیونکر یہ معلوم ہو سکتا تھا بانی شرع کو کہ کون ہمارا دلی دوست یا دشمن ہے بجز ان اعمال ظاہری کے یہ وسیلہ گردانا گیا حالت باطنی دریافت کرنے کا جو شخص مطیع و فرمانبردار ہو گا اعمال و عبادات کو دقتا حینہ پر بجالا دیگا اور ضرور اسکے باطنی حالت کا اندازہ ہو سکے گا کہ کس قدر خدا کی محبت ہے اور کون کس قدر مطیع حکم خدا اور رسول ہے مثلاً ایک نمازی کو دیکھو جو شخص دقتا حینہ پر سب سے پہلے بہت اخلاص کے ساتھ نماز ادا کر گیا حاجی کے ساتھ سنتی نماز میں یہی خضوع و خشوع سے ادا کر گیا وہ شخص ضرور سچا مطیع سمجھا جاوے گا بخلاف اوس شخص کے کہ ٹکریں دوت بیوقت نماز پڑھ لی اتے معلوم ہو گا کہ یہ سچا دلی دوست و فرمانبردار نہیں ہے اسوجہ سے کسل و کاہلی اور سہل انگاری فرمانبرداری میں کرتا ہے ورنہ اپنی محبوب کے کام کو اچھی طرح سے انجام دیتا۔ اور اسی طاعت و عبادت سے اصحابِ رسول خدا

دوست و منافق کو پہچانا۔ بے جتنے ایسی نماز پڑھتی کہ پیر سے جوارح کے تیر نکالا شروع میں
 فرق نہ آیا۔ اسی طرح بے بوب کے کام میں مشغول رہے۔ تیروں کی بوچھاڑ میں نماز
 پڑھی وہ لوگ دلی دوست بلکہ عاشق صادق سمجھے گئے۔ پس ہر شخص کی محبت اور دلی
 محبت اور اسکے افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بد باطن۔ بد نظر ہے ہمیشہ
 طبیعت اور اسکی اسطوار۔ افسوس ہے کہ وہ کسی خوبصورت عورت سے حرام کاری کرے
 تو ضرور بد نظری افعال سے ظاہر ہوگی خواہ خواہ تاکہ ایک کریم شخص سے کوئی شخص
 نیک باطن ہے تو نیک اور اسکی افعال سے ظاہر ہوگی خدا نرسی جبکہ مزاج میں جو خواہ
 خواہ وہ اپنے بھائی۔ مثلاً کسی بلا میں دیکھ کر شریک حال ہوگا۔ اگر کوئی کسی عورت
 پر عاشق ہے تو رز عشق اور اسکا پیشہ نہ نہیں رہ سکتا ضرور اس کے افعال سے
 ظاہر ہوگا ہر وقت عشق کی رضا جوئی کرے گا عشق کو راضی و خوشنود رکھنے کی واسطے
 طاعت و فرمانبرداری کرے گا اگر محبوب سیر ہوگا اور اسکو عشق حقیقی ہے تو فراق میں
 ہنسے داسے کرباں عشق کو دیکھ کر سینہ پر ہاتھ رکھیں گے خاک پا کو آنکھوں سے ملیگا پھر
 آخر یہ سب افعال ظاہری ہیں جیسے باطنی حالت ہوگی اور اسکا ظہور ضرور ہوگا۔
 پس اگر ہم سچے خدا اور رسول کے دوست ہیں تو انکی محبت ضرور ہمارے ہاتھ
 و پیر کام و دہاں سے ظاہر ہوگی اور وہ آثار یہی عبادت و طاعت ہیں پس اگر
 ہم عاشق حقیقی خدا اور رسول کے ہیں تو دلی افعال محبت آمیز ہم سے ظاہر
 ہونگے و اگر چونکہ ان افعال کا کوئی قاعدہ و ضابطہ نہ تھا تو ہم ویسی ہی
 رسول کی محبت کرتے جیسے خدا کی اور محبت و صی رسول میں ایسے امور ہیں
 سرزد ہوتے۔ و خدا اور رسول کی واسطے زیبا تھی و مثلاً و فور عشق سے خدا کو یہی

سجدہ کرتے اور اسکے رسول و وحی کو بھی سجدہ کرنے لگتے اور یہ امر عقلاً فہم تھا کہ
پادشاہ و وزیر کو ایک حالت سے بندگی کرتے ضرور فرق چاہیئے تھا اس بنا پر تو خود
وضو ایسا مقرر ہوا جو خدا کی محبت میں ہجو چاہیئے وہ یہی بتلایا گیا جو اوس کے
رسول کی محبت میں چاہیئے وہ علو و بتلا دیا۔ جو اوس کے وحی کی محبت میں چاہیئے
وہ یہی بتلادیا پس اس غیر امتیازی حالت کی معنی بدون ان اعمال ظاہری کے
ممکن نہ تھی۔

(۸) اگر انسان کا ظاہر پڑا ہوتا تو بد فعلی و کمیکر ظاہر میں بہا گئے اور ہرگز اسکی
پیروی نہ کرتے جیسا کہ مقلد ان پولوس سے اسوقت اور مذہب کے ماننے والے
بھاگتے ہیں۔ کیا نیک چلنی کے سارٹیفکٹ کسی سوسائٹی سے بدون ظاہری
حالات جانچے مل سکتے ہیں ہرگز ممکن نہیں؟ آخر اسوقت میں تمام قوموں کے
اعراض عیسائیوں پر کس بنیاد پر میں سب نے یہ مان لیا ہے کہ عیسائیت میں
کچھ احکام ہیں نہ کوئی شریعت جو بلکہ مذہب عیسائی نے شریعت کے احکام ملتے
والوں کو لغتی قرار دیا ہے۔ نیکی کرنی برائی سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں تقویٰ
طہارت کا اس مذہب میں نام و نشان تک نہیں پولوس کے مقلد و پا کون
کے لئے سب کچھ پاک ہے۔ کے موافق اگر کوئی عیسائی۔ انسان کا گوہ بھی
کما لے تو اس کے لئے جائز ہے خدا کے حلال و حرام سے اونکو کوئی تعلق نہیں
اور بالکل انکی جہشیا نہ زندگی ہو سکتی ہے۔ جہاں عیسائیت کا قدم پڑا ہو
تقویٰ اور طہارت خدا ترسی کو سون دور بھاگتا ہے شرابخواری زنا کاری وغیرہ
کی کثرت ہو جاتی ہے چنانچہ مشہور پادوسی (ریزک ٹیل) نے ہی اس امر کا بٹے

زور سے اعتراف کیا ہے کہ عیسائی مذہب کے لیے تین لغتیں لازم و ملزوم ہیں بشرطِ انکار
 دنیا کاری۔ قمار بازی۔ جس ملک کے رہنے والوں نے کبھی شرب کا سہہ تک
 نہ دیکھا ہو۔ عیسائیوں کی برکت سے وہاں بھی یہ ام الحیائے موجود ہے جو شخص
 شرابی محتاط ہو گا وہ بھی ہاضمہ کی کمزوری کے لیے ضرور متورزی سی پی لیتا ہو گا۔
 یا عشاءِ ربانی سے محفوظ ہوتا ہو گا کیونکہ پوس مقدس کے یہ ہدایات ہیں۔
 (روم ۴ ص ۱۱) کوئی آدمی شریعت پر عمل کرنے سے اسکے حضورِ راستباز نہیں
 ٹھہرے گا (روم ۳ ص ۲۰) بلکہ کفار و پر ایمان لائے سے انسان مفتِ راستباز
 گننا جاتا ہے (روم ۲ ص ۱۳) اور شریعت کی بیانتک ہتک کی کہ صاف صاف
 کہہ دیا۔ کہ وہی سب جو شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں شریعت کے تحت میں
 ہیں پر یہ بات کہ کوئی شخص خدا کے نزدیک شریعت سے راستباز نہیں ٹھہر سکتا
 ظاہر ہے کیونکہ جو ایمان سے راستباز ہوا سو ہے جسے گارنٹولت کو ایمان سے
 کچھ نسبت نہیں (گلتی ۳ ص ۱۱) اور حتیٰ اینکه توریت کو یہ لکھ صاف اُڑا دیا کہ اگلا
 حکم ایسے کہ کمزور و بیفائدہ بنا دوں گے کیونکہ شریعت کچھ کامل نکلیا (عبرانی ۸ ص ۱۱)
 یہ اعتراض ہر قوم کا مذہب عیسائی پر خصوصاً اسلام کی طرف سے ایسا ہے جبکہ
 جوابِ زندگی بھر نہ سوچے بس جو لوگ ایسی شریعت کے پابند ہیں وہ نہیں کو کون
 اچھا کہتا ہے جو ہم ہی اسکو اختیار کریں اور طریقہ کہ اسکی عقلی ہونیکا ادعا ہے
 ایسی عقل آپس کو مبارک جو ہم اس عقلِ دی سے درگزر سے ہم بہ قوت ہی
 پہلے ہیں۔

(۹) ہر منہم کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور شکر منہم حقیقی اعمال ہیں اگر ہم عادی ہیں

طریقہ شکر کے نہ ہونے سے علی طور پر شکر ہم نہ ادا کرتے تو منہم مجاہدی کا بی زبانی شکر ادا کر کے
چٹکارا پاتے اور احسان و نیک بختی اور اس کے ساتھ نکتے اس واسطے کہ یہ خیال ضرور ہوتا کہ
منہم حقیقی کا شکر جبکہ فضیلت ہر شکر سے ہونا چاہیے وہ فقط زبانی زبانی ہی ہے تو پھر کریں
منہم مجاہدی کا شکر یہ ہی زبانی ہی نہ ادا کریں۔

(۱۰) شہرت مذہب کی بدولت اعمال ظاہری ناممکن ہے کوئی وسیلہ اظہار کا بجز اسکے
نہیں ہے جس قدر اعمال ہونگے اوس قدر شیوع مذہب ہوگا مثلاً دن رات میں
پانچ مرتبہ اذان کسنا کیا جو شخص اذان کو ہر گلی کو چھ مین شب و روز میں پانچ مرتبہ
سُنے گا تو شہرت و اعلان مذہب اس سے نہ ہوگا یا حج کو جب جاتے ہیں اور
قافلہوں سے ملاقات ہوتی ہے اور ہر طرح کے لوگ ستیاح و تاجر ملتے ہیں جب وہ
عاجیوں کے قصد پر مطلع ہونگے تو یہ باعث شہرت نہ ہوگا۔

(۱۱) بے شغلی بُری شے ہے شغل کے واسطے عبادت قرار دی گئی کیا انسان کو اگر بڑی
زندگی و اخروی راحت کی امید اس ذریعہ عبادت سے نہ دلائی جاتی اور یہ شغل
نہ کیا جاتا تو سلامت روی ممکن نہ تھے!! ہرگز نہیں! جب انسان کو اخروی امید
نہ ہوتی تو تحصیل دنیا میں ہر وقت شاغل ہوتا اور ہر اچھے اور بُرے عنوان سے
تکفیل دنیا کرتا اور مرکب فحاح و فضاخ کا ہوتا۔ لہذا ان اعمال کو ذریعہ حصول آخرت
گردانا۔ اور انسان کو یہ مشغلہ کرا دیا کہ دن رات عبادت کو دنیا کی طرف بھروسہ ضرورت تو ہے
(۱۲) انسان اگر پابند اعمال ظاہری کا نہ کیا جاتا اور مملکت نہ قرار پاتا تو کثرت جرائم
ہوتے اور بد انتظامی پھیل جاتی مملکت میں اور سیاست کے واسطے لازم ہے کہ
رعایا کو مملکت قرار دین اور آزاد محض نہ کر دین کیا کسی مملکت کا بقایا دون اسکے ممکن ہے؟

کہ رعایا آزاد ہو کر رہے اور بالکل کوئی مشغلہ نہ کوئی تکلیف نہ دیا دے۔ کیا الگ نزاری اور ٹکس یا دیگر قواعد کا انضباط کو رنٹ انگلشیہ نے بلکہ ہر گورنمنٹ نے کیوں قرار دی ہیں تعزیرات ہند بالکل بیکار ہے۔ یہ پابندی تو محض ایسوجہ سے ہے تاکہ پابندی قانون سے کسی جراثیم ہو، نظام کامل ہو اسی طرح سے صد با عقلی فرد اس عبادت ظاہری اور پابندی اعمال و افعال میں ہیں کسانک ہم بیان کریں۔

پس منافع مذکورہ کی غرض سے حکمت ناموس میں ہکوا اعمال و عبادت کا پابند بنایا اور اس عبادت کو علت غائے انسان کا قرار دیکر فرمایا اور ماحلفت الجن والانس الا یعبدون" یعنی خلقت تمہاری محض طاعت کے واسطے ہے اگر بے اطاعتی و نافرمانی کرو گے تو سپر وجود تمہارا جہش ہے ہم نیست و نابود ہی کر دینگے جیسا کہ بے اطاعتی کی ہی سزا ہے جن قوموں نے نافرمانی کی وہ نیست و نابود ہو گئیں و مکیہ قوم عاد و ثمود کی کیا حالت ہوئی۔ اسی نافرمانی سے (پنص توریت) اسرائیل کی سلطنت پر کیا کیسا زوال آیا۔

(اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم)

اطاعت میں تقلید کی ضرورت

اطاعت کے معنی حکم ماننا اور پیروی کرنا ہے اور اطاعت کی امور مذہبی میں دو قسمیں ہیں ایک بیعت و دوسری تقلید۔ بیعت و تقلید میں فرق یہ ہے کہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے اور تقلید میں اسکی ضرورت نہیں۔

بیعت مذہب شیعہ میں مخصوص ہے انبیاء و اوصیاء سے اور تقلید علماء مذہب کی پیروی کو کہتے ہیں مذہب میں بیعت و تقلید قریب قریب ایک ہی ہے۔ یعنی قول کو دہر کرنا

بدون طلب و لیل قبول کر لیا اور چون و چرا کرنا اور یہ دونوں بیعت و تعلید عین حکمت
ہیں۔ طاعت خدا کا نام عبادت ہے جو بجز اس کے کیسکی واسطے منزاوار نہیں اور
طاعت رسول و انہماں رسول کو طاعت ہے کہتے ہیں۔

تعلید سے زیادہ کسی امر میں طاعت نہیں ہے اس واسطے کہ بدون دلیل کے کسی امر
کو قبول کر لیا یا اعلیٰ درجہ کی طاعت ہے۔ بادی النظر میں یہ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ
بدون سمجھے کیسکی بات مان لینا غلات عقل ہے۔ لیکن جب ہم یہ تسلیم کر چکے ابتداً جسکی
ہم تعلید کرتے ہیں یہ شخص ہر طرح سے علم و فضل عقل و فراست و قائل احکام سے واقف
ہو اور جسے اچھا ہے اور ہر امر میں یہ خود مکرر نظر کر کے دلیل و برہان سے اپنے واسطے
ثابت کر چکا ہے اور اس امر کو اپنا باعث نجات سمجھ لیا ہے تو اب ہر کام اس سے طلب
و دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ویسا ہی ہے کہ کسی طبیب یا ڈاکٹر سے ہم باوجود جمل تشخیص
مرض اور علاج میں مباحثہ کریں اور جبکہ طاعت اقوال و افعال میں ایسے شخص کی جو
ہر طرح سے اعتراف ہو ہمارے لیے عقلاً بہتر ہے تو تعلید و بیعت ہی طاعت ہے یہ ہی عقلاً
مستحسن ہوگی۔

بلکہ انسان میں جبلاً ایسا ایک میلان ہے کہ وہ اسکی ثابت سے اپنے آپ کو بری نہیں
کر سکتا پیدا ہونے سے لیکر عمر کے آخری حصہ تک موقع و محل کا، یعنی اون چیزوں کا جو
اسکے چاروں طرف گھرے رہتے ہیں اور سہرا اثر ہوتا ہے۔ انسان حیوان میں فرق دیکھنے
کے واسطے بعض خواص و خصوصیات قرار دیے ہیں اور انسان کو اشرف المخلوقات
بنایا ہے۔ لیکن جس طرح سے سب حیوانات قوت میلان طبیعت کے مقابلہ میں مجبور ہیں
اویسی طرح انسان میں بھی بہ نسبت دوسرے حیوانات کے ایک خاص خاصہ میلان کا

یا جاتا ہے جسکو قوت تقلید کہنے میں جسکی عظیم تاثیر بنی فنی بشر پر ہے یہ امر مسلم شدہ ہو کہ ہر آدمی پر اس کے مقام پیدائش مقام پرورش مقام سکونت ملک آب و ہوا اثرات و تعلیم کا کامل اثر ہوتا ہے۔

مادہ تقلید جسقدر انسان میں ہے اتنا کسی اور جانور میں نہیں ہے نقل اودار لے کر کی طرف رغبت آدمی میں اسی زمانہ سے ظاہر ہوتا شروع ہو جاتی ہے جبکہ وہ مان کی گود میں ہوتا ہے پس جن لوگوں کے جیسے خواص و عادات ہوں اونیکی نسبت سمجھ لینا چاہیے کہ بچپن کی تربیت ایسی ہے طور پر ہوتی ہے۔ بچہ اسی زبان میں نقل کرتا ہے جسکو وہ دیکھتا ہے۔ بچپن میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے افعال و حرکات کو اپنی والدین اور مربیوں کے افعال و حرکات سے مشابہ کرنے کی کوشش کرے ہیں۔ بعض بچہ اس قسم کے باتیں کرتے ہیں جو انکے سن و سال کے موزوں نہیں ہوتیں اسکا سبب وہی میلان تقلید ہے یعنی وہ اون باتوں کی تقلید کرتا چاہتے ہیں جو اونہوں نے اپنی ماں یا کھلائی کی دیکھیں یا اونہیں سنی تھیں مانندانی اور بڑے گھرانوں و تعلیم یافتہ اشخاص کے بچوں اور اون بچوں میں جو ادنی طبقہ و اون اور گدا گروں کے ہوتے ہیں۔ یہ فرق نہیں ہوتا کہ اونکے دماغی بناوٹ کیساں نہ ہو بلکہ ان آخری تعلیم کے بچوں کے اعضا کی بناوٹ بہ نسبت اول الذکر بچوں کے زیادہ مکمل ہوتی ہے۔ چونکہ شریفوں کے بچے ابتدائے عمر سے اچھے افعال و حرکات کی تقلید کرتا شروع کر دیتے ہیں اسواسلئے اونکا ملکہ عقلی زیادہ روشن اور قوی ہوتا ہے مکتبوں مدرسوں میں ایک بد تہذیب شاگرد کا اثر دوسرے شاگردوں پر ضرور ہوتا ہے فیشن کی پابندی اور اوسکی طرف رغبت کی وجہ سے قوت تقلید ہے جو انسان میں نظر ثانی پائی جاتی ہے۔

واضعان قوانین کے نزدیک اخلاق عمومی کی درستی اور اصلاح کے واسطے اس قوت تقلید سے کام لینا نہایت مفید اور کار آمد ثابت ہوا ہے اور ان کے زعم میں ہر ایک شخص اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ جو چاہے وہ کرے بلکہ قومی اخلاق و عادات کی درستی کی غرض سے ہر شخص احکام قانونی کی پابندی کے واسطے مجبور ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہر کسی شخص کا کوئی بڑا فعل دوسروں کو تقلید کرنے کے واسطے مثال ہو جاتا ہے کہانیوں و قصوں اخبارات کا اثر قومی اور عموم اخلاق پر برابر دیکھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی قوت تقلید صرف افعال و حرکات کے مشاہدہ کی بنا پر متحرک نہیں ہوتے بلکہ کسی خیال کے پیدا ہو جانے سے اس کے کرنے کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے ایسے لوگوں کی کمی نہیں بلکہ ہر ایک قصوں کے فرضی اشخاص میں سے کسی کی تقلید کرنے کی طرت مانل ہو جاتے ہیں۔

اس مثل کی کہ بڑائی کا نقصان سات محلوں تک پہنچتا ہے، یہی سنی ہیں چونکہ انسان میں تقلید کرنے کی بے اختیار از رغبت ہے اس واسطے رفتہ رفتہ ایک بڑائی عموماً پھیل جاتی ہے۔ اور اس مثل کا یہی کہ انسان اپنے ساتھی سے پس جاتا ہے، یہی مطلب ہے کہ آدمی بغیر اسکے کہ اچائی یا بڑائی کی پرواہ کرے اپنے ساتھی کی تقلید کرنے لگتا ہے۔

اکثر دیکھا ہے کہ میان بیوی کی طبیعتیں اور عاداتیں یکساں ہوتی ہیں وجہ یہ ہے کہ میان اپنی بیوی کی اور بیوی اپنے میان کے مزاج کی تقلید کرتے کرتے دونوں کا رجحان مزاج یکساں ہو جاتا ہے۔

انسان میں ایک اور خاصہ یہ ہے کہ وہ غیر معمولی اور فوق العادۃ حالات کا

خواہان رہتا ہے یہی باعث ہے کہ ہر ایک آدمی اپنے افعال و حرکات کا حاکم خود نہیں ہو سکتا اور جو بات وہ کرنی چاہتا ہے بے پروائی اور خود مختاری سے کرنی چاہتا ہے لیکن قوت تقلید اس پر حکومت کرتی ہے اور اسکی خود مختاری کو روکتی رہتی ہے۔

علم افعال الاعضا کے ماہرین نے یہ قرار دیا ہے کہ تقلید کرنے کا میلان ایک عصبی خاصہ ہو اور جب کہی یہ خاصیت بڑھی ہوتی ہے تو بطور ایک مرض کے نمودار ہوتی ہے چنانچہ مائشہ (دودار) نے ایک مثال بیان کی ہے کہ بچے اس فوج میں جو میڈی کا سگر میں معین تھے ایک سپاہی کو دیکھا کہ وہ اس عصبی مرض میں ایسا مبتلا تھا کہ کوئی شخص جو حرکت اس کے سامنے کرنا وہ ہی بعینہ وہیابی کرنے لگتا اور چونکہ وہ خود ہی اپنے مرض کے اس مجبوری سے واقف تھا اس واسطے وہ ساتھیوں سے التجا کیا کرتا تھا کہ مہنی اور مذاق میں کوئی نامناسب حرکت اس کے روبرو نہ کیا کرنا ایک روز ب کھانا کھا رہے تھے ایک شخص نے ایک ٹین کا گلاس گرا دیا یہ شخص دیکھ رہا تھا اس سے رہا نہ گیا اور ایک کالج کا گلاس جو اس کے روبرو رکھا تھا اس نے اس کا گرا دیا اور وہ ٹوٹ گیا اسی قسم کی ایک اور حکایت مشہور ہے کہ ایک شخص کسی جرم میں مبتلا ہو کر قید ہو گیا وہ یہی اس بیماری میں مبتلا تھا امتحان کے واسطے ایک دن افسر جیل نے ایک چھری دیکر ایک شخص کے پیٹ پر اس طرح رکھی گویا وہ چھری کو پیٹ کے اندر بھونکنا اس شخص سے مضطرب ہوا وہ ڈر ڈر چھری چیرنے لگا اور اس شخص کے پیٹ میں بھونک دی۔ ایک دن ایک شخص ہانی کی صراحی سر پہ لے چلا جانا اسکی نظر ایک شخص پر پڑی جس نے ٹوپی اپنے سر سے اتار کر زمین پر دے ماری یہ دیکھ کر اس نے بھی فوراً صراحی کو سر پر سے گرا دیا۔ اسی

شانوں کی کمی نہیں ہے جسے قوت تقلید کی افراط ثابت ہوتی ہے۔ کسی شخص کو جمالی
 لیتے ہوئے دیکر دوسروں کو جمالی لینے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی قبیل سے
 چنپی سے کاسٹے وقت بغض و کینہ بناتے ہیں۔ دایہ بچے کو جب لقمہ دیتی ہے تو بچہ کے
 منہ کھلنے کے وقت خود ہی منہ کھول دیتی ہے اسکی اصلیت ہی میلان تقلید ہے۔ صحت
 کا اثر جو کہ انسان میں ان بنائے جاتا ہر شے میں موجود ہے وہ ہی میلان تقلید ہے
 (اس سوال کا جواب کہ) انسان تقلید کر نیکی کے طرف ایسا راغب و مائل کیوں ہے کہ
 کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکر خود بھی اوسی کام کو کرنا چاہتا ہے اور اس طرح پر
 گویا کہ وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگتا ہے، جواب یہ ہے کہ انسان جب کسی کوئی
 حرکت دیکھتا ہے یا کوئی بات سنتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے
 اور فکر انسانی اوس طرف متوجہ ہو جاتی ہے اگر وہ حرکت یا قول کچھ اہم ہے تو
 انسان اسکی طرف اس قدر توجہ کرتا ہے کہ خود بھی ویسا ہی کرنا چاہتا ہے فعل حرکت
 اور عقل و فکر کے درمیان باہم اس قدر مناسبت ہے کہ اس کو مناسبت نہ کہنا
 چاہیے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ گویا ایک ہی ہیں افعال و حرکات حقیقت میں افکار
 و خیالات کا ثبوت ہوتے ہیں۔ انسان صرف وہی حرکت کرتا ہے جس کا حکم اس کے
 دماغ سے ہوتا ہے اور دماغ اوسی شکل و کام کا مکمل دیتا ہے جس کا خیال اس میں
 بذریعہ نظر یا سماعت کے پیدا ہو گیا تھا غرض یہ ہے کہ انسانی فکر و خیال بذریعہ دماغ
 کے دوسرے اعضاء بدلی کو اپنے مشابہ ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں اس کا نام
 تقلید ہے۔ یہ مشہور ہے کہ انسان ڈرتے ڈرتے ڈرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔
 وجہ یہ ہے کہ جب کسی کے ذہن کا مشغلہ کسی خاص نقطہ پر منحصر ہو جاتا ہے تو اس سے

ہمیشہ وہی افعال سرزد ہو اکتھے ہیں جو لوگ راستہ میں چلتے ہوئے یہ سوچتے ہاتھ ہیں
 کہ کوئی خطرناک شے پس نہ ہو یا سنے ضرور وہ کسی وقت میں ڈھکے
 ہیں جسے کہ خیالی شکوک سے اپنا مقابلہ ہی ہو جاتا ہے کیونکہ کسی مقابلہ کرنیوالی
 شے کا خیال اور نئے ذہن میں اس قدر صورت پکڑ جاتا ہے کہ وہ شے اونکو مثل
 محسوس کے معلوم ہونے لگتی ہے جسکو جاہل تاہم آسیب سے تعبیر کرتے ہیں۔
 بہر حال جب یہ ثابت ہوا کہ انسان تقلید پر جلیتا مجبور ہے۔ اور خدا نے انسان میں
 اس مادہ کو پہلے سے خلق کیا ہے۔ تو حسن اس میں یہ رکھنا کہ انسان جلی اور سلفی
 طور پر اس امر پر مجبور ہو کہ دوسروں کے اچھے فعل کو دیکھ کر خود بھی پابندی اختیار کرے
 اور افعال حسنہ کی پابندی سے خود بھی نیک بنی اور بدی کی تقلید کو اپنے اوپر
 و تو اہی و زواجہ سے روکا ہے پس جب تقلید کا انسان پابند ہے اور افعال شنیہ کی
 تقلید سے اوامر و نواہی و زواجہ سے روکا گیا ہے تو ضروریہ نیک چلن بااخلاق ہو گا
 اور یہ امر یہی ہے کہ انسان جب تقلید پر عادتاً مجبور ہے تو خواہ مخواہ اچھے اور
 برے ہر فعل میں تقلید کرنا تو اب اس بے قیدی اور آزادی کے روکنے
 کے واسطے ضرور ہوا کہ کچھ ضوابط اور قواعد تقلید کے مقرر کیے جاویں اور
 مادہ تقلید سے اچھے یا شرکام لیے جاویں۔ پس اچھے آدمیوں کی تقلید
 کا حکم دیا کہ جو عالم و افقہ و اویع و ازہد و مجتہد جامع الشرائط ہو؛ کیونکہ ایسا
 شخص ہر حالت سے اچھا ہو گا اور اسکی تقلید سے یہی اچھا ہو جاوے گا اور اچھے
 مجتہد کے افعال و عادات و احکام پر عمل کرتے کرتے مثل اسکی نیک ہو جاوے گا
 اور زیادہ تر خصوصیت تقلید کی احکام و عبادات میں رکھی گئی تھیں تاکہ جملہ احکام

سبب تقلید اچھے شخص کی اچھی طرح سے بجا لاوے اور دنیاوی امور میں بھی اچھے کی تقلید عقلاً مستحسن ہوگی۔ جب یہ شخص تقلید کا پابند ہو جاوے گا تو رفتہ رفتہ کوئی اچھی بات جب کیلے اسکو نظر آوے گی فوراً اختیار کر لے گا اور بری بات سے پرہیز کرے گا۔ پس جیسا انسان اور اس شخص کی تقلید پیروی کرے گا جو ہمیشہ رسول خدا کی مرضی کے موافق ہر کام کرتا ہے تو اسکی اطاعت سے خدا کی طاعت ہوگی اور درگاہ باری میں یہ بھی مغرب بحساب جاوے گا جیسا کہ ہمارا قرآن مجید اسکی ہدایت کرتا ہے اور خدا فرماتا ہے **وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَهُوَ مَعَ اللَّهِ** جسے اللہ کے خاص علم کی فرمانبرداری کی اور اسنے اللہ کی فرمانبرداری کی اسطرح سے جو اولی الامر میں یعنی وہ لوگ جو پورا پورا احکام رسول کی پابندی کرتے ہیں ان میں سے بڑے بڑے معارف و افاضت میں کوئی ہلاکت و سواکس بھی نہ ہوگا اور ایسے شخص کی طاعت ہی طاعت رسول ہوگی اور طاعت رسول طاعت خدا ہے کیونکہ یہ امر یہی ہے کہ اطاعت سے وزیر کے پادشاہ ضرور خوش ہوتا ہے اور اس طاعت کو اپنی طاعت سمجھتا ہے کیا مثلاً اکثر صاحب کے حکم احکام کی پابندی کرتا اور انکی اطاعت کرتا اور اس حکم میں جو مثلاً نواب لکھنؤ بہادر کی مرضی سے جو عین طاعت نواب مذکور نہیں ہے اور اسی طرح سے۔ اسوجہ سے خدا نے تین طاعتوں کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے۔ **اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منکم**۔

اب یہ امر طے کرنے کے قابل ہے کہ مراد اولی الامر سے عقلاً کون شخص ہے۔ اور خدا اور رسول کی طاعت کے بعد عقلاً کس شخص کی طاعت کرنا لازم ہے ہم انصاف پسند لوگوں کے واسطے بہت مختصر تقریر میں اپنے مطلب کو ادا کرنا چاہتے ہیں وہ جبکہ جسے جتنی شیعہ میں ہوتے ہیں اور جسے ہکوکیت نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ مراد اس آیہ وافی ہائے

عقل کو منی طاعت ہے امور دنیا میں تنہا یا امور آخرت میں تنہا۔ یا دونوں طاعتیں
 بمقصد وہیں۔ اگر دنیاوی امور میں طاعت مقصود ہے تو کیا دینی باتوں میں ہم کو
 ادنیٰ تا فراموشی چاہیے ہے۔ ہرگز عقل اس کو قبول نہیں کرتی اور یہ طاعت طاعت ہی
 نہ کہلا دیگی اس واسطے کہ جو دیندار ہے اس کو تو دینی امور میں طاعت اپنی زیادہ
 تر محبوب ہوگی امور دنیاوی کی بہ نسبت۔ اسی طرح اگر دینی طاعت مقصود ہے
 اور دنیاوی امور میں بالکل اطاعت کی ضرورت نہیں تو یہ ہی عقل نہیں ہو سکتا اس واسطے
 کہ وہ امور دنیاوی ہی یا جائز اور حرام ہونگے یا مصیبت اور غیر محسن اگر مصیبت ہیں اور
 امور غیر محسن ہیں تب ہی یہ دینداری کے خلاف ہے اور جامع اعتدال ہے کہ امور دینی میں
 اطاعت ہی کرے اور پھر شکارنا و سرقر ہی کرے یہ طاعت ہی طاعت نہ رہے گی۔ اور
 اگر ان امور دنیا سے امور جائز جسے مقصود ہوں تو وہ ہی امور دینی میں داخل
 ہونگے اور دین و دنیا اس وقت میں ایک سمجھا جاوے گا۔ پس معلوم ہوا کہ عقل دین و دنیا
 دونوں میں طاعت چاہیے۔ اور طاعت اسی شخص کی سزاوار ہے اور عقل اس کی
 تعلیل لازم ہے جس کا دین و دنیا دونوں ہر طرح سے اچھے ہوں اور کوئی پہلو برائی کا نہ لگے
 ورنہ فائدہ ہے تعلیل کا کیا ہو گا بلکہ برے کی تعلیل کر کے بڑبڑاتا ہو گا اور
 یہ ویسا ہی قبیح ہے جیسے برے کی صحبت میں بیٹنا۔ اور گویا اپنے نہیں برائی کا عادی
 کرتا ہے۔

پس جو شخص دنیا دار ہے یعنی پادشاہ اس کو ہم کسی طرح سے اولی الامر نہیں قرار دے سکتے
 اس واسطے کہ دنیا دار کو دینداری سے کیا تعلق ہے۔

علاوہ اسکے ہم کو کوئی سلطنت شخص نہیں ہو چھوڑی۔ ہرگز کافی نہیں دنیاوی اور اخروی

دو دن جو روحانی سلسلہ کامل نہیں کر سکتے جسکی تقلید سے ہم اپنے اخلاق و عادات
 کو پورا کر سکیں اسلیے کہ عقل انسانی ہمیشہ اچھے اور برے امور کی شناخت میں مختلف
 چلی آتی ہے شر بخواری کو لیجئے جو بندگان مساوات ہے ہمیشہ ایک گروہ او سکی خوبیان
 اسقدر بیان کر رہا ہے کہ اوس سے بڑھ کر کوئی شے اچھی نہیں ہے۔ دوسرا گروہ او سکی
 خدمت کر رہا ہے۔ زنا کاری کو لیجئے جس سے سلسلہ تب منقطع ہوتا ہے ان دونوں وہ
 شیعہ اس کا پورا ہے کہ یورپ کی تہذیب اور حرام گہروں کی بنا اس پر ہے۔ تار بازی کو
 لیجئے اور لاٹری کا صیفہ یاد کیجئے پس جسوقت بادشاہ کی رائے حاکم کاری کا حسن تجویز
 کرے تو کیا عقلاً ہم ہی او سکی پیروی کر کے روحانی ترقی حاصل کر سکتے ہیں ہرگز نہیں
 ہرگز نہیں نوعی سلطنت امریکہ وغیرہ جسکی کارروائی پارلیمنٹ اور کونسل پر ہے جس میں
 بڑے بڑے حکماء اور مفکرین ہرگز اور بھلا انتخاب کسی کسی احتیاط عقلی سے کیا جاتا ہے
 او سکی تجویز سے سکرات کے کارخانہ سرکاری تجارت کے واسطے جاری ہیں اور حرام گہ
 سرکاری خانہ زاد اور دوس بڑھانے کی فکر میں ہے لاٹری کا صیفہ یاد کیجئے سرکاری محصول
 کی زیادتی کی نظر سے مرعہ ہے۔ پس جب رعایا اور بادشاہ دونوں کسی شریعت
 کے پابند نہیں ہیں تو اگر سلطنت شخصی ہے تو بادشاہ رعایا پر غالب ہے تو ہمسکو
 کیونکہ اطمینان ہو کہ بادشاہ آزاد فشن عکلات عقل کارروائی نہ کر سکا چنانچہ یہی دلیل
 سلطنت شخصی کی خوب بڑی بیان کی جاتی ہے۔ اور اگر سلطنت جمہوری ہے اور تمام
 ممبران کونسل آزاد فشن ہیں اور امید و بیم حکم الی کہیں کا ڈر انکو نہیں ہے وہ
 کونسل ہی غلط کاری میں مبتلا شخص واحد کے ہوگی اگر آپ کہیں کہ ہزار آدمی کا
 اتفاق رائے ضرور اچھی چیز کی اچائی اور بڑی چیز کی بڑائی ظاہر کر دیکھا پس قانون

سلطنت جو کونسل و پارلیمنٹ نے بنایا ہے ضرور محل اطمینان ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر
 شخص اجتماع سے ہر جگہ پر مجمع کا حکم افراد کے حکم سے بدل جائے۔ تو ایسا نہیں ہے بلکہ ہزار
 آدمی خطا کار کا مجمع ہی عمروں سے خطا کار ہوتا ہے اور ہزار آدمی غیر مذہب کا مجمع بھی
 غیر مذہب ہے۔ اب جو ایک خطا کار کو غیر مذہب کو سوچے گی وہی ہزاروں کو سوچے گی
 ۵ مرنے کے و طبیعت کے مزاج کے نہ مریض عشق اگر صد بدو علاج کیے۔ یہی حال
 ہر بعد میں رہا ہے بس ہر دن کی تقلید سے انسان ضرور ہٹ کر گا اور نیکیوں کی تعلیم
 سے نیک ہوگا۔ اس بیان سے ہمارے یہ واضح ہوا کہ سلطنت و تبادلی کی پابندی
 ہرگز ہکدور و حالی قوت نہیں بخش سکتے نہ اطلاق کی درستی کے واسطے ہمارے کافی ہو سکتی
 ہو اسی مقام سے جواب اون لوگوں کا بھی ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ آئین سلطنت کا خوف
 حکموں و کتاب جرائم سے روکنے کو کافی ہے شریعت کی پابندی کی کیا ضرورت ہے بس
 ہم طاعت و تقلید اوسکی کرینگے جو ہر طرح سے اچھا ہو اور جو کام وہ کرے دینی ہو یا دنیا
 اوسکی ناپیت اور غرض نتیجہ سے بخوبی واقف ہوتا کہ وہ بُرائی سے بچ سکے تب ہی
 ہکو تقلید کا نفع عقلاً ہوگا ورنہ تقلید سے مضرت ہوگی جو ان صفات سے منصف
 نہیں اوسکی طاعت اور تقلید سے عقلاً ہماری حرا لی ہی ہو جاوے گی۔

پس وہ لوگ جو ہر طرح کی قابلیت رکھتے ہوں اور اچھے اور بُرے کو ہر حیثیت سے
 جانتی ہوں اور صحت عام اور منافرت و طاعت عام سے واقف ہو ہر شخص کی قوت
 و طاعت کا یہی اندازہ کر لیا ہو تاکہ ایسی بات کوئی نہ کہے جسکے بجالانے کی ہکو
 طاقت ہی نہ ہو پس ایسا شخص دنیا میں نہیں ہو سکتا مگر وہی جو مؤید من اللہ اور
 لہم ہو بعد طاعت رسول ایسی ہے شخص کی طاعت ہکو لازم ہوگی تاکہ تقلید و طاعت

فائدہ اٹھاؤ میں اور بعد اس طبقہ کے پھر وہ لوگ ہونگے اور انکی تقلید ہم کو چاہیے
 ہو جو کہ طبقہ مذکورہ کے خشاء اور مقصود کو بخوبی سمجھتے ہوں خصوصاً مرادفات و تشابہات
 میں (جو کہ ہر کلام کو لازم ہیں) مقصود کا استیاز کرنا اور اسی ڈھنگ اور اسی رنگ سے
 امور دینی و دنیاوی کو نام علائق تک پہنچانا اور قدم با قدم ہونا اپنی سیرت کو ان
 لوگوں کی سیرت کے مانند قرار دینا اور مخلوق ان کے اخلاق سے کرنا ان لوگوں کی تقلید
 عام لوگوں کو لازم ہوگی اور یہ علماء مذہب و ملت ہیں جو بعد رسول و اولی الامر امام
 و حکام خدا کو سمجھ سکتے ہیں اور مرادفات و تشابہات میں اور ناسخ و منسوخ میں امتیاز
 کر سکتے ہیں اور اس طبقہ میں ہی جسکو زیادہ تر ملکہ و مہارت ہو اور سب سے بہتر
 افعال و حرکات جسکے ہوں اسکی تقلید مقلد لازم ہوگی اور بدو ان اسکے تقلید سے
 کوئی نفع نہیں ہو سکتا ماسوائے حضرت کے۔

ایسے لوگوں کی تقلید و طاعت طاعت خدا و رسول خدا اعتقاد سمجھے جاتی ہے اور تقلید
 مجتہدین و علماء ذریعہ تقرب باری سمجھا جاتا ہے

چنانچہ مانتے داسے وید کے ہی پیروی و تقلید پر سادہ ہون اور گروں کے پیور میں
 خود وید کی ہدایت ہے۔ (جس طرح کہ شاہی و بارمین واقعہ کلہ کے ساتھ جب اگر
 انسان اپنے مطلب بر آری کر لیتا ہے اور پھر اسکی تقلید کر کے آئندہ کے لئے خود
 و باری بخاتا ہے اسی طرح سے اس شاہنشاہوں کے ہی مالک پر میثور کے حضور
 میں ہی جو اس کے مقبول بندے ہیں انکی پیروی کرنا ہوا انسان رفتہ رفتہ پر میثور
 کے دربار تک پہنچ جاتا ہے) اور جب ثابت ہوا کہ اس تقلید انسان کی خلقت
 میں ہے تو خواہ مخواہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں عام لوگوں کو کسی اچھے شخص کی تقلید کر

آپنے اخلاق و آداب درست کر چکی ضرورت ہوگی پس وہ لوگ جنکی تقلید کرنی چاہیے
وہ عباد و زماں مذہب کے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو احکام خدا سے بہ نسبت عام لوگوں
کے زیادہ واقف ہوں سیرت اجیار و ادبیا کو حاصل کیا ہو متعلق باخلاق اشرافوں
اور چونکہ تقلیدیت سے ویسا نفع نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس شخص سے ہوگا اتفناح
ہوگا جو کہ زندہ امتیں موجود ہیں اس بنا پر تقلید مجتہدین کو فرض ہو رہی ہے۔ اور اس میں کمی
نہیں ہے۔

اسلئے کہ اس کے مسائل ہمیں روز بروز ایجاد ہوتے جاتے ہیں مصالح کا تغیر ہر آن ہوتا ہے
منازلت طبع و ملائمت غرض کو تبدیل ہے پس اسکے واسطے جدید عالم و متاع ہونا چاہیے
ناکہ وہ اسباب و مصالح اور تخلیقات شرعیہ کو جانچتا رہے زمانہ کے ڈھنگ اور رویہ کو
دیکھ کر تعلیم احکام کرے۔

۱۔ اسوات کے اخلاق حسنہ سے متعلق ہونا بدون سیرت جنہیں سیرت اولی مدون ہو
ممکن نہیں بخلاف اسکے کہ زندہ مثال اوں اسلاف کے اخلاق کے ہیں موجود ہواور ہم
اوسکو دیکھ کر اخلاق و آداب اپنے درست کریں۔

۲۔ آراء اکثر احکام میں مختلف ہیں اور مردانات و مشابہات میں مفہوم کے دریافت کرنے
میں اختلافات ہوتے ہیں پس جو لوگ ایمان سے اوں اختلافات پر نظر کر کے اور پھر
جانب و پرتال رائے کے کر لینے کو باعث مزید اطمینان ہوگا مقلد کے واسطے۔ اور
ہر آن وہ زمانہ میں تحقیق حق ہونا رہیگا اگر تقلیدیت کافی ہوتی تو تحقیق و جانچ کا
دروازہ بند ہو جاتا۔

پس بوجوہات مذکورہ ہر شخص کو لازم ہے کہ قوم میں جو سب سے بہتر و افضل ہو علم و

فضل زہد و اتقائین صاحب راے صائب ہوا و سکی تقلید کریں اور اس کے اخلاق کے
 حصول کی کوشش کریں اور اس کے احکام پر بدون طلب دلیل (اسی طرح جیسے کوئی
 طبیب و ڈاکٹر مریض کے واسطے کوئی دوا تجویز کرے اور مریض بدون اس سوال کے
 کہ دوا تلخ ہے یا شیرین اور اس کے استعمال پر مجبور ہو مطلقاً) عمل کریں کیونکہ ایسا شخص امراض
 روحانیہ کا علاج کرتا ہے اور مہایت مرض و تشخیص مرض اور مہایت علاج و تہتہ وقت و
 اور طریق استعمال سے بخوبی واقف ہے بہ نسبت ہمارے کہ ہم اون سب طرف سے
 جاہل ہیں پس حسن عقلی اس تقلید میں بہر نیج ثابت ہے اور مخالفت مخالف عقلی ہے۔“
 (اقبوا الصلوٰۃ ولا تکلوا من المشرکین)

اسلامی نماز کا حسن عقلی

اگر اسلامی طریقے کے اندرونی حالت فہم سے دیکھی جاوے تو فلسفیانہ معلوم ہوگی۔ اور
 اگر صرف اس کی بیرونی حالت کا ملاحظہ ہو تو اس کی افضل ترین خوبی اس سے ظاہر ہے
 کہ فہم انسان کے صحیح طبقات یعنی ایک ادنیٰ تہی سے لیکر اعلیٰ درجہ کے صاحبانِ غور اور
 ماہرانِ علوم کی روحانی ضروریات کے تمام تر مطابق ہے۔ قوتِ مدد کہ یا د قوتِ عائدہ
 سے اس کو کوئی انحراف نہیں ہے اور نہ کسی درجہ میں عدل و رعم کی فطرتی تحریک کے
 یہ مخالفت ہے۔ اس کو اون امور کے اعتقاد کی احتیاج نہیں ہے جو من قبیل فوق العادۃ
 ہیں اور نہ باطل ادیان و غیر ممکن اصول کی قبولیت کی ضرورت ہے۔

آنحضرتؐ نے بڑی شد و مد سے بیان کیا ہے کہ نماز مذہب کی بنیاد ہے اور بنیاب نے
 اپنے طریق مذہب کے دیگر ارکان کی بہ نسبت اس پر بہت زیادہ زور دیا تاکہ نماز کی قوت
 و عظمت زیادہ تر وضوح سے ظاہر ہو کیونکہ جب عقیدہ جو ش تاثیر۔ خلوص عقیدہ۔ اسلامی نماز

میں ہے۔ اور جب قدر نشان الوہیت۔ اوسکی ثنا اور عظمت۔ شرک و عیوب سے تشراف اور
برائیت۔ اوسکی ذات و صفات کی کمالیت۔ اور بندہ کی طرف سے اعلا درجہ کا اظہار
یعودیت۔ سچے دل سے حقیقی مقاصد کی اوس سے سلت۔ اور شکر و سپاس نعمت کا
بیان ہے دنیا کے سارے ادیان میں سے کسی دین یا فرقہ یا قوم کے طریقہ عبادت
میں ہرگز پایا نہیں جاتا۔ موجودہ مذاہب میں سے اگر کسی فرقہ کا طریقہ عبادت مسلمانوں
سے ملتا ہو۔ تو کوئی شخص مقابلہ کر کے دکھائے۔

جب قدر ادب کے طریقے۔ تعلیم کے دستور مختلف فرقوں۔ اور مختلف قوموں میں بچ
ہیں۔ اور جب قدر نشان صداقت دلی۔ خلوص قلبی۔ اور کمال ادب کے اظہار کے
لوگوں میں پائے جاتے ہیں وہ سب طریقہ اور تمام دستور مسلمانوں کی نماز میں موجود
ہو نکاحات کلام مقدس۔ ذکر الہی و عبادت جات سب کچھ اسمیں پایا جاتا ہے جسکو
ہم نے مفصل طور پر اپنی کتاب افادات احمدیہ میں درج کیا ہے۔ بیان ہم حسن عقلی کو
اس فریضہ کے بیان کرتے ہیں۔

(نماز کی حقیقت)

نماز کے واسطے جب انسان سچے دل سے اوس احکم الحاکمین خدا کے دربار میں
حاضر ہوتا ہے۔ تو کیسی سچی نیت اور خلوص قلب سے یکرض ہو کر اودھر ہے متوجہ
ہوتا ہے غیر کا خیال اور شرکت و خل پائے۔ نیت میں خلل آئے تو یہ اتنی نازیہ نہیں
بھر تحریر کے وقت جب اللہ اکبر لکھ دو نون ہاتھ اوتھاتا ہے۔ تو یقیناً خدا کے
باسواہر ایک چیز کو اوسکے حضور سے پس پشت ڈالتے اور عالم جسمانی کے تمام
فانی چیزوں اور دنیاوی علائن سے ہاتھ اوتھانے کا خیال اوسکے دل میں مرکوز ہوتا

اور کیونکر ممکن ہے کہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی اپنے احقر اضعفت۔ بے وقار۔ اور
 بے حقیقت۔ ہونے کا خیال اوسکے دل میں نہ آئے۔ اور کچھ شبہ نہیں۔ کہ قیوم کے
 وقت اپنے سچے مالک کے روبرو غلاموں کی طرح مودبانہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنے
 مالک کی کمال قیلم و ادب کا خیال اوسکے دل کے اندر ہوتا ہے۔ جسکے سانسے
 کھڑا ہے۔ کھڑے ہونے کے بعد اپنے سچے آقا خدا کی تعریف اور ثنائیں طبعاً
 ہوتا ہے۔ اوسکے تمام عیوب سے تبراہ ہونے کا اقرار۔ اور علوشان۔ و کمال غلت
 ادا کر رہا ہے۔ اسکے بعد سلسلہ کائنات کے احسن وار ذل وجود۔ منج و مظهر شر شیطان
 و شیطان ملکات اور رذائل سے خدا کی پناہ میں آتا ہے۔ اوسکی پناہ اور تائید کے
 فائدہ مستحکم۔ اوسکی امانت و توفیق کے حصن حصین میں جا گزرتا ہے۔ پھر ٹیسے
 مہربان نہایت رحم والے خدا کے نام سے ایک نہایت پرجوش اور موثر حمد کلام الہی
 پڑھتا ہے۔ اور ہمیں خدا کے۔ رب العالمین۔ رحمٰن و رحیم اور مالک یوم الدین ہونیکا
 اقرار کرتا ہے۔ سب خوبیوں کا مستحق اور تمام فیوضات کا سرچشمہ اوس ذات مجتمع القضا
 کو قرار دیتا ہے۔ اوسے بعد فیوض کی عبادت کرتا اور اوسے اوس عبادت اور
 ضروریات کے واسطے اعانت چاہتا ہے۔ اپنے مالک کی حمد و ثناء کے بعد اوسے
 حقیقی معلیٰ سے عرضداشت اور مناجات کرتا ہے۔ اور ونکی رٹویں اور قافی چیرن
 اور نفسانی خواہشوں کی اوس سے گزارش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی اور تمام لوگوں کی نجات
 کی سیدنی راہ پر چلنے کی اوس سے درخواست کرتا ہے۔ اوس راہ کی جیسے چلنے سے
 لوگ۔ و در افضال و عنایات ہوئے ہیں۔ اوس ملک کی زمین جسکے مالک خدا کے
 غضب اور عذاب کے سزاوار ہیں یا اوہر اوہر بیک کر اصلی راہ سے اور سمت

جابر ہے ہیں۔ اب منظوری کے آثار نمایان ہوئے۔ تقرب بڑھانہ الہی میں سے کچھ
چڑھنے کا بار ملا۔ خدا کے کلام میں سے کچھ نصیحتیں ملتی ہیں۔

خدا کی توحید میں کامل اور اول اور الفاعلین مختصر داخل ہونے کی جہت سے اکثر سورہ
اخلاص پڑھتے ہیں۔ مبین خدا کی الوہیت۔ احدیت صمدیت کا ذکر ہے، صمدیت الہی
اور کسی کے مولود ہونے سے اس کے تنزیہ و تقدس کا ظہر کی گئی ہے اور اسکو بیٹل
و گمانہ خدا اقرار دیا ہے جسکے برابر کا کوئی نہیں۔

اسکے بعد اللہ اکبر لکھا اور خدا کو تمام عالم سے برتر بیان کر کے اسکی درگاہ میں کمر تقییم خم
کی جاتی ہے۔ سر تسلیم جھکایا جاتا ہے۔ اور ساتھی خدا کی بڑائی اور بزرگی کا برابر خیال
ہوتا ہے اور اسکی عظمت۔ ربوبیت اور تقدس کا دل اور زمان سے اقرار ہوتا ہے۔

اس تقییم کے بعد پیرا دہ کھڑا ہوتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ میرا آغا میرے اس حال
اور عبادت سے ناواقف نہیں۔ بلکہ خوب سنا ہے اور اسے سب حال معلوم ہے
اس سے ہی ایک عجیب جوش اور عجیب اثر دل پر پیدا ہوتا ہے اور خدا کی حمد و ثانی
کا خیال کر کے ایک اور ہی کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے۔

خدا کو اسکی تحید کا حال معلوم ہے اسکا خیال کر کے اب پھر اسکی خوبیاں بیان کرتا ہوں
اور اللہ اکبر لکھتا ہوں۔ زمین سرزمین پر رگڑتا ہے۔ اور خدا کی علو شان۔ ربوبیت اور
پاکیزگی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے تئیں مذلت پسندی اور مقام نیستی میں خاک کے ساتھ
ملا تا ہے۔ اور مقام ہند و تفصیرات میں پیشانی اور بینی زمین پر رگڑتا ہے۔ اللہ اکبر
اگر پہلا سجدہ بتلے گا نگار کے لیے ہے۔ تو دوسرا اسکی توفیق اور اسے شکر یہ سننے
اظہار کے واسطے۔

مہر و وقت ہے کہ دربار سے اجازت رخصت ملی۔ اور خدمت سے فراغت ہوئی۔
 اور وقت راتوں پر ہاتھ رکھ کر کمال ادب اور تعلیم کے ساتھ منظر حکم مہیا ہے اور تمام
 عہد کے عبادات جو زبان سے ادا کی جاویں یا بدن و مال سے متعلق ہوں۔ اور کمال
 سستی اور محبت و حقیقی کو قرار دیتا ہے۔ اور واسطے فیوض و اہتدائے اپنے پیشوا و جناب
 رسول (ص) پر تہذیب و دو سلام پیتا ہے۔ اپنی اور سب نیک بندوں کی ہر طرح سستی
 چاہتا ہے۔ خدا کی اہمیت اور آنحضرت صلیم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے۔ رحمت
 عالمین کے واسطے نزول رحمت و برکت کا ایسا ہے خواستگار ہوتا ہے۔ جیسے توحید
 کے بڑے داعی۔ انبیاء بنی اسرائیل و بنی اسمعیل کے جدا جدا حضرت ابراہیم کے اور
 خدا کی رحمت و برکت نازل ہوئی۔ پہرہ تضرع و انکسار اپنے اور تمام مومنوں کی واسطے
 دعا مانگتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ اب یاد آئی سے دل مطمئن ہو گیا۔ روحانی سفر سے
 سیکے اندر۔ دل۔ زبان۔ کان۔ آنکھ۔ وغیرہ سب اعضا برابر اپنا کام کر رہے تھے۔ پس
 آگیا۔ نماز سے فراغت حاصل کر لی۔ عالم عیسائی کی طرف رخ کر کے اہل عالم پر السلام علیکم
 ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لکھ کر نماز سے فارغ ہوا۔

(تیسرے اوقات)

کہا جاتا ہے کہ خدا کی عبادت کے واسطے تیسرے اوقات ضروری نہیں ہے۔ انسان اپنے
 دل کی مرضی پر حیثیت چاہے اور سبکی عبادت کر سکتا ہے۔ یا ہر وقت اس کے سامنے
 اظہار نیاز مندی کر کے معروف عبادت رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ خدا ہی نماز کے واسطے
 اوقات کا تعین اور پابندی اوقات مفضل قید ہے۔

لیکن قطع نظر اسکے کہ بلا تیسرے اوقات ہر وقت خدا کی یاد اور اوستی کی طرف دھیان

لگائے رکنا اسلام میں بیچ مذاہب سے زیادہ تر موکم ہے۔ مگر بچ عقل زجان سکنا ہی
 کہ ہمارے کاروبار اور شرفیاء و نبوی زندگی بسر کرنے کے واسطے انضباط اوقات کی
 کفایت ضرورت ہے۔ (لغمان) کا قول ہے: "کوئی چیز ایسی سفر ت رسان نہیں
 جیسے وقت کا فضول طور پر ضایع کرنا۔"

سامی عدم انضباط اوقات سے ہمارے روزانہ کاروبار میں اتنی ہی واقع ہو جاتی
 ہو اگر ابتداء سے باقاعدہ پابندی وقت کی عادت غذائی عادات تو بوقت ضرورت
 اسکے مدون کرنے سے نہایت تکلیف ہوتی ہے انضباط اوقات کی عادت ڈالنے
 کے واسطے نماز کیسا مفید فرض ہے جو شخص کہ نماز کا پابند ہے وہ اپنے روزانہ کار
 بار خاص طور پر ٹھیک نماز کے وقت ختم کر لینے کی کیسی خوبی سے کوشش کرتا ہے
 تاکہ کار بجز کو انجام دیکر وقت پر نماز پڑھ سکے۔

تعیین وقت مسلمانوں کو ہر کام کے اندر انضباط اوقات سکاتے۔ اور اپنے اپنے
 وقت پر ہر کام کو کرنے کا سبق دیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بلا تعین اوقات فاعل کو
 اپنے فعل کا پورا خیال نہیں ہوتا چاہے مدون تک وہ کام نہ کرے۔ بلکہ پابندی اور
 تعین کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک طرح کا تاخیر و تاخیر اور سستی پیدا ہوتی ہے
 انجام کو وہ کام چوٹ جاتا ہے۔

لیکن تعین اوقات سے انسان اپنے فعل کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔ اور اس کے
 اتمام کے لیے تہی کرتا ہے۔ اور اس کے کرے کا منظر ہوتا ہے۔ اور پابندی کے ساتھ
 وقت پر ٹھیک کام کر لیتا ہے۔ اور غالب ہے کہ فرض خیرت ہونے سے انسان ساری
 عمر وہ کام نہ کرے اور امروز و فردا کر کے عمر تمام کر ڈالے۔ تعین اوقات اور پابندی کی

جست سے مقررہ فرض ادا کرنے سے انسان کو گریز نہیں ہے۔

ان اوقات کے تعیین میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ انسان ایک نماز کے بعد سادو دوسری نماز کے لیے چشم برآہ اور منتظر ہو جاتا ہے۔ اور یہ خدا کی راہ میں : ایک نماز سے دوسری نماز تک : اس کا انتظار بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ نماز کا سچا پابند ہر وقت نمازی میں ہے جب کہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد ساتھی اوسی دوسری نماز کی تیاری کی فکر ہوتی ہے اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جس شخص کو اپنے مالک کے حضور پانچ دفعہ حاضر ہوئے۔ اور اس کے دربار میں پانچ دفعہ بار پائے کا خیال ہے۔ اور جو نماز کے اندر خدا کی عظمت۔ جلالت کا سچے دل سے اقرار کرتا ہے۔ اور اس کی سچی محبت کا دم بھرتا ہے۔ اسے گناہ کی طرف ہی میلان بہت کم ہو گا۔ اور اسے شرم اور حیا آوگی کہ میں اپنے مالک کے حضور گناہ کی آلائش سے آلودہ ہو کر کیسے حاضر ہوں؟ یا حاضر ہو کر کیسی نافرمانی اور گناہ کا ارتکاب کروں؟ یہ شرم و حیا اسے ایسی دامن گیر ہوگی۔ کہ رفتہ رفتہ گناہوں کا شراوہ کے دل سے سٹ جاوے گا اور تقدس و پاکیزگی اس کے دل میں بڑھ ایا ہو کر فرشتوں کا ہم پایہ ہو جاوے گا۔

حالا وہ اسکے اگر تعیین وقت نہوتے تو انسان فوائد نماز جماعت سے محروم رہتا غیر منضبط اوقات میں لوگ مسجدوں میں آکر کیونکر مجتمع ہوتے اور ایک دل ہو کر ایک وقت میں سب عبادت خدا کر سکتے بلکہ متفرق و پراگندہ ایک ایک دو دو نماز پڑھ لیتے جسکو جس وقت فرصت ہوتی وہ مسجد میں آکر فریضہ مذہبی ادا کر لیتا اور حاجت کا ہونا میسر نہوتا اب شب و روز میں تین مرتبہ افلاح ہو کر نماز پڑھتا اوقات معینہ میں ممکن الحصول ہو گیا اوقات نماز یومیہ ہی ساتھ حسن و خوبی کے مقرر ہونے پہلی نماز صبح صادق

دوسری نماز بعد زوال وسط روز میں قیسری نماز کا وقت غروب تک ہے چوتھی نماز بعد غروب ابتدا سے روز بھی عبادت خدا سے ہو اور وسط روز بھی عبادت سے حنائی ہے اور آخر روز بھی عبادت ہو اول وقت شب بھی اوسیکادکر ہو اور بظشب میں بھی اوسیکی عبادت ہو پہ صبح کی نماز ایسے وقت پہ ہوگی جو آخر شب اور اول روز میں شمار ہوگا پس روز شب کا اول و آخر و وسط ان سب اوقات میں خدا کی عبادت ہر فرد بشر کر لیکر اور ہر ایک وقت نماز کو دوسرے وقت سے ہی اتنا ہی فصل دیا گیا ہے تاکہ امور دنیاوی کے انصرام سے ہی فراغت میں ملے ہو جاوے اور کاروبار دنیاوی میں ہی جمع و نقصان واقع نہ ہو۔

(طہارت)

نمازی آدمی کو کس قدر تاکید ہے کہ اسکا لباس پاک و صاف اور شہرا ہے اور اوسپر کسی قسم کا شتبہ دہبتہ نہ پڑ جاوے۔ وہ کس قدر اپنے کپڑوں کو نجاست غلیظ یا خفیف سے بچانے کا خیال رکھتا ہے اور یہ بات شریفانہ و قار قائم رکھنے اور سلف اسپکٹ (خود اپنا ادب) کے واسطے کتنی ضروری اور مفید ہے نماز کا عادی مسلمان اپنے بدن کی صفائی کا جتنا خیال رکھتا ہے وہ ایسے شخص سے ممکن نہیں ہے جو نماز کا پابند نہ ہو۔

وضو کا حکم دیا گیا ہے۔ اون جناب صلعم کا تین ار اوہ تاکہ وہ طہارت کا خیال ایک موثر اور مستعمل طریقے کے ساتھ اپنے عقلمندین کی دلنشین کر دین۔ طہارت کے قاعدہ میں مثل دیگر قواعد کے ہم بلا تا بل دیکھتے ہیں کہ اون جناب نے تقاضا عادت کو سمجھا اور پسند کیا کوئی مسلمان جو روزانہ اوقات معینہ کا نماز گزار ہے کسی نماز کا قصد

بلا خیال وضو نہ کر لگا اور اس طرح سے دن میں پانچ مرتبہ یا کم سے کم تین مرتبہ اوسکو ہاتھ
سنہ پاؤں صاف کرنا پڑتے ہیں۔ اور غذا کے طلب کی ایک مہینہ درجہ آخر تک روکھا رہتا
رہتا ہے اور یہ اوسط بنیت کسی دوسرے مذہب کے بہت تاکید پر اس طرح سے
اوسکو جسمانی صفائی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے کسی طرح بلا اعتراف مذہب
معرفت نہیں ہو سکتا اس معنوں کے متعلق جتنی شہادتیں موجود ہیں اونسے ظاہر ہوتا ہے
کہ آنحضرتؐ کا یہی مقصد نہ تھا کہ صرف نہ اور ہاتھ پاؤں خوب صاف ہوں بلکہ جسم کے کل
جسم اور لباس ظاہر ہو نا چاہیے۔ کوئی ذی فہم طبیب اس سے انکار نہ کرے گا کہ جسمانی صفائی
عادت حسینہ اور غذا سے سادہ معین صحت جسم ضعیف ہیں روحانی فلسفی کا اصرار ہے کہ تاخیر
اوقات غیر معین عادات نفل اقسام کی ادباشی میش و عشرت میں شگ رہنا
جسمانی صحت کے واسطے ہی اسی طرح سے مضرب جس طرح سے اخلاقی صحت کے لیے۔
اس کل طریق عبادت سے یہ نشانہ ظاہر ہوتا ہے کہ صفائی اور خوش اسلوبی کی عادت
ہونا چاہیے جسکے اخلاقی نتائج کی بابت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے وضو میں ظاہری
صفائی کے سوا یہ بھی غرض ہے کہ باطنی روحانی قوی عبادت الہی کے لیے تیار اور بیدار
رہیں۔ اور مقصود طہارت ظاہری کے ساتھ طہارت باطنی ہے۔ چنانچہ آداب بیت الخلا
میں لکھا ہے کہ جب انسان قضاء حاجت کرے اور وقت ہی اپنی حالت پر نظر کرے
کہ باطن اوسکا نجاسات عینہ سے خالی نہیں ہے جیسا کہ جناب امیر فرماتے ہیں (یا بن
آدم انی لك و اقض منک جيفة و اخرک جيفة و انت فی د ادا الدنیا
حاصل الجيفة و النجاسات) اسوجہ سے اس حال میں محتجب ہے کہ کہے (اللهم
ارزقنی الحلال و حقنی الحرام) خداوند اچکو حلال سے روزی کر اور حرام سے ہکو

باز رکھیں۔ پس یہ صاف دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ نجاسات ظاہر سے طہارت حاصل کرنے کے وقت انسان کو طہارت باطنیہ کی کوششیں چاہیے۔ اور ایسوجہ سے ہر کوئی ظلم کیا گیا ہے کہ اسے تخیل میں انحراف قبلہ سے کریں۔ اور اسی صاف اشارہ اس طرف ہے کہ اگرچہ چونکہ منسوب خدا کی طرف ہے اور بیت اللہ کے ساتھ لقب ہی تواضع کی تدلیف و احترام اس درجہ واجب و لازم ہے کہ حالت بول و براز میں اس کا مواجہہ ہی ناجائز ہے۔ پس جو خانہ ظاہری مرکب ہو چوب و سنگ سے اس کے مقابلہ پر ایسے نجاسات سے جب خدا راضی نہ ہو تو جو شے مفاد حدیث قدسی اعظم و اشرف ہو عرض سے اپنے قلب مومن کہ جو بیت مننوی اور خانہ باطنی خدا کا ہے اس کو غبار و ذنوب سے اور کثافات معاصی سے علور کئے پیدر جہ اولیٰ ناراض ہوگا۔

پس بناء وضو کی تذکیہ روحانی کے واسطے قرار دی گئی ہے۔ یہ ایسے اوسط درجہ کی طہارت ہے جو کہ اکثر اوقات میں مشکل نہیں اور بے ضرر ہے۔ اور پانچ وقت کا غسل عموماً ضرور باعث زیادتی تکلیف بلکہ غیر ممکن التعمیل بنتا اور وہ حکم عقلاً ناقص ہے۔ جو غیر ممکن التعمیل ہو یا عسر و تکلیف ہو۔ پس جبکہ پانچ وقت کا غسل درحقیقت خالی از تکلیف نہیں ہے تو اس کے واجب کرنے سے کل اعضائے وضو کا دہونا جو ایک سہل امر ہے معرض التواہن آ جاتا ہے۔ اگر یہ کیا جاوے کہ پانچ وقت صرف ایک مرتبہ روز نماز پانچوں وقت کی نماز کے لیے واجب کر دیا جاتا ہے تو اس میں بھی نقص بتائیں روز ایک مرتبہ ہی باقاعدہ نماز احوام کے لیے خالی از وقت نہ تھا۔ غسل شب و روز میں جب صرف ایک مرتبہ تھا

تو پانچ وقت نہ ہاتھ کیونکر دھویا جاتا حالانکہ ضروری ہے کیونکہ بوجہ کار و
 بار دنیاوی دنیوی و ہوا خوری وغیرہ کے ممکن ہے کہ ہاتھ و پیر غبار آلودہ ہوں
 کیونکہ کوئی لباس ساز ہاتھ نہ کا محافظ نہیں رہتا۔ بخلاف دیگر اعضاء جسمانی
 کے کہ لباس پورے طور سے محافظہ ساتر رہتا ہے لہذا دیگر اعضا کا دھونا ہاتھ
 ضروری نہیں صرف ہفتہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ حاجت ہے۔ اسی وجہ سے
 غسل روز جمعہ مستحب کیا گیا ہے علاوہ ازان جو ان آدمی غالباً ہفتہ میں ایک مرتبہ
 یا دو مرتبہ باقتضائے قوت بوجہ احتلام یا مباشرتِ زنانہ کی ضرورت جب سے ہو جائے
 ہو پس جب ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ جنب سے نہ تو غسل ہی واجب ہوگا۔
 اور اعضاء جسمانی کی صفائی بعد ضرورت ہوا کر گئی حالت پیری و ضعف
 میں انسان یا جنب سے ہوگا۔ یا کم ہوگا۔ و بس یہی غسل کی ہی حالت ہوگی جو
 بوجہ ضعف مناسب حالت پیری ہے۔ اسی طرح عورتیں چونکہ مہینہ میں
 چند روز کے واسطے بغس ضرور ہوتی ہیں پس اونکو از رو سے فرض کے
 ایک مرتبہ ضرور نہانا ہوگا اور وہ کثافات جو مہم میں ہو گئے ہیں اون کو
 دفع کرنا ہوگا اور مرد سے بے مرتبہ مہینہ میں بے بستی کا اتفاق ہوگا غسل
 کرنا واجب ہوگا اور نہیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ ضروری ہی فرض ہوگا لیکن
 غسل روز کرنا یا دن بہرین چند مرتبہ کرنا ممنوع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اکثر اوقات
 و خاص بروز جمعہ مستحب ہے۔ اور تمیز کرنا استقباح کا موجب اجر و ثواب
 قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ امور استقبالی میں ہی حکمت بالغہ شامل
 ہے مگر بسبب عسر و تخلف کے واجب نہیں کیا گیا۔ اور نہ امر مشکل میں انسان

مجبور کیا گیا۔ جس سے ترنم شمع ہی ثابت ہو گیا ہے اور ترجم عطا اور رواج داخل
عادات پسندیدہ ہے۔

پس روزانہ غسل ہوتا اور علاوہ مسوح حج کے اکثر طوق امراض ہوتا خصوصاً اس
سرزمین پر جہاں خزان پانی پینے کو ہی نصیب نہیں ہوتا۔ اور پھر وہ پھر بلے بنگ
لاخ زمین جہاں ہزارہ طیش آفتاب سے کرہ نار کی صورت ہو رہا ہے۔ اور
عرب کی وحشی قوم۔ اسی طرح سے اپنی تندرستی کی تہذیب نہیں کر سکتے۔ نہ سبب افلاس
اور نہ دوستی انکا مکافات بود و بان کیواسطے نصیب ہیں بھر مٹیوں کے اور مٹیوں
میں اور کیا ہے۔ مین بسکر بن نہ سایہ ہے نہ درخت ہے نہ پانی ہے دن بھر دھوپ
سے جنتی ہوتے ہیں اگر اس رمبوپ کو جلتی جلتے دفنا نہا دھولیتے تو کیا مسام
وامراض دماغی مین مبتلا نہو جائے ضرور بطلان صحت جسمانی ہوتا۔ پس مناسب یہی
تاکہ دست دردد ہوئیں گیلہ ہاتھ سر پر ہی پھیریں جس سے تفریح طبع ہو صحت بھی
باقی رہی نماز باطمینان ادا ہو گرمی کی تکلیف سے خضوع میں فرق نہ آوے کیا کوئی
طریقہ اس سے بہتر دنیا میں ہو سکتا ہے تذکیہ روحانی ہی جس سے نصیب ہوگا۔
وکیو اثر و ضار کا رواج پر کیا جاتے ہیں کیا ہی عضو کے تفریح قلب نہیں ہوتی۔
اور کیا وضو سے تصفیاطن نہیں ہوتا جیسا کہ اون اوجہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے
ہر عضو کی شست و شومین طہارت باطنی کی خواہش رہتی ہے۔

ہاتھ دھو۔ تنے کے وقت پ دعا پڑھنا چاہیے (بسم اللہ وبالله والحمد لله الذی
جعل الماء طهوراً والحدیثہ نجساً) جبکہ معنوم یہ ہے کہ یہ فعل ہمارا خاص
وجہ اثر ہے تقرب خدا کے واسطے اور ہم اس کے اس نعمت لازوال کے مشکور ہیں

کہ اوس نے پانی کو ہمارے واسطے ظاہر و مہر قرار دیا اور غیب نہ کیا اور نہ بد و ن
پانی کے ایک لمحہ بھی ہم زندہ نہ رہ سکتے اور اگر بادِ جہنم اُٹھتا تو ہم اوس پانی کو
پی لیتے تو شربِ نہایت ہوتا۔

ہاتھ دھوتے وقت اپنے منہ حقیقی جسے پانی سیٹھے ہلکے عطا کی اور سلا شکر ادا کرتے
ہیں۔

اُٹھ کر تے وقت کہتے ہیں۔ (اللهم انکس حجتي يوم القاء و اطلق لہ فی جد کربک
و شکوک) بارِ الما جس روز ہم تیری حضوری میں حاضر ہوں اور تو مجھے سوال کرے
ہمارے کردار و افعال کی بابت تو تو ہلکے جواب پر قادر کرنا اور اپنے ذکر و شکوک کے
ساتھ ہماری زبان کو گویا فرما۔

نامک میں پانی ڈالتے وقت کہتے ہیں (اللهم لا تحرم ریح الجنة و اجعلنی متن
بستم ریحها و روحها و طیبها) بارِ الما! میرے خوشبوے بہشت کو حرام نہ فرما تا وہ
ہلکے ادا و خاص بندوں میں اپنے محسوب فرما جو کہ خوشبوے بہشت کو ہر وقت
سوتلگا کرتے ہیں پر نہ دھونے کے وقت یہ کہتے ہیں (اللهم بیض وجمی یواہر
تسود فیہ الوجوہ و لا تسود وجمی یوم تبیض فیہ الوجوہ) اے ہمارے خدا
چہرہ کو ہمارے اوس روز روشن کرنا جس روز نہ لوگوں کے تاریک ہونگے اور نہ
ہمارے مکدر و سیاہ نہ کرنا اوس روز جس روز تیرے خاص بندوں کے چہرے
چمکدار و روشن ہونگے۔

اور وہاں ہاتھ دھوتے وقت کہا جاتا ہے (اللهم اعطنی کتابی بيمينی و اخلد فی البنا
بیساری و حاسبني حسابا یسیرا) بارِ الما! نامہ اعمال کو ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا

اور بایں ہاتھ کو بھی نکال کر محبت کو ہمارے بائیں ہاتھ میں دینا اور بہت سوزنا
حساب ہے۔

اور بایں ہاتھ جو ہوتے وقت یہ کہنا چاہیے (اللهم لا تقصنی کذباً)۔
لا یبتغھا مغدولۃ الی غشی و اعوذ بک من مقطعات القیوان) بارالہا نامہ مال
کہ ہمارے بائیں ہاتھ میں نہ دینا اور نہ ہمارے بائیں کو پس گردن سے باندھنا اور
پناہ دینا آتش و دوزخ کی انگاروں سے۔

بوقت صبح سر یہ دعا پڑھتے ہیں (اللهم غشی برحمتک وبرکاتک وعفوک)
اے میرے خدا اپنی رحمت کاملہ اور برکات و عفو سے مجھ کو ڈھانپ لے۔
اور بوقت صبح پاکھے۔ (اللهم غشی علی الصراط یوم تنزل فیہ الاقدام)۔
سعی یم یوضیك تنفی) بارالہا آیت قدم کرنا ہمو صراط پر جس روز قدم سب کے
ڈگمگاتے ہوں اور حسین تیری رستا ہوا وسیکا مجھ کو پیر و اور سامعی گردان۔
پس ہر فعل سے وضو کی ابدی خواہش اور حیات اخروی کی خواہش ہے اور ظاہر
ہو کہ جب خدا سمیع و بصیر و سامع الدعاء ہے۔ تو جب غافل نہایت سے ہم اوس
حیات ابدی کے آرزو کرینگے تو ضرور وہ عطا کرے گا۔

پس وضو ہمارا علی طور کا شکر ہے ہائی کا استعمال ہم دن و رات کرتے ہیں کہ
پیتے پیتے ہوتے ہیں اس نیت کا شکر ہم اس قدر سے ادا کرتے ہیں کہ بعض اعضا
کو پہنے مخصوص کر لیا ہے کہ اوسکو دھوتے وقت خدا کے اس نیت کا شکر ادا کرنے ہیں
اور پھر تصفیہ ہی ہوں اعضا کا ہو جائے جو اکثر کثیف رہتے ہیں جو اعضا وضو میں
دھوتے کے واسطے معین ہیں یہ سب دیگر اعضا کی نسبت زیادہ تر کمالات میں آواز

رہتے ہیں اور یہ امر یہی اور محتاج بیان نہیں ہے۔

اور پھر یہی تو دیکھو وضو کے بعد کونسا عضو ناپاک رہ جاتا ہے پہلے طہارت جسمانی شرط ہے بعد اسکے اعتناء۔ وضو کے دھونے کا حکم ہی سب ہے اعضا وضو کے بعد پاک و صاف ہوتے ہیں۔ پس کیا عقلا۔ امر مراد ار نہیں ہے کہ ہم جب کسی بادشاہ کے دربار میں جاوین تو پاک و صاف ہوں جس زبان سے اپنے مالک و خالق کا نام چہیں وہ کام و وہاں کشیف ہو ہرگز عقل میں سچیں نہیں اسکو تو مولائے مومنان نے فرمایا ہے۔ (ان افواہکم طرق القرآن فطہروہا بالسواک) دہار، تمہارے راستہ کتاب خدا کا ہیں پس اونکو سواک کو کے پاک و صاف کر دینے اپنے خدا کے کلام ہوا کا نام لینے کے واسطے ہی منہ پاک کرتے رہو۔

نام تو میں طہارت بدلی کو جزا عبادت تصور کرتے ہیں۔ اور کل مذہب میں قییم ظاہری طہارت باطنی طہارت اور عبادت کا ضروری مقدمہ تصور کی جاتی ہے دین اسلام جو سب دینوں سے افضل و اکمل ہے کیسے ممکن تھا کہ اس میں یہ عمدہ اور محمود رسم قائم نہ رہتی۔ اور طہارت ظاہری جو باطنی صفائی کا مقدمہ اور قوی تحریک ہے۔ شرط عبادت نہ تھرتی۔ بلکہ دین اسلام نے اس عمدہ دستور کو عبادت اسلامی میں اس عمدہ التزام کے ساتھ داخل کیا ہے کہ کوئی قوم اور مذہب اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا پھر کیا کوئی قاعدہ طہارت کا اس سے بہتر کسی ملت و مذہب میں ہے۔

حضرت انسانی کی آزادی وضو میں ہی رو کی گئی ہے اور اس وجہ سے تربت کو ضروری سمجھا ہے اور اس ترتیب میں ہی حسن عقلی ہے۔

مستجاب دونوں ہاتھ کسی ایک دھوی جاتے ہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ جو کچھ چرک و کثافت ہاتھ میں پہلی ہو صاف ہو جاوے کہ اسی ہاتھ سے دیگر اعضا کا دھونا ہو۔ اور اسی ہاتھ سے پانی دھن کے اندر پہنچایا گیا اسوجہ سے ہی پہلے ہاتھ کی صفائی ضروری ہے تاکہ چرک آلودہ ہاتھ سے پانی منہ میں نہ پہنچایا جاوے۔

اکل کرنے سے ظاہر ہے کہ پورے طور سے منہ کی صفائی ہو جاتی ہے اور منہ کی صفائی اسوجہ سے ضروری ہے کہ جو اکل و شرب کے گندہ رہتا ہے اور جو سانس منہ سے باہر نکلتی ہے وہ نہایت ہی گندہ و خراب مضر صحت ہے۔ پس ممکن نہیں ہے کہ ایسی ہوا دھن میں سرایت نہ کرے۔ غلیظ اور بن مخرج بلغم و رطوبات فاسدہ کا ہے لہذا اسکا صاف کرنا چند مرتبہ دن بہرین ضروری ہے۔

اکلی کے بعد ناک میں پانی ڈالنا اس بنا پر مستحسن ہے کہ رطوبات و مافیہ خارج ہو کر بینی پاک ہو جاوے اور وہ گندہ و کثیف سانس جو منہ سے مشام تک پہنچتی ہے وہ دفع ہو جاوے اور پھر یہ ہی معلومت ہے کہ پانی کی برودت ناک کے ذریعہ سے دماغ تک پہنچتی اور فرحت حاصل ہو جیسا کہ نفع اسکا موسم گرما میں بھڑپنی ظاہر ہو۔ بعد اسکے منہ پر پانی ڈالنا دن میں تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ ضروری ہے چونکہ منہ پر کوئی لباس سائر نہیں رہتا جو گرد و جراثیم سے منہ کو محفوظ رکھے اور چرک آگے نہ نکلا دے لہذا منہ دھونا ضروری ہوا۔

پھر دونوں ہاتھ کا کسی سے سرنگشتان تک دھونا واجب سمجھا گیا۔ اس میں یہ نکتہ چینی ہوتی ہے کہ جب ایک مرتبہ استنجا باگے تک ہاتھ دھویا گیا تو دوبارہ کیا ضرورت ہے جواب اسکا یہ ہے کہ دوبارہ غسل دھونا ہاتھوں کا اسوجہ سے ضروری ہے کہ اسی ہاتھ

منہ دھو یا گیا کھلی کی گئی ناک میں پانی ڈالا گیا اور پہرہ کھنی تک دھونے سے
 گئے اور اونچلی تک سیلا پانی ضرور آتا ہے اسوجہ سے ضرور ہے کہ جب کھنی تک
 ہاتھ دھو یا جاوے تو اوسیکے ساتھ سر انگشتان تک دھو یا جاوے اور کھنی تک
 دھونے کی اسوجہ سے ضرورت ہے کہ اکثر کام ایسے پیش آجاتے ہیں کہ کھنی تک
 آستین اونٹنے کی ضرورت ہوتی ہے اسوجہ سے اکثر کھنی تک ضرور ہاتھ سیلا
 ہو جاتا ہے پس کھنیوں سے دونوں ہاتھ دھونا جس میں شرف ظاہری راست کا
 مرعی رکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ ہے کہ اکثر سردیوں میں اسی سے انجام پاتے ہیں
 یہ رذائل دنیا میں زیادہ آلودہ رہتے ہیں اسی کو پہلے دھو دیں اور اوس سے نظافت
 روحانی حاصل کریں۔

صبح سر کا واجب کیا گیا اس میں یہ حکمت رکھی ہے کہ سر ایک نازک مقام اور عقل کا گھر
 ہے اور سر میں فاسفورس زیادہ ہے۔ پس ایسے بار یک مقام پر زیادہ سردی و
 گرمی بوجھا ناممکن صحت ہے اور طباطبالی کی گرمی زیادہ ہوتی ہے چونکہ تالو کے اوپر
 سر کا بالانے سطح نہایت نازک ہے اور اوس مقام کو ہوا اٹھلا نا مناسب ہے اور
 ہر دم گرم رکھنا بضرر نہیں ہے لہذا صبح سر کا اسی لیے واجب کیا گیا کہ اس مقام سے
 بال اٹھنے میں تاخیر نہ ہو اسات کے صاف ہوا بوجھا کرے اور ہاتھ کی ظلیل طوبت
 کچھ گرمی مسات کی کم کر دیا کرے اور بال کے ہٹ جانے سے بذریعہ مسات بخار
 ہی نکلا کریں اسلئے کہ صبح کے وقت بال بہادینا ضروری ہے۔

بعد اسکے صبح پاؤں کو واجب ہے اس میں یہ مصلحت ہے کہ کف پاشل سر کے نازک ہے
 اور بذریعہ مسات بخارات کا نکلتا ضروری ہے اسلئے مناسب ہے کہ چند مرتبہ روز

پائتا ہو تا راجا دوسے اور جو گرد و غبار پہنچی ہے وہ بسبب مسح دفع ہو جاوے اور چونکہ دیگر عضوین بمقابلہ پاؤں کے پورے شیشی زیادہ گرد و پو پہنچنے کا احتمال نہیں ہے اسوجہ سے مسح دیگر عضو کا واجب نہیں ہوا اور کھٹ پاپا اگر مسح کیا جاتا تو پائین میں برودت پہنچنے سے انحراف کا سہوا و پر کو ہوتا جس سے خوف حضرت نسا علاوہ اس حسن عقلی کے اور بھی دسمہ عقلی ممکن ہیں اگرچہ اصلی منشاء اس حکم و عظیم کا ہم نہیں جانتے لیکن اپنے بچنے اور دوسروں کے بھلائے کے واسطے کچھ نہ کچھ عقل جاری ہی حسن عقلی ان افعال میں پیدا کر دیتی ہے۔

ایک مشہور اس مقام پر لائق جواب اور یہ کہ۔ وضو و حدث اصغر کے واسطے کیوں قرار پایا اور حدث اکبر کے واسطے غسل کی کیوں ضرورت ہوئی عکس کیوں نہوا۔ تو جواب یہ کہ ہوسنے عسوجح لازم آتا اسوجہ سے کہ بول و برازدن و رات میں اکثر ہوتا ہے پس ہر ایک کے واسطے غسل کرنا ہوتا لہذا طہارت بعض اعضا بسبب سولت کے قرار دیکھی اور جو نگہاسات اتفاقی ہوتے ہیں مثل جنب اور حیض و نفاس کے پس اوس سے طہارت از روئے غسل کے قرار پائے تاکہ مسرت ہو اوچینے میں دو ایک بار غسل ہی ہو جایا کرے جو کہ طہا ہی بعد جنابت و بعد حیض و نفاس مستحسن ہے اسواسطے کہ آب سرد و آب گرم سے حسب موقع غسل کرنے میں طہا بہت سے فوائد ہیں۔

اور علاوہ فائدہ طہی کے یہ بھی فائدہ ہے کہ طہارت ظاہری موجب طہارت باطنی بھی ہوتی ہو۔ پس چونکہ جنابت میں اکثر اذیطرہ اعضا جسمانی کو ہوتا ہے پس جملہ اعضا کو دھونا چاہیے اور حیض و نفاس میں اس امر کا خیال ہوتا ہے کہ شب و روز زمین بھول و چوک سے اور اعضا پر بھی اثر جناسات پہنچتا ہو گا لہذا سبب اعضا و ہڈیوں کے جاوین اور اس طہارت

اصلی جملہ اعضا کے ہو جاوے۔ خصوصاً غسل نفاس کے یہ غسل بعد زچہ فائدہ کے ہوتا ہے اور کثافات زچائیت کے ضرور دفع کرنا لازم نہیں عقلاً۔

(غسل میت)

غسل میت میں صفایا چس ہے کہ میت بسبب طوق امراض اکثر کثافات میں اکودہ ہوتا ہے اور حالت مرض میں اپنے جسم کو پاک و صاف ہی نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ دربار شاہنشاہ دو جہان میں جلنے والا ہوتا ہے لہذا جسم کو کثافات دنیاوی سے پاک کر کے درباری لباس جو خاص کیا گیا ہے اسی دربار کے واسطے پہن کر جاتا ہے۔ اور عوض عطر و گلاب کے خوشبو سے کا فوری سے اپنے جسم کو حطر کرتا ہے بلکہ آب سدر و آب کا فور اور حنوط سے نفع یہ بھی ہے کہ روایت ہو اوقع ہو اور غسل و تشر مشائیت جنازہ کرنے والے کو کسی قسم کا ضرر نہ ہو دیکھو پلیگ میں ڈاکٹران صفائی نے تجویز کیا تھا کہ میت کی قبر میں چونا بیردین ہمارے شریعت نے صفائی ہوا کا پلے سے انتظام فرمایا اور کا فور جسکو خاص مناسبت ہے صفائی ہوا میں میت کے ساتھ قبر میں رکھنے کا حکم دیدیا۔

(غسل مس میت)

غسل مس میت۔ میں حسن یہ ہے کہ اکثر ایسے مرض میں موتہ ہیں جو کہ طبا امراض ساریہ میں سے ہیں پس اسکے واسطے ڈاکٹرون نے صفائی مکان کا حکم دیا ہے اور اس لباس اور اشیاء سے جو سنل اوس مرض کے تہی پر ہیز کرنے کا حکم۔ یا ہے بعض اوقات میں تخلیہ مکان تک تجویز کیا ہے اور اگر تخلیہ مکان نہ ہو تو بخورات سے جو اس مکان کی صفائی کی جاتی ہے مکان میں قلعی دھونا پھیرنے کا حکم ہوتا ہے ہاں جو لوگ امراض ساریہ میں

تین مرحلہ میں اونکے واسطے البتہ یہ انتظام نہیں ہے لیکن پہر ہی میت سے طبا علیحدگی چاہیے اور کثرت موت باعث روایت ہوا ثابت ہوئی ہے کوئی ڈاکٹر کسی منہ نہ کرے گا کہ میت کو چوکر یا غمزدہ ہو پس پارسہ طبیب حقیقی نے جو خود خانی موت و حیات ہے روایت ہوا ہے بچنے کے واسطے عام کلیہ قرار دیا ہے کہ میت کو چوکر نہ ڈالیں اور یہ امر بدیہی ہے کہ بعد مرنے کے کل مسامات جسم میت کے کشادہ و فراخ ہو جاتی ہیں پس بخار غلیظ و ہوا سے فاسد بذریعہ مسامات کے داخل و خارج ہوتے ہیں پس جب میت کو مس کرینگے تو وہ ہوا سے فاسد اور بخارات فاسدہ جسم میت کے بذریعہ مسامات سے کشادہ کے جسم میں داخل ہونگے جس سے خوف ضرر ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ وہ ذی روح حیوان جو کہ مسامات انسانی میں رہتے ہیں اور بنا بر تحقیق جویضات کیے گئے ہیں کہ ایسے ذی روح جو نظر سے محسوس نہیں ہو سکتے جسم انسانی میں بذریعہ مسامات داخل و خارج ہوتے رہتے ہیں۔ پس ذی روح جسم میت سے خارج ہو کر جسم سے کشادہ میں داخل ہوتے ہوں اور وہ باعث مضریت سمجھے گئے ہوں پس اس احتراز کے واسطے نا ا معین ہوا جو کہ حفظ کسی طرح سے مضر نہیں یہ تو عام قائدہ نہاب خاص خاص فوائد ہی ہیں۔

مثلاً اکثر عزیز و اقارب فرط محبت سے جسم میت سے لپٹ جلتے ہیں اور اپنی حالت افراط غم سے تباہ کرتے ہیں پس علاوہ اسکے کہ کثافت جسم کا باعث ہوا ایک یہ امر ہی ہے کہ لپٹنے سے عزیز و دوست کے اور زیادہ محبت جو شہادت دیتی ہے اور رقت طاری ہوتی ہے پس صدر و الم افراط حرارت سے ہوتا ہے اور اگر یہ وزاری و صدر و بیقراری موجب حرارت ہے چنانچہ اکثر زیادہ رونے سے

بجاء ہو جاتا ہے آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے یہ سب امور افراط
حرارت پر دلیل تین ہیں پس غسل کرنا موجب ہوگا تشکین کا اور حرارت ہی کم
ہوگی جس سے فی الجملہ صدمہ و ملال بھی دفع ہوگا جیسا کہ جو بچہ بہت روتے ہیں
تو اوکھانہ پہلانے سے وہ صدمہ کم ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مسکھنا
سیت کا۔ یا ترحم ہوگا جو موجب غم و اہم ہے۔ یا بضرورت ہوگا مثلاً غسل
دینے کے واسطے یا صندوق و جنازہ میں رکھنے کے واسطے۔ اور غسل ہندو
غریز قریب ہے۔ اکثر ہوگا اس واسطے کہ اولیاء اور ورثاء سیت شرعاً مقدم ہیں
غیر پر اور سبب یہی ہے کہ وہی لوگ تکفل غسل وغیرہ کے ہوں مثل باپ۔
اور فرزند۔ اور شوہر۔ وغیرہ کے پس ضروریہ لوگ زیادہ اندوگہین ہونگے
قرابت و عزیز داری کی وجہ سے اور دفع اندوہ کے واسطے حکمت شرعیہ میں
غسل قرار دیا گیا ہے۔ اب رہا غیر اگر باجائز و ورثاء تکفل غسل ہو مثلاً
تو اسکو بھی غسل سیت اسی بنا پر کرنا ہوگا (غیر شخص اگر کوئی رحمت و تکلیف اور
وران حالیکہ کوئی اجرت اور نفع نہ تو یہ بھی بدون ترحم کے ممکن نہیں) اور ترحم
اندوگہین بھی ہوگا لہذا دفع اندوہ کے واسطے اسکو بھی غسل چاہیے۔
بہر حال کوئی نہ کوئی عقلی فائدہ ضرور ہے اور ممکن ہے کہ فی نفسہ کوئی اور لم ہو
جسکو ہم نہ جانتے ہوں۔

(ترتیب غسل)

اب غسل کی ترتیب کے حسن کو دیکھنا چاہیے۔ پہلے سر و گردن اسوجہ سے دھونا
چاہیے تاکہ دماغ پر سے اخراجات برودت پاکر بائیں اسفل ہوں اگر پہلے سر و گردن

نہ دھویا جاتا اور جسم پائین سے ابتدا ہوتی تو صعود و انحراف ہوتا اور در و سر وغیرہ لاحق ہو جاتا قطع نظر اسکے جسم پائین اگر دھویا جاتا اور بعد میں سر و گردن تو نہانا اور نہ نہانا ایک ہو جاتا اس واسطیکہ سر و گردن دھونے سے پھر کثافات و گرد و غبار سر سے ہلکے جسم پائین پر پہنچتی اور دوبارہ دھونا پڑتا۔ اب جانب چپ و راست میں تقدیم و تاخیر کیوجہ بھی ہے کہ۔ شرافت ظاہری داسنے کو پائین پر ہے۔ اور اہٹا ہی جانب امور دنیاوی میں زیادہ مشغول ہوتا ہے پس اس طہارت ظاہری کو جانش طہارت باطنی چونکہ قرار دیا ہے اسوجہ طہارت اسی عضو کی مقدم ہوگی جو زیادہ ترکیف ہو اور آلودہ گرد و ماحسی سے زیادہ ہو۔

(تیمم)

در صورتیکہ پانی ممکن نہ ہو۔ یا مضر ہو اسوقت تیمم خاک پر کیا جاتا ہے۔ اور اسمیں جن عضلی یہ کہ خاکساری اور تفل درگاہ باری میں کرتے ہیں اور خدا سے خاکساروں اور لیانوں کی صورت بنا کر گویا التی کرتے ہیں کہ خداوند اپانی سے نعمت سے ہم محروم ہیں تو ہکو بھر یہ نعمت عطی عطا فرما اگر کوئی مرض ہے تو گویا اسکے دضیہ کی التبا اور دعا خدا سے کرتے ہیں۔ اور تنفر خلاف کے خیال سے عافیت کر دی گئی ہے کسی سے نہ کو کیف نہ کر و بلکہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر مل لوتا کہ دیکھنے والا باطنی حاکم دیکھے اور لوگ چہرے کو گرد آلودہ نہ دیکھیں۔

پس اسلام میں ثناء نور و عافیت پر دیا گیا ہے۔ اور اصل اصول دین کا صفائی باطن کو قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ صرف طہارت ظاہری پر مرتے ہیں اور ظاہری صفائی کی طرف ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور اسکے قلوب کبر و ریاسے ملوہین و نین کی

نسبت رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ سب سے اہم واعلم طہارت پاک کرنا دل کا ہے۔
 تمام بری خواہشوں اور بیودہ رذیلوں سے۔ اور دفع کرنا ہے نفس سے تمام مکروہ و مذموم
 خیالات کو۔ اور اہل انصوات کو جو انسان کے دل کو خدا کی طرف سے باز رکھتے ہیں۔
 مسلمانوں کے نزدیک طہارت ظاہری صرف ایک مقدمہ ہے۔ اس بڑے عظیم الشان
 عبادت کا جو آگے آنے والی ہے اور حسین انسان کو تصفیہ اور تنزیہ قلب حاصل ہوتا ہے
 اور قواسم روحانی یا دالہی میں طہر جوتے ہیں چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
 نماز تمہارے واسطے اس طرح ہے جیسا کہ کپکے دروازے پر نہری جاری ہو اور وہ
 گھر سے نکلتی ہے دن میں پانچ مرتبہ اور زمین نہالے بھلا اس کے بدن میں پھر کچھ کثافت
 رہ جاوے گی۔ ہرگز نہیں یہی پانچوں نمازوں کا حال ہے کہ اس سے دن بھر میں پانچ
 وقت انسان اپنے باطن کو پاک وصاف کرتا ہے۔ ممکن نہیں کہ نماز کے ساتھ دلی
 کثافت اور گناہ کی سیل باقی رہے۔

(حسن اذان)

اذان "نشتین" معنی ندا ہے۔ جیسا کہ کلام الہی میں کئی مقام پر اذان بمعنی ندا
 استعمال ہوئی ہے۔ پس جبکہ اذان ندا ہے۔ اور خاص عبادت کر نیکی واسطے اس
 ندا سے لوگوں کو بلاتے ہیں۔ تو غور کرو کہ کوئی طریقہ ندا کا اور اعلان کا بہتر اس طریقہ
 اذان سے ہے یا نہیں۔

اگر اعلان نماز۔ ڈھنڈورے۔ یا اشتہار سے ہوتا تو عشر شہید ہو جاتا ہر نماز کے
 واسطے یہ ناممکن تھا۔ اگر تقارہ۔ یا گھنٹہ۔ و ناقوس۔ سے اعلان کرایا جاتا تو جیسا کہ
 شریعت عیسوی و مذہب ہنود وغیرہ میں رائج تھا تو اس طریقہ اعلان میں یہ نقص ہے

کہ بجز خدا کے اور کچھ خدا نہ پیدا ہوتی؟ اور چونکہ اور مذاہب میں بھی یہ طریقے مروج تھے ہیں مشتبہ ہو تا کہ کھٹونا تو کسی دیرین بیچ رہا ہے یا نفوذِ باطنِ مسجد میں بچتا ہے۔

لہذا اس عبادت کی مدد اذان قرار پائی جس میں یہ حسن ہے کہ خدا و اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ کم از کم تین وقت کھڑے ہو کر یا د از بلند ہوش و خروش کے ساتھ خدا کی کبریائی اور علو کا اظہار۔ اوسکے الوہیت و وحدانیت کا اقرار۔ اپنے ہادی نبی کی رسالت کی شہادت۔ نماز و راہِ نجات کی طرف ولالت کی جاتی ہے؟ سبحان جس مذہب میں پانچ وقت بہ آواز بلند اصولِ ایمانیہ کا اعلان کیا جاوے۔ خدا کی وحدانیت۔ اپنے نبی کی رسالت کا اقرار کیا جاوے۔ کیجئے مگر یہ ہے کہ اوس مقدس دین کا رولج نہ ہو امامِ رضاؑ نے بھی فوائدِ اذان کو اپنے کلامِ ہدایتِ انصاف میں ارشاد فرمایا ہے جسکا مفہوم یہ ہے۔

اذان لوگوں کو نماز یاد دلاتی ہے۔ غافلوں کو ہوشیار و متنبہ کرتی ہے۔ جو لوگ وقت نماز سے ناواقف ہیں اور انکو نہیں معلوم کہ وقت نماز داخل ہوا یا نہیں وہ اذان کی وجہ سے واقف ہو جائیں گے اور نماز پڑھنے پر مستعد ہوں گے۔ مومن اذان سے لوگوں کو عبادتِ خدا کے واسطے بلاتا ہے۔ ترغیبِ نماز و تہذیبِ اقلہ تین مرتبہ کرنے سے کیسا ہی تارکِ الصلوٰۃ ہو خواہ مخواہ نماز کی طرف راغب ہوگا۔ مومن اقرارِ توحید کر کے اپنے ایمان کو اور اصولِ مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ ابتداء اذان کی تکبیر ہوتی ہے۔ اور انتہا تہلیل پر ہے۔ اس واسطے کہ تکبیر میں خدا کا نام اور تہلیل کے ساتھ لیا جاتا ہے اور پہلے خدا ہی کا نام لیکر پکارتے ہیں اور انتہا

اذان اور نداء کے ہی خدا کی نام پر ہے جبکہ ہم تنلیل کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اور مقصود یہ
 ہوتا ہے کہ یہ خدا جس کے عبادت کے واسطے نکو ہم بلاتے ہیں یہ ایک ہی ہے کوئی اسکے
 سوا خدا نہیں ہے اسکی نکو عبادت چاہیے۔ دو دو بار ہر فقرہ کو اذان کے ہم اس
 وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ تکرار فائدہ تاکید دیتی ہے۔ ایک بار کسی نے مثلاً آواز نہ سنی تو دو بار وہ
 نکر آواز نہ ہوگا۔ اور یہی مناسبت ہے کہ تانہ دو رکعت کر کے اکثر تپڑی جاتی ہے۔ پس
 دو دو مرتبہ ایک ایک کر اذان میں ہی قرار دیا سبند اسے اذان میں چار مرتبہ تکبیر کہنے
 سے فائدہ ہے کہ موذن جبوقت اذان شروع کرتا ہے اسوقت لوگ غافل بیٹھے
 ہوتے ہیں پس دو مرتبہ اذان غفلت شماروں کو متنبہ کرنے کے واسطے اور زیادہ کر دیا۔
 بعد تکبیر کے شہادتین کی جاتی ہیں۔ اسلئے کہ اول ایمان توحید ہے۔ اور بعد اس توحید
 کے اقرار رسالت و نبوت حضرت ختمی مرتبت ہے اور اسی سے ایمان و کفر میں امتیاز
 ہوتا ہے اور اصل ایمان ہی شہادتین ہیں اور یہ دونوں معرفتیں ملی ہوئی ہیں یعنی جو اقرار
 وحدانیت خدا کر گیا اسکو اقرار رسالت نبی ہی ضرور ہے۔ اور کلمہ شہادتین دو دو مرتبہ
 اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ شرح شریف میں ہمارے جملہ حقوق میں دو شاہدوں کی ضرورت
 ہے۔ اور نماز افضل اور عمدہ انشاء حقوق ہے کیونکہ یہ حق خدا ہی اسوجہ سے دو دو مرتبہ
 شہادتین دگنی۔ پس جب بدہ خدا کی وحدانیت اور رسالت حضرت ختمی مرتبت کا اقرار کر لیا
 تو جملہ ارکان ایمان کا مقرر ہوا اور اس واسطے کہ اصل ایمان میں ہی شہادتین ہیں۔ بعد
 شہادتین نماز کے واسطے بلاتے ہیں۔ اور حجت علی الصلوٰۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ اذان و نداء اسے
 نماز ہے پس اوسیکادکر ہے نہ وہ یہ معنی ہوتا۔ بعد اس نداء کے پھر موذن قلاح و خیر کی طرف
 بلاتا ہے۔ اور نمازی پر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ نماز۔ باعث نلاح دارین ہے اور بہترین

اعمال ہے۔ بعد اسکے اذان کو نام خدا پر ختم کرتا ہے جس طرح ہم خدا کے ساتھ اذان کو شروع کیا تھا انتہی۔

پس جبکہ اس نماز کو ستر گرجے ہوئے تو اب آپس میں طوافات ایک دوسرے سے ہوئی کوئی کسی سے باتیں کرتا ہے کوئی کہتا ہے کوئی کہیں کھڑا ہے کوئی کہیں بیٹھا ہے اب سب کو ایک جگہ مجتمع ہو کر ساتھی نماز پڑھنے کے واسطے دوسری نماز کی گئی اقامت کے ساتھ میں تاکہ معلوم ہو کہ نماز اب شروع ہوئی ذکر و نیادی کو ختم کر کے شریک نمازیوں۔

خدا ہوں ہم اوس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جیسے نماز کو پکارنے کے لیے بھی وہ کلمات سکھائے اور وہ عمدہ طریقہ بتایا جو سارے قوموں اور سارے مذاہب کے طرق اعلان سے کامل و ممتاز ہے۔ اور کوئی مذہب اس امر میں بھی اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(جماعت)

اجتماع اور اتفاق کے فائدے اس قدر بدیہی ہیں کہ ضرورت نہیں کہ ہم اونٹنوں کے کتاب کو طول دین جس قوم نے جس قدر ترقی اور بے بودی حاصل کی۔ اسی اجتماع کی بدولت اور اتفاق ہی کی برکت سے کی۔ اسلام نے اتحاد و اتفاق کو ارکان مذہب میں کوٹ کوٹ کر بھریا ہے۔ گرد و نواح کے لوگوں کا ہر روز کم از کم تین بار ایک ہی جگہ (مسجد) میں اجتماع ہوا اور کندہ ہے سے کندہ ہا جوڑ کر اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی معبود حقیقی کے دربار میں سچے دل سے کھڑے ہونا۔ اتفاق قومی اور اتحاد مذہبی کی ایک جاری مثال ہے۔ اور ہر دینی کی ایک اعلیٰ تدبیر ہے۔ خدا ہوں ہم دل و جان سے اوس پیار سے نبی پر جسے جماعت کا پڑنا گیدی حکم فرما کر اجتماع اور اتفاق قومی کو لازمی و لا بدی کر دیا۔ اور پھر جمیع اوجیدین کا روز ایک بار ہی اجتماع اور اتحاد کا ذریعہ قرار دیا۔ جس میں علاوہ شہر کے بہت سے لوگوں کے آس پاس کے

قریبات و دیانت کے بہت سے لوگ ہی شامل ہو کر اس اجتماع میں شریک ہوتی ہیں۔
 اور جو ایک بھاری ذریعہ ہے۔ اتفاق قومی اور جہدوی عامہ کا۔ اور ملت یہ ہے کہ اس
 جماعت میں غریب و امیر۔ شاہ و فقیر کی ذرا ہی رعایت نہیں رکھی گئی۔ ایک عظیم الشان
 بادشاہ سے لیکر رعیت کے ادنیٰ ادنیٰ آدمی تک ایک ہی جگہ اور ایک ہی قطار میں کھڑے
 سے کھڑے حاضر کرتے ہوتے ہیں۔ جو کہ ایک خودی اور تکبر کے دور کرنے اور فروتنی اور
 انکسار کے پیدا کرنے کے واسطے قوی و اعلاٰ تحریک ہے۔ خدا کے نزدیک اور الہی و دہار
 میں غریب و امیر شاہ و فقیر یکساں و مساوی ہیں۔

(نماز حجازہ)

مرنے کے بعد اسلام نے مردے کو بھی دعائے خیر سے محروم نہیں رکھا ہے۔ نماز حجازہ
 کو خضر سے پڑھنا چاہیے۔ اوس میں پہلے خدا کی بزرگی کا ذکر اور اس کی توحید اور اپنے باری
 کی نبوت کا اقرار ہے۔ پھر خدا کی طرف نزول رحمت و برکت کی دعا کی گئی ہے۔ اسکے بعد
 مردہ کے لیے۔ اور تمام مرد و عورت چھوٹے بڑے۔ اسیا و اموات اور جمیع اہل اسلام
 کے لیے مغفرت کی دعا مانگی گئی ہے۔ اور شاہ و درود و دعا کے بعد جب اون دونوں میں
 رقت و انگسار پیدا کرنے والی۔ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا نقش و لمین بٹھیا دینے
 والی حالت میں بار بار باوازل بلند۔ اللہ اکبر۔ بکا را جاتا ہے۔ تو معاً اپنے اضعف۔ اخر
 کمزور۔ بے بس۔ لاشے محض اور خالی ہونے کا یقین ہی آجاتا ہے اور اوس حسرت
 کے عالم میں عبرت کا نقشہ دونوں کے سامنے کھینچ جاتا ہے اور خدا کی عظمت و جلالت
 اس کی بے پرواہی و ابدی بقا کا دل کو پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔

(نماز آیات)

چاند گن و سو بچ گن و زلزلہ۔ اسکو آفات ارضی و سماوی شمع شریف نے قرار دیا ہے اور چونکہ قیامت کے دن۔ جو زلزلہ اور گن واقع ہونگے اور سکا پ نہ نہ ہے۔ پس ان آیات کو دیکھ کر روز قیامت کا خیال ہوتا ہے۔ اور زندہ اوس دن کا خیال کر کے خدا سے خائف ہوتا ہے اور اوسکی عبادت کرتا ہے جو بجز توبہ و استغفار سے کسی اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا سے توبہ کرتا ہے۔ اور اوی سے پناہ مانگتا ہے۔ و کیونکہ زلزلہ و غلغلہ میں خوف و بیم کی کیا حالت ہوتی ہے دل قابو میں نہیں رہتا۔ جانی والی کس قدر نقصانات ہوتے ہیں پس کون اس آفت سے اذیت و خوف بچا سکتا ہے بجز خدا کے پس نماز پڑھ کر ہم اس آفت کے ٹٹنے کی دعا کرتے ہیں اور بعد اس دفع بلا سے بچ کر جو ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بجز شکر کے ہوتی ہے کہ خدا نے ہمکو اس بلا سے نجات دی ہم یہ نہیں کہتے کہ اصل جرم قمری یا شمسی سے زوال نور ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہ عکس جرم زمین کا یا میں شمس و قمر عاقل ہوتا یا اور کوئی وجہ ہو۔ یہ حجاب ہمارے واسطے کیا اذیت دہ نہیں ہوا اگر زمانہ یومین تاریک ہوتا جیسا یوقت کسوف ہو جاتا ہے یا زلزلہ زمین کو ہر ذرت رہتا تو کیونکر ہم زندگی بسر کرتے پس نماز ایسے اوقات پر پڑھ کر ہم شکر خدا ادا کرتے ہیں کہ اوسنے ہمکو یہ نعمت عطا کی کہ عالم کو روشن و منور فرمایا اور زمین کو ہمارے واسطے ساکن و مفید بنا دیا جس بخلت زندگی ہمکو حاصل ہوا۔

اور یہی منشاء اس ناز سے ہے کہ ہندوان اجرام کی پرستش کرتے ہیں اور باعث گرہن یہ لکھا ہے کہ۔ راہ ایک را چس ہے جو کہ سو بچ دیوتا اور چاند دیوتا کا دشمن ہے اور ان دونوں کو اکثر گھیرتا ہے جس سے انکو گن ہو جاتا ہے۔ اس اعتقاد عمل کی ہم اس ناز سے روکتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ یہ اجرام اگر دیوتا ہوتے تو

انکو کوئی اذیت کیونکر پہنچا سکتا اور طلوع و غروب و نورین انکے نقصان و کمال سزا
پیشان سے ذی اختیار کے بالکل بعید ہے پس ایسے اوقات میں ہم اپنے خدا کی عبادت
کر کے اسکی عفت و کبریائی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارا خدا ایسا ہے کہ ہر نقصان سے
مستزود ہوتا ہے اور ہر شے اسکے قبضہ اختیار میں ہے اور خمس و غیر مجملہ مخلوقات جناب
باری ہیں اور اسکی قدرت و اختیار سے طلوع و غروب کرتے ہیں۔

(قبلہ)

خیال کیا جاتا ہے۔ کہ مسلمان جو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ مصروف
عبادت الہی نہیں۔ بلکہ کعبہ ہی کی پرستش اور عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی کے
واسطے تمام طرف تعظیم بجالاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اسکی خبر نہیں۔ کہ مسلمانوں کا بحسن
ظاہری رخ کے سارے باطن اور باطنی رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ اور وہ ہمہ تن خدا
ہی کی عبادت اور اسکی تعظیم میں مصروف ہیں۔ بلکہ اسے واسطے نانہ کے شروع میں
ہر مسلمان یہ آیت پڑھتا ہے۔ لا ایل الا انت وحدت و محیی للذی فطر السموات والارض حنیفاً
وما انا من المشرکین) جسے اپنا رخ اسی اللہ کی طرف کیا جسے آسمان و زمین بنائے
ہیں۔ ایک رخ ہو کر۔ اور میں شرک کر نیوالوں میں سے نہیں ہوں۔ یعنی کعبہ کو اس
عبادت میں شریک نہیں کرتا اور کعبہ کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔ جس سے صاف
ظاہر ہے کہ اہل اسلام کا باطنی رخ اور دلی توجہ اور ہر شے ہے۔ اور سچا قبلہ انہوں
نے اسی وحدہ لا شریک کو ٹھہرا رکھا ہے۔

کیا خوب کہا ہے ؟ ڈاکٹر نثر نے کہ خضاع اسلام میں سے ایک یہ بھی فضیلت ہے
کہ اسلام کے معابد ہاتھ سے نہیں بنائے جاتے۔ اور خدا کی خدائی میں ہر مقام پر اسکی

عبادت ہو سکتی ہے ؟ ایمانوں کو اقامت وجہ اللہ جس مقام پر خدا کی عبادت کی جاوے
 دینی مقدس مقام ہے اور اوسکو مسجد کہہ لیجیے۔ مسلمان چاہے سفر میں ہو یا چاہے حضر
 میں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے چند مختصر و پرچوش نفرات میں اپنے خالق سے اپنے دل کا
 حال عرض کر لیتا ہے۔ اسکی نماز اتنی طولانی نہیں ہوتی کہ اوسکا ہی گھبراہٹ سے اور غامض
 وہ جو کچھ پڑھتا ہے اور کما حقہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی محض و خاکساری کا اظہار اور خدا کا
 عالم کی عظمت و جلال کا اقرار۔ اور اوسکے فضل و رحمت پر توکل۔ جو لوگ کعبہ کی طرف
 منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں کو عبادت کعبہ تصور کرتے ہیں۔ انہیں اس ساری نماز کے اندر کہیں
 کعبہ کی پرستش کا ذکر یا کم از کم نام ہی تلاش کر کے بتانا چاہیے۔

ہاں مسلمان حنیف دیکر خدہ ہیں۔ وہ سیکڑوں قبلہ بنا کر ادھر ادھر ڈالواؤں اور حیران نہیں
 پھرتے۔ ایک ہی اللہ اور ایک ہی پیغمبر اور ایک ہی مغرب جگہ سیدہ اسلام دنیا کی خضر
 ابراہیم علیہ السلام کو اسلامی یادگار کے طور پر قبلہ قرار دیتے ہیں پھر یہ کہ اگر مسلمان کسی
 عمارت کی عبادت کے شائق ہوتے۔ تو باعث ایجا دکائنات مغفرت موجودات مسلم کے روضہ
 مبارک سے بڑھ کر اوسکے لیے کوئی مقام زیادہ تر زمیندہ اور قابل عظمت نہ تھا۔ اس سے
 ظاہر ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے بجز ظاہری توجہ اور امتثال امر کے اوسکی عبادت
 کا شائبہ تک نہیں ہے۔

بہ مسلمانوں کے یکرخہ اور حنیف ہونے کی وجہ عقلی بیان ہوتی ہے۔

انہما کے لیے حضور قابضے دل کا اللہ کی طرف حاضر و مستوج ہونا شرط اور ضروری ہے
 کہ بدون اوسکے نماز پوری نہیں ہوتی۔ اور ثواب کامل مغرب نہیں ہوتا اسلئے ہر نمازی پر
 لازم ہے کہ (۱) ارکان نماز پڑاگاہ رہے اور اچھی طرح خیال رکھے (۲) اپنے پیش اور

سچے مالک کے حضور میں ہے۔ اور اوسکو اپنے حال پر مطلع اور باخبر جانے اور بغیر کسی
 کہ اپنے مالک کو سامنے دیکھ رہا ہے اور جو خود اوسے نہیں دیکھتا۔ تودہ ضرور ہی اوسے
 دیکھ رہا ہے (۳) قیام۔ رکوع۔ سجود و قنود۔ وغیرہ امور جس مصلحت کے لیے موضوع ہیں
 اور یہ حرکات ظاہری جس قلبی تحریک اور ذلی حالت پر اشارہ کرتے ہیں اونکو برابر نظر
 رکھے دم، تسبیحات و قرأت وغیرہ کے مضمون کی طرف تہ دل سے خیال رکھے اور اسی
 سے متاثر ہو۔

اور حضور قلب میں اصل یہ ہے۔ کہ دل اور زبان اور جوارح متفق ہو جاویں اور ہر کام
 جیسا کہ اوسکا حق ہے۔ خدا کی عبادت میں لگا رہے۔ خشوع اور اطمینان کے ساتھ
 نماز ادا کی جائے یہ جیسا کہ امیر المؤمنین ؑ کی نسبت صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔
 کہ آپ ہمہ تن عبادت خدا میں ایسے فرق ہو گئے۔ کہ آپ کے بدن سے حس جاتا رہا۔
 اور تبر مسوم آپ کے پاؤں سے نکلا گیا۔ اور آپ کو ذرا بھی خیر نہوی۔ پس حضور قلب
 چونکہ نماز میں شرط ہے اسوجہ سے نماز گزار کو حکم ہے کہ ادھر ادھر حالت نماز میں نہ بیٹھے
 بلکہ سجدہ گاہ کی جانب متوجہ رہے اگر ادھر ادھر دیکھتا رہے گا تو حضور قلب ممکن نہ ہوگا
 پس اسی وجہ سے ایک سمت نماز کے واسطے معین کر دینی کہ اوسکی طرف متوجہ ہو کر
 سب کے سب باتفاق باہمی نماز لیا کریں تاکہ حضور قلب میں فرق نہ آوے اور ایک
 رفق ہو کہ سجدہ حضور قلب حاصل ہوتا ہے وہ انتشار کی حالت میں ممکن نہیں اگر ایک
 سمت کو عبادت کے عادی نہ ہوتے تو ایک جماعت میں کچھ ایک طرف عبادت کرتے
 کچھ دوسری جانب بیٹھ کر کے ٹھہرے ہو جاتے صحبت میں برہمی و انتشار ہوتا آئین دربار
 کے بھی خلاف ہوتا اب قبیلہ کے قرار دینے سے یہ نفع ہوا کہ سب اوسکے دربار میں ایک

حالت میں ایک طرف کو منتظر رحمت و مغفرت اور سبکی و لگاؤ کے کھڑے ہیں۔ کیا انتشار طبع اور اپنے ولی خیالات کی حفاظت اس سے بہتر کسی اور طریق میں ممکن ہے جن فنون کا مداویہ خط تمہیل پر ہے اور خیالی قوت کی ترقی کرنا چاہتے ہیں مثل سمریزم وغیرہ کے اور سب میں ایک رخصہ ہونا لازم ہے۔

فرشتوں کو حضرت آدم کے تین سجدہ و کرنیکا ہی اسبوجست حکم ہوا تھا۔ کہ اوسوقت تک بنا ایسے بزرگ و جلیل حضرت آدم کے مانند نہ تھے جسکو ترجیح دیجانی اور اوسکی طرف رخ کر کے مغضوع و مشغوع ہم پہنچ سکیے واسطے عبادت کرائی جاتی پس خدا نے ملائکہ کو حضرت آدم کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا اور حضرت آدم کو ملائکہ کا قبلہ قرار دیا بطرح سے ہمارا قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دیا ہے اور معصود اس سے خدا ہی کی عبادت تھی حضرت آدم کو سجدہ دیا اونکی عبادت معصود نہ تھی کیونکہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت اور کسیکو سجدہ کرنا ہمارے مذہب حنیف میں جائز نہیں ہے۔

اور یہی وجہ عقلاً قبل کی طرف عبادت کرنے کی ہے۔ کہ خانہ کعبہ مبداء اسلام و ہمارے حضرت ابراہیم ہے اور بیت المقدس کے نام سے طغ ہے۔ پس اس طرف سجدہ کرنے سے یہ مفہوم ہوگا کہ ہم اسی در کے خاکسار ہیں اور اسی در پر حبیہ سائی کرتے ہیں اور عبادت میں سوائے اس خدا کے کسی دوسرے در پر توجہ نہیں کرتے بت پرست گھر گھر بت رکھتے ہیں جس طرف بت ہوتے ہیں اور وہی دُندوت کرتے ہیں مسلمان ایک ہی کو سجدہ ایک ہی طرف کرتے ہیں۔

علاوہ اسکے ایک کتابا برائے حسن ہے کہ بچہ اپنی ان باپ کو دن میں پانچ مرتبہ ایک طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے ہیں دیکھتے ہیں تو انکو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی یا دیگر اسی طرف

بنی ہوئی ہے اور قبلہ اسی جانب ہے پس ہر یادگار کے قائم کرنے کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ لوگ
 اس کو دیکھ کر اور جان کر اس اصل چیز کو جانیں جسکی یادگار ہے پس انسان جب فریضہ
 اسلامی بجالانے لگتا ہوتا ہے تو سناہنی اس کے یادگار اسلامی کی طرف رخ کر کے اصل
 اسلام کی طرف قلبی توجہ کرتا ہے اور اس پر جوش یادگار کو دیکھ کر جوش نہ ہی ہوتا ہے
 ہر پنجہ مسلمان کا اپنی یادگار اسلامی کو جانتا ہے بلکہ کسی عیسائی بچہ سے تو پوچھو کہ
 بیت المقدس کس طرف ہے وہ ہرگز نہ بتا سکیگا۔

اور یہ بھی حسن ہے کہ خانہ کعبہ کی بنا اس وجہ سے ہوئی کہ لوگ دور و دراز سے یہاں آ کر
 خدا کی عبادت کریں، اور اس خانہ بزرگ کا طواف کریں اور اسکی زیارت سے مشرف
 ہوں۔ پس دن میں پانچ مرتبہ اس خانہ مسلم کی طرف رخ کر کے گویا مناجات ہوتی ہے کہ کاش ہم
 ہر عبادت اپنے اسی گھر میں پیش کر سکتے خصوصاً نماز جو سب سے بہتر عبادت ہے یہ
 اسی گھر میں ہم ادا کرتے۔

یوں تو کل جہات عبادت کے واسطے کیساں ہیں۔ لیکن اس جہت کو شرف بسبب اسی
 خانہ محترم کے ہے اور یہ بھی تعظیم اس خانہ محترم کی ہے کہ ہم اوسکی طرف رخ کر کے عبادت
 کرتے ہیں اور ایسی تعظیم اس کی کرتے ہیں کہ بول و براز اسکی جانب پشت کر کے یا رخ کر کے
 نہیں کرتے۔ اپنے اموات کو اسی جانب نہ کر کے دفن کرتے ہیں بلکہ معتقر کو ہی قبلہ رخ
 کر دیتے ہیں اس سے زیادہ یہ ہے کہ ہم اپنے گھر دن میں بھی جب فرش خواب پر
 لیٹتے ہیں تو قبلہ ہی کی طرف نہ کر کے یہ فقط تعظیم اس خانہ محترم کی ہے نہ پرستش و عبادت
 (تقدیر رکعت)

اسلامی نماز کی بابت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قنادر رکعت کا نماز میں خیال رکھنا حضور قلب کو

دور کر دیتا ہے۔ اور رکعت شامی میں وقت خالص ہو جاتا ہے جو اب اس کا یہ ہے کہ جنوں نے
 کبھی نماز نہیں پڑھی ہے اور نہیں کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ نماز کی مسترد عادت
 ہو جانے کے بعد ممکن نہیں۔ کہ خیال دل میں پیدا ہو۔ بلاشبہ اوائل میں چند روز
 بعد اور رکعت کا خیال انسان کے دل میں جاگزیں رہتا ہے۔ لیکن چند روز مارت کے
 بعد ہر شخص کی انسان کو ایک ایسا مشق اور عادت ہو جاتی ہے کہ خود بخود مسترد رکعتیں
 اوس سے ادا ہوتی جاتی ہیں۔ اور رکعت شامی کی طرف اوس کا خیال نہیں مٹتا قاعدہ
 ہو کہ جب ایک امر کی انسان کی کسی عضو کو مزاوت و مارت ہو جاتی ہے تو بغیر اسکے کہ
 یہ اس امر کا خیال کرے۔ خود بخود اوس سے وہ سرزد ہو جاتا ہے خدا کے ہمارے
 جسم کے ہر حصہ کو یہ قابلیت عطا فرمائی ہے کہ وہ یقین کو یاد رکھے۔ جب آدمی کسی ایسے
 مقام میں بود باش اختیار کرتا ہے۔ جس کے دروازے نیچے ہوں تو پہلے چند روز اسکے
 سر میں کئی بار ٹکر لگتی ہے۔ اسی طرح چوکت اگر لمبہ برتی ہے تو ابتدا چند بار ٹھوکر کھانا
 ہی۔ لیکن چند روز میں اوس کے سر کو ایک قسم کا ایسا علم ہو جاتا ہے۔ کہ ہر وہ خواہ کسی
 خیال میں ہو جب اوس دروازے سے گزرے گا۔ خود بخود اوس کا سر جھک جاتا ہے
 اسی طرح پہلے پاؤں میں ٹھوکر لگتی ہے پر آپ سے آپ ہیروٹھا کر رکھنے لگتا ہے۔
 غرض کہ ہر عضو کو جیسے کچھ عادت لگا دی جاوے۔ چند روز بعد وہی کام بلے اختیار
 اوس سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ عادت میں بہت قوی اور زور آور اثر ہے بلاشبہ
 نمازی کو ابتدا میں کچھ دنوں بعد اور رکعت کی طرف خیال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مزاوت
 کے بعد خود بخود بغیر اوس کے کہ اور کا خیال حضور قلب یا دلی نیاز میں خارج ہو سیکر
 رکعتیں ادا ہوتی ہیں۔ رکعتوں کا قصد و حضور قلب میں کچھ ہی غلبان شیر ڈالتا

اور قطع نظر اسکے لئے حضور و حضور قلب اور وقت میں ہوگا جبکہ سوائے نماز کسی
دوسری چیز کا خیال نماز میں ہوا اور در صورتیکہ رکعات اسی نماز کے ہیں جس میں حضور
قلب چاہیے پس عدد رکعات کا خیال عین حضور قلب ہوگا نہ مانع۔

وکیونکہ دل کا اللہ کی طرف حاضر رہنا اور نماز میں اللہ ہی کا وہ بیان رکھنا اور اسکے خوف
و محبت کا دل کے اوپر طاری رکھنا یہ ایک ایسی ضروری اور لازمی شرط ہے کہ رسول خدا
ارشاد فرماتے ہیں (فاعبدوا ربك كما نلت تراه فان لم تكن تراه فانه يراك) اپنے پروردگار
کی اس طرح عبادت کرو اور اس احکم الحاکمین کا رعب اور بے بدولوں کے اور پر ایسا مسلط
سمجھو کہ گویا تم اوسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم کو اس بات کا خیال نہ ہو
کہ تم اوسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ تو اس میں مشبہ نہیں ہے کہ وہ تین ضرور
دیکھ رہا ہے۔ پس اگر انسان رکعت شامی کر چکا تب ہی ڈرتے ڈرتے اور خدا کا خوف
اسکے دل میں سایا رہے گا کہ ایسا نہ ارکان نماز میں کمی یا غلط کسی طرح کا ہو جس سے مانک
ہمارا ناخوش ہو پس عدد شامی ہی حضور قلب اور خوف خدا کے ساتھ ہوگی۔

اور یہ ہی اعتراض ہوتا ہے کہ نماز میں ایک رکعت میں جبکہ ارکان ہیں وہی
دوسری رکعت میں بھی ہیں پس ایک ہی رکعت پر کیوں نہ اکتفا کیا جائے اور مکرر
اذکار سے کیا نفع ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ۔ انسان جب کوئی کام کرنا شروع کرتا تو
تو ابتدا ہی سے اوسکو دلیا حظ و دلیا حضور قلب و دلیا اطمینان نفس ہرگز حاصل
نہیں ہو جیسا کہ تے کرتے اوس کام کو لذت و احتراذ آخر میں حاصل ہوتا ہے
خصوصاً جو کام خیال جہالت سے متعلق ہے و نعمت خیال کسی کام پر مبت کم جتنا ہے
جب تک ہم اپنے خیال کو قابو میں نہ کریں اور اود ہر اود ہر کے تخیلات کو دل سے

ہم بطرف نہ کر لین پس اگر ایک ہی رکعت ہوتی تو کسی ہم اس کے کل ارکان کو خیال جا کر اور ایک رخصہ ہو کر نہ ادا کر سکتے۔ اور جبکہ پہلی رکعت چنے شروع اور اس کی طرف خیال جانا شروع کیا تو رفتہ رفتہ دوسری اور تیسری رکعت میں دل بالکل صاف ہو گیا۔ خیالات قابو میں آ گئے لذت ذکر خدا اور عبادت کی بڑھتی گئی۔ یہ وجہ ہے کہ ہم دو رکعت سے کم کوئی نماز نہیں پڑھتے۔

(تین رکعات)

صبح کی دو رکعتیں۔ مغرب کی تین۔ ظہر و عصر و عشا کی چار چار رکعتیں کیوں ہوئیں۔ اس کی بھی اصل چھبانا ہمارا کام نہیں ہے اور نہ عقلاً ہکو اس کے جانے کی تخلیف ہے ہماری حاکم اور مقنن کا جو حکم ہے اس کا امثال ہکو ہر حال لازم پر اور اس میں ویسا ہی حسن عقلی ہے جیسے طبیب مریض کے واسطے کوئی دوا تجویز کرے اور وہ بدولت طلب دلیل اس کے استعمال پر مجبور ہے۔ ہکو کوئی وجہ اس امر کے دریافت کرنیکی نہیں ہو کہ ہم مثلاً گورنمنٹ سے اس امر کو دریافت کریں کہ چور کو مثلاً دوا کی قید کا کیوں حکم ہوا یا دو درجن بید کیوں معین کیے دس درجن یا ایک درجن کیوں نہ ہوے۔ ہم اپنے حاکم و طبیب کے حکم کے پابذ ہیں اور کا حسن وہ خود ہی خوب جان سکتا ہے لیکن چونکہ ہمارے اس امر کا بیڑا اوشایا ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ اپنی عقل کے موافق ہر شے میں حسن پیدا کر سکتے ہیں۔ اور کوئی فیج ہمارے چومے سے چوٹے فریضہ نہ ہی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے بعد اپنی عقل کے ہم اس میں بھی حسن لکھائی ہیں کہ تین رکعات حسب الوقت ہیں۔ اور وقت کی رعایت سے نماز پڑھی جاتی ہو جیسے جو وقت میں دست ہے اور سیقدر رکعات مقرر کیے۔

ظہر کا وقت بعد زوال ہے جبکہ ایک ہاتھ سایہ بڑھتا ہے زوال سے۔ اور غارِ عہد کا
 عیب دو ہاتھ وقت ظہر سے سایہ بڑھتا ہے۔ اتنی مقدار وقت کی اسوجہ سے ہے
 تاکہ فرضین مع نافلہ پڑھ لیں۔ آٹھ رکعت نافلہ ظہر اور چار رکعت فرضین ظہر اسی طرح سے
 آٹھ نافلہ عصر اور چار فرضین عصر۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے زرارہ صحابی خاص سے
 فرمایا ہے۔ پس چونکہ یہ وقت اتنا وسیع ہے جس میں ہم چار واجب و آٹھ سنٹی پڑھ لیں
 اسوجہ سے اس وقت میں بارہ رکعتیں حسین ہوئیں۔ وقت مغرب میں اتنی ہی
 وسعت ہے۔ کہ اوسمیں تین رکعتیں فرض اور چار سنٹی پڑھ سکیں سات رکعتیں
 زیادہ وقت ہی نہیں اس واسطے کہ اول وقت مغرب وہ قرار پایا ہے جسکی قدر
 خبر قرآن مجید میں قصہ حضرت ابراہیمؑ میں دی ہے (فلما جن علیہ اللیل دئی
 کو کیا) یعنی جب وقت سے کہ تارہ چنگنا شروع ہوتے ہیں اور تارکی شب پہلیتی ہے
 یہ وقت اتنا ہی وسیع ہے کہ جس میں ساتی رکعتیں پڑھ سکیں۔ اور اول وقت
 عشاء زوالِ عمرہ مشرفیہ ہے اور اس وقت میں اتنی ہی وسعت ہے جس میں ہم چار
 عشا کی فرض اور دو نفل کی رکعتیں پڑھ سکیں اب چونکہ سترہ ہی رکعتیں واجب ہیں
 پس دو رکعتیں باقی رہیں وہ صبح کی قرار پائیں۔ اب اگر یہ اعتراض کوئی کرے
 کہ یہ اوقات اس قدر تنگ کیوں مقرر ہوئے تو جواب اسکا یہ ہے کہ اس میں تاسی ہے
 حضرت آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بشت سے وہ نکلے تو اوسمیں اوقات میں اونہوں نے
 نمازیں پڑھیں ہیں پس نبی اللہؐ کی تقلید و پیروی ہے اور ایک بزرگ کی تقلید و
 پیروی کرنا حقا مستحسن ہے جیسا کہ ہم تقلید کے حسن کو ثابت کر چکے ہیں اور تین
 رکعات میں ایک حسن چار سے واسطے یہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ جو وقت جتنی رکعتیں

پڑھتے تھے اور مین سے متفقین کہ جو ادنیٰ و واجب تین سنہ کر کے ہم پڑھتے ہیں اور بھی حسن
 ہمارے واسطے ہے کہ ہم نبی خدا کے پیرو ہیں اور حکم خدا و رسول بجا لاتے ہیں چمن ہی
 عقل ہے کہ ہم اپنے حاکم کا حکم بجا لاوین اور اس سے ہم یہ نہ پوچھیں کہ تو نے بلکہ کیوں
 اسپر امور کیا بلکہ یہ امر عقلاً قبیح ہے کہ ہم شاہ و شہر یار سے اس کے ہر حکم کے تم و ریت
 کریں کہ جو شارح ہے نافرمانی اور بے اطاعتی کی کیونکہ کمال طاعت اسی میں ہے کہ جو امر
 خلاف عقل ظاہری ہی ہو اور سکو ہم حکم کے حکم پر جسہ قول بجا لاوین اور ہی لم تبد سے
 حکم کی ہے کہ وہ اس مصلحت سے دیے گئے ہیں تاکہ اس سے حال اطاعت کا لوگوں
 کے معلوم ہو اس لیے کہ حکمت ناموس میں مذہب کا سارا دارا احتیاد پر ہے اور اعتقاد
 ایک باطنی امر ہے کہ ادبیر اہل اسلام اور اس کے عالم عام طور پر اطلاع نہ پاسکتے
 تھے حالانکہ مصلحت بناے شیخ ظاہر پر رکھی گئے تھے اور باطن پر اطلاع نہ دی گئی تھی
 پس ضرور ہو کہ بطور آزمائش کچھ تبدیلی حکم دیے جاوین تاکہ وہ پہچان ہوں باطنی عقیدے
 کے اور اس کی کہ وہ کس درجہ پر ہے اور اسی وجہ سے باستقرار معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی
 حکم کی شان سے یہ بات ہے کہ اس میں کوئی سبب انکار و انحراف کا ہو مثل اس کے
 کہ وہ عقل ظاہری کی راہ سے مستبعد ہوں اور عرف یا ہمشون کی نظر میں ناپسند ہوں لیکن
 محض اندازہ اطاعت و انقیاد کے واسطے لازم ہے ہیں تاکہ حال باطن معلوم ہو کہ کوئی
 شخص پوری طاعت کو اپنی خواہش یا میل عینی پر مقدم کرتا ہے۔

(عربیت نماز)

نماز اسلامی پر یہ ہی حروف رکھا جاتا ہے کہ سوائے عرب کے باقی مسلمان جو عربی
 زبان سے آشنا نہیں۔ اور عربی زبان میں نماز ادا کرتے ہیں۔ طوطے کی طرح غصہ نہ سے

الفاظ کے جاتے ہیں اور سمجھتے کچھ نہیں۔ اور مفاد کچھ بھی پورا نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ اول تو اسلامی نازمین استفادہ کم الفاظ ہیں۔ کہ اس کا ترجمہ سیکھ لیا کسی مسلمان کو ہی دشوار نہیں۔ بہت کم عرصہ میں ہر ایک عام مسلمان اس کے ترجمہ یا مفہوم سے آگاہ ہو سکتا ہے جیسا کہ عام طور پر تائید کی جاتی ہے ترجمہ ناز جانے کی۔ اب کسی کا نہ جانا یہ قصور اس کا ہے نہ شریعت کا۔

لیکن اگر یہ کہو کہ عربی ناز کی ضرورت ہے کیا ہے ہر زبان میں ہم خدا کو اسی طرح سے پکار سکتے ہیں جس طرح سے ان عربی الفاظ کے ساتھ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو ثواب تلاوت کلام اللہ کے ہیں اور اس لئے جس کی تلاوت میں جو فوائد ہیں اس سے انسان محروم ہو جاوے گا۔ اگر کسی اور زبان میں خدا کی عبادت کرے۔

علاوہ اسکے اس میں ایک بہت بڑا حسن یہ ہے کہ کسی مذہب والا اور کسی زبان کا آدمی جب مسلمان ہو گا تو اس کو لازم ہو گا کہ کلام خدا کو سیکھے اور اپنے پیشوا و ہادی کی لافل اتنی زبان جانے جس سے فرائض پوری ہو جائیں اور اسی زبان میں ادا کر سکے چنانچہ مسلمان کیسا ہی جاہل ہو اپنی کتاب الہامی کی اسی حالت میں تلاوت کرتا ہے جس طرح وہ نازل ہوئی ہے۔ یہ حسن کون کم ہے اور جب بار بار تلاوت سے اس کلام ربانی کے اس کو از خود حظ حاصل ہوتا ہے اور لذت ملتی ہے تو خواہ مخواہ اس کو خیال جو شیطانی ہے یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پوری کتاب مقدس کو پڑھا لے۔ کیا جس طرح عام مسلمان اپنی کتاب مقدس کو اسی زبان میں تلاوت کرتے ہیں جس زبان میں وہ نازل ہوئی ہے۔ اور مذہب والوں کو بھی یہ نصیب ہے کہ عام عیسائی تو ریت و پتھر کو عبرانی زبان میں تلاوت کر سکتے ہیں۔ یا عام ہندو شاستر کے

سنسکرت میں اپنی کتاب کو پڑھ سکتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے۔

اور اگر عربی کی شرط نہ ہوتی تو۔ یہ خرابی ہی لازم آئی کہ نازمین جو فصاحت و بلاغت کلام ربانی کی وجہ سے بے وہ جاتی رہتی۔ اور یہ عبادت جو ایک پر جو معی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ادا ہوتی ہے (جس سے دل مسلمانوں کی خوب مزے اور ثبات ہے) کسی زبان میں ایسی فصاحت کے ساتھ ادا نہ ہو سکتی ہے۔

(ستر عورتیں یعنی شرم گاہ کا ڈھانپنا)

خدا نے انسان کو دیگر حیوانات سے امتیاز کرنے کے واسطے ستر عورتیں کا حکم دیا ہے اور لباس میں شرم کی ہی مصلحت ہے اور یہ شرم عقلی و روحانی دونوں ہے اور یہ روح حضرت آدم کے وقت سے ہے جبکہ اونہوں کے پاس تو ریت نیک و بد کی پہچان کے وقت سے کمایا اور اپنے برہنگی کی بدی پر مطلع ہوئے تو فوراً انہی کے پتھوں سے لیکر لنگیاں بنائیں پس شرم گاہ کا ڈھانپنا جبکہ عقلی شرم ہو ہی تو موجب زیادتی رغبت کا بھی ہوگی زن و مرد کے اور زیادتی رغبت موجب زیادتی خاسل کا کیونکہ زیادہ غلا ملا ہونا کم رغبتی کا باعث ہے۔ علاوہ اسکے لباس میں عقلی زینت بھی ہے اور اس سے بھی رغبت ایک کی دوسرے کی طرف بڑھتی ہے اور یہ کثرت

مسلمانوں پر ستر عورتیں عیسائی کتاب میں فصاحت پر شیعہ ہیں یہ وہ کتب جو جان و یونہیث اپادھی قوام محمد اینڈ قرآن میں لکھے ہیں "قرآن من حیث المصاحف والبلاغة افضل راشون کتب ملک شریعیہ" اور گوشتہ سورۃ سے نقل کر کے لکھے ہیں "اول قرآن کی عبارت سست اور بی نظمت معلوم ہوتی ہے لیکن محمد انان انسان اور اس کی طبیعت پر فرشتہ ہوتا تھا تاہم اور آخر ملا و اس کی خوبصورتی پر فرشتہ ہوتا تھا کہ یہ ضبط باقی نہیں رہتی" اس سے کہتے ہیں کہ "اور اس کی عبارت ایسی عمدہ کہ سحر کرنا چاہیے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سست اور زمین کو معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتب و کتاب باطن اور تعلیمت معنوی نہیں ہے بلکہ ظاہر اور دل مشغول میں ہے پڑھتے ہوئے محو ہو جاتے ہیں۔"

توالد کا باعث ہوتا ہے اور یہ نقصان صلاح نوعی کا ہے کہ جو صلاح شخصی سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور لباس میں خدا کے خوف سے ہی نجات ہوتی ہے کیونکہ رہنہ یکمک فرغیتہ ہو جانے کا یا انسان کے ترکیب ہونے کا اگرچہ مشاہدہ سے اختلاف آلات کے ہو ڈر ہوتا ہے خصوصاً نا اخص اور نا اطر و غیرہ کا اور یہ سب مستلزم عذاب خدا ہے تو ضرور لباس بہت کچھ پرہیزگاری اور نڈری کا باعث ہوگا اور چونکہ تازہ عہد مارک ہے خواہش حیوانی کی اور انسان کے واسطے اچھا ذریعہ ہے امتیاز کا دیگر حیوانات سے لہذا اس عہدہ اصول کو شرط صحت کا قرار دیکر انسان کو پابند بنایا ہے جسم کو ڈبا بننے کا۔

(حریر محض و طلا باف)

تازہ چونکہ تزل و فاکساری اور فروتنی کی غرض سے ہے۔ اور اصلی مقشا اس عبادت کا ہے کہ اپنے شین فقیر و فقیر سمجھ کر خدا کے سامنے کھڑا ہو اور بیزاد کی بزرگی کے کسی شکر کو نظر میں نہ لے۔ اسوجہ سے خالص ریشی کپڑے پنکر یا طلا باف زرد و زمی لباس پہنا۔ یا سونے کی انگوٹھی وغیرہ پنکر تازہ نہ پہنتا چاہیے۔ جو کہ خلاف فروتنی و انکسار ہو۔ اور حیوانی پننا واسطے اس لیے کہ خواہش کا مددگار ہے یا سونے کا پننا مرد کے لیے کہ باعث شہمی اور تکبر کا ہے جو صیغہ غیظ و غضب میں داخل ہے اور عورت کے لیے مقشا ہوتا سونے اور حریر کا عقلی مصلحتوں سے ہے کہ جو ادنیٰ زمینت میں ہین تاکہ باعث زیادتی توجہ مرد کا ہو اور توالد و تناسل کہ جسمین صلاح نوعی ہے کہ جو مقدم صلاح شخصی پر ہے حاصل ہو اور عورت کی زیادہ توجہ کی مرد کی طرف حاجت انہیں کہ وہ منفعل ہے اور مرد فاعل اور اس میں مصلحت تعبد کی علاوہ مذکور مصلحتوں کے بھی ہے اور از بسکہ یہ مطبوعہ مرغوب شو ہے تو اس کی مانفت سے بڑھ کر گس شو میں

مقتبہ اور اطاعت کی آزمائش کا موقع ہوگا علاوہ اسکے مشہور علماء اخلاق میں ہے
 کہ لذت کی دو قسمیں ہیں ایک فانی۔ جیسے لذت مرد و دوسرے انفعالی۔ جیسے لذت
 زن مرد سے۔ اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ قسم اول ہی لذت انفعالی ہے البتہ وہ انفعالی
 خاص ہے کہ جبکہ مقدر فضل ہے۔ بہر طور قسم اول میں دخل فضل کی وجہ سے علاقہ
 مقدرہ فضل سے۔ ہوا ہے۔ اور دوسری قسم انفعالی محض ہے) اور یہی منشاء ہے
 اختلاف لباس مرد و زن کا۔ مرد کے لیے زیادہ لینت و نرمی اور بلاہیت شایان
 نہیں۔ اور اسکے زیادہ زمینیت میں علاوہ عبت ہونے کے نوجوانی میں خطرے
 بڑے بڑے بد افلاقیوں کے ہیں۔ بلکہ شایان اسکی خشونت و قوت وغیرہ بھی
 اور عورت کا حال یہ خلاف اسکے ہے۔ خصوصاً مصلحت استقامت مرد کے اسوجہ
 اختلاف وضع و لباس مرد و زن۔ مقتضائ عقل و شیع کا ہوا۔ اور شایع علیہ السلام
 نے حریر محض۔ اور طلا کو محض عورتوں سے کر دیا۔ مردوں پر اسکا استعمال ناجائز
 قرار دیا۔ لیکن بعض قبیلین محض عرفی ہیں۔ اور اوہمیں یہ عقلی ضرورتیں پائے جاتے۔
 تو بغیر عرف اس کے معیوب ہونیکے کوئی وجہ نہیں۔ مثلاً ہند میں جوان مردوں کو لگے
 سین طوق پہنا میوب ہے لیکن "توریت" سے ثابت ہے کہ پر عود ہمیں فرعون
 نے حضرت یوسف کو قید خانہ سے بلا کے رہا کیا تو عزت افزائی کے خیال سے اپنا
 طوق اوٹکی گردن میں پہنایا اور اپنی سواری پر اوہمیں سوار کر کے راہوں میں
 پروایا اور انکے آگے آگے ایک نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ اب یہ حاکم مصر
 ہیں۔ اوس زمانہ میں مرد طوق پہنتے تھے۔ اور اسی طرح رواج ملکوں کا اور
 قوموں کا مختلف ہے۔ راجاؤں میں اب تک مردوں کے ہاتھوں میں موٹے موٹے

اگر شے ڈال دیے جلتے ہیں۔ ہمیں ہماری شریعت کا یہ نواجہ ہو کہ حریر و طلا عورتوں کے واسطے مستحکم کر دیا گیا۔ اس میں کوئی ناسمجھ عقلی ہے۔ اور یہ تغیر عرف شرعی ہرگز مہیو نہیں کیا گیا۔ اسی طرح عورت کا لباس مرد کو پہن لینے میں علاوہ اس کے کہ وہ مناسب حال فعل نہیں ہو سکتا ہے کہ مفصل کو اس سے کراہت طبع ہو اور اسی طرح عورت کو مرد کا لباس پہن لینے میں اور مردانہ وار حرکتوں کے اختیار کرنے میں یہ ہی مفہوم ہے کہ انجام اس کے لواظہ اور حق کی طرف منہ ہو اور یہ سب وار تکلیف میں منع ہیں۔

(سجدہ)

چونکہ شریعت میں استکبار و خودی عموماً مذموم ہے۔ اور سوائے تذلل اور فروتنی انسان کو کسی وقت میں استکبار نہ چاہیے۔ خصوصاً نماز۔ جسکی بنیاد محض خاکساری پر ہے۔ لہذا شریعت نے کسی طرح سے جائز نہ کیا کہ سجدہ سوائے خاک اور اس چیز پر جو خاک سے روئیدہ ہوے ہو یا خاک سے نکلی ہو علاوہ معدنیات کے۔ کیا جاوے۔ بلوس و ماکول یا طلایے۔ و نفرد سجدہ گاہ پر سجدہ کسی طرح سے جائز نہ ہوا۔ ہاں جو وقت کوئی شے سجدہ کے واسطے ممکن ہی نہ ہو اس وقت بیہوشی کپڑے وغیرہ پر سجدہ کر لینا جائز قرار پایا۔

یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام لکم کتاب

علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

روزہ کا حسن عقلی

روزہ۔ ایک قانون مقررہ ہے اور کردار میں کے ہر طبقہ مسلمانان میں کم و بیش اخلاص کے ساتھ سالانہ ماہ رمضان میں اسکی تعمیل کی جاتی ہے مسلمانوں کے سال کا

نہاں سینا رمضان مبارک ہے۔ سادہ قبل از طلوع فجر تا غروب آفتاب روزانہ روزہ رکھا جاتا ہے۔ چھینڈ رمضان دو وجہوں سے کما جائیے۔ یا تو یہ کہ گرم موسم میں واقع ہوتا تھا۔ یا یہ کہ سینے ہر کا روزہ آدمیوں کے گناہوں کو جلا رہا ہے۔ ہمیشہ سے ہر مذہبی طریقہ کا ایک جزو روزہ ہے۔ من کو اس کے بائیان طریقہ سے خوب جانتے ہیں تاہم سلسلے کے وقت سے لیکر آنحضرت کے زمانہ تک یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ چھینڈ الہامی بادی مذہب گذرے اور سب لوگوں نے اپنے عقائد میں کو حکیم روزہ داری کی۔ اور جن لوگوں نے دنیا کے کسی حصہ میں روحانی رفعت حاصل کر لی اور انہوں نے ہی اکی تقییل پر اصرار کیا۔ پس اس سے یہ نتیجہ مستخرج کر لیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق کوئی مستحکم سبب ہے۔

روزہ کا وجود ہمیشہ میں جمیع اقوام اور جمیع مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ عربی میں اسکو صوم کہتے ہیں۔ اور اگر عربی میں فاسٹ کہتے ہیں۔ سوائے اسکے اور ہر ایک زبان میں ہی اسکا مرادون لفظ مل سکتا ہے۔

تورات میں روزہ کا کسی جگہ ذکر آیا ہے۔ انجیل میں ہی روزہ کا ذکر پایا جاتا ہے بلکہ پہلے حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر چالیس روزے رکھے (خروج ۳۴) حضرت یسوع نے بیان میں چالیس روزے رکھے (دانیال ۱۰) حضرت ایسا نے جب کوہ صریح کو گئے تو انہوں نے چالیس دن رات روزہ رکھے۔ تورات میں حرزاتہ ۱۹ میں ہے۔ بنے دباؤ کے دور یا پر مادی کرائی۔ کہ روزہ رکھیں۔ اور خدا کے آگے دیکھیں اور اس سے دعا مانگیں۔ لوگ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے سیدھی راہ پاویں۔

پھر روزہ کا ذکر المیاء ۳۰ باب ۱۰، اسویل ۱۰ باب ۱۰، دانیال ۱۰ باب ۱۰، اشترم باب ۱۰، لوس باب ۱۰

ہر فرقہ نے اسکو مقرر کیا ہے۔ یاننگ کہ بباڑون (جینیون) میں اس سختی کے
برت ہیں۔ کہ جو آدمی ایک دفعہ رکھے۔ تو وہ پھر عمر بھر ہوش نہیں سنبھال سکتا۔
اور روزوں سے پہلے طاقت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ تمام مذاہب میں اس امر کا اشتراک
صاف بتلاتا ہے۔ کہ ضروران بائیان مذہب کا اصول ہی ایک ہی ہوگا اور اسی کا
مذہب میں داخل کرنا ضرور کسی حکمت پر مبنی ہے۔ کسی امر پر عقلا کا اتفاق ہی اس امر
کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ جب عقلی دلائل ہی لمجاوین تو یہ امر اور بھی پختہ ہو کر
حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ نصارا یہود ہندو وغیرہ مذاہب میں
روزوں کا وجود دلیل ہے اس امر کی کہ روزے ضرورت سے مصالح دینی و
دنیاوی پر مشتمل ہونگے۔

(۱) یہ کہ روزہ انسان کی روحانی قوی کی نشی پکڑنے اور تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے کون
دینیہ حاشیہ ص ۸۷ میں ہے۔ یہود کا ہر ہفتہ میں دو دن روزہ رکھنا۔ انجیل نوحا ۱۸ باب ۱۰ سے
ثابت ہے۔ میں ہفتہ میں دوبارہ رکھنا۔ انجیل میں حضرت یسوع اپنے شاگردوں کو انکی سست
اعتقادی پر ملامت کرتے ہوئے۔ روزہ کو ایمان کا نشان قرار دیتے ہیں۔ دیکھو ص ۱۷ باب
۱۹-۲۰۔ تب شاگردوں نے انگ یسوع کے پاس آکے کہا۔ ہم کیوں اس (دوبارہ) کو نہ
کھال سکے یسوع نے انہیں کہا اپنی بے ایمانی کی سبب کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہیں
کے دانے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہیں کہ یہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا ہو
اور کوئے بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔ مگر اس طرح کے (دوبارہ) بغیر ناز اور روزہ کے نہیں کھائے جاتے۔
پولس دبرتاس حضرت یسوع کے شاگردوں کا روزہ رکھنا احوال باب ۱۳-۲-۳ سے
ثابت ہے اور ایسا ہی احوال ۲ باب ۹ سے ہی۔

شخص ہے جو کم کھانا کم پینا شہوات نفسانی کی طرف کم توجہ کرنا ایک خوبی کی بات سمجھتا ہے، ہر فرد اور ہر ملت کے لوگ مثلاً کم کھانے کم پینے اور شہوات نفسانی کی طرف کم توجہ ہونیکو ایک بڑی فضیلت سمجھتے ہیں۔ کم کھانے کم پینے شہوات نفسانی کی طرف کم توجہ کرنے سے انسان کی قوت جسمانی کمزور گھٹ جاتا ہے۔ روحانی قوت ترقی پکڑتے ہیں۔ کم کھانا کم پینا نفس اور روح میں نیکی اور صلاحیت پیدا ہونے کا ایک مہربانی ذریعہ ہے۔ انسان کے قواسم غضبیہ اور شہویہ جو قاسم فسادات اور مصیبت کی جڑ ہیں۔ دب جاتی ہیں (یوں انسان پر دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں) روحانی قوت ترقی پکڑتی ہیں (دربارِ جنت کے دروازے انسان پر کھل جاتے ہیں) وہ رمضان کے اندر لاکھوں حرص و ہوا کے اسیر اور پابند طبع روزہ کی برکت سے عذاب دوزخ سے نجات پاتے ہیں۔

(۲) روزہ ملکی صفات سے موصوف ہونے اور متعلق باخلاق اللہ ہونیکا سبب ہے۔ خدا کے فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ خدا ہی کھانے پینے سے منزہ و منزہ ہے۔ شہوات سے اسکی ذات منزہ و پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے انسان کم کھائے کم پئے۔ شہوات نفسانی کی طرف کم توجہ کرے۔ اوسے قدر خدا کو یہ عادت پسند ہے۔ انجان کم کھانے کم پینے سے شہوات کی طرف کم توجہ کرنے سے ملکی صفات سے منصف اور متعلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے خدا کی معرفت کے انوار کامل طور پر اوسکے دل پر توڑا جاتے ہیں۔ تمکلیات الہی سے بہرہ وانی حاصل کرتا ہے۔ خدا کا خاص منظور نظر ہو کر متعلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔

(۳) روزے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نفس کشی اور جہاد اکبر کے لیے ایک زیر دست ہتھیار ہے۔ نفس و شیطان کے ساتھ جہاد کر نیکا ایکٹ۔ دانا ہے۔ مذہبی آزادی

کے لیے کفار سے کرنا جہاد اچھڑ ہے۔ اور نفس و شیطان کے پھنڈے سے رہائی پانے کے لیے جہاد اور مقابلہ کرنا جہاد اکبر ہے۔ پس نفس کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اس کے خواہشات کو نہ کرنا اگر جہاد اکبر ہے۔ روزے سے بڑھ کر اس جہاد کا کوئی کارگر آدمی نہیں۔ تمام حکماء اور علماء و مصلحان قوم فلاسفہ اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی اپنے دلچ اور نفسانی خواہشات پر غالب آئے، اور اندرونی موزے و نفس پر فسخ حاصل کرے، وہ سب سے بڑا ستم اور جنگی جہاد ہے۔ پس اگر یہ اصول چاہے تو یقیناً سمجھو کہ اس عہد و نفس کے پھر ڈھکے سے روزے سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔

(۴) ہمیشہ تخلیقات گناہوں کا گہوارہ ہوتے ہیں اور یہ خیال قریناً کل اہل مذاہب کے دہون میں مستحکم و راسخ ہے۔ حضرت رسالتؐ نے ایک دن کی تپ کی تحیف کو کسی گناہوں کی جڑ بنانے کا موجب ارشاد فرمایا ہے۔ اگر دنیا کا یہ اصول سچ ہے کہ ایست شاذ اور تخلیقات عظیم انسان کے گناہوں کے گہوارہ ہوتے ہیں تو یقیناً سمجھو کہ روزہ ہی انسان کے بہت سے گناہوں کے بہت دینے کا باعث ہے۔

(۵) روزہ بہرہ دی ہو سکھانے والا ہے۔ کوئی آدمی کسی مصیبت زدہ پر سچے دل سے رحم نہیں کرنا جب تک وہ خود کسی مصیبت میں نہ پھنسا ہو۔ اور کوئی شخص دوسرے کی تحیف کا اندازہ نہیں کر سکتا جب تک خود تحیف میں مبتلا نہ رہ چکا ہو۔ کوئی کسی عیب کی بھوک اور پیاس کے پیاس کے نفع کرنے میں مدد نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ خود بھوک اور پیاس کی سختی نہ اٹھا چکا ہو۔ دولہندہ اور افتیا بھوک پیاس کی تحیف سے اکثر واقف ہوتے ہیں۔ مگر جب یہی قید سے او نہیں یہ تحفین اور مٹانی پیریں تو یقیناً وہ بھوکے پیاس کی تحیف کا یہی اندازہ کر سکیں گے اور انکی بہرہ دی کا پورا خیال اور نکو پیدا ہو سکتا ہے۔

اور جس شخص کی فطرت میں آگے ہی ہمدردی کا جو ہر ہے کئی گنا ہو کر ظہور کر سکتا ہے۔
ایک ماہ رمضان میں روزے مقرر ہونے کا یہ بڑا باری فائدہ نہیں ہے کہ اس سے
اعنیاء کو غمزدار اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور خیرات کی سچی ترغیب
نہیں ظہور کر سکتی ہے۔

رسول کریم ۳ ماہ رمضان کے فضائل بیان کرتے ہوئے خود اس مہینہ کو شہر القبر (صبر)
استقلال کا مہینہ اور شہر المواسات (ایک دوسرے کی ہمدردی کا مہینہ) ارشاد
فرماتے ہیں اور اس مہینے میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور غمخواری کرنے کی شریک
فرماتے ہیں۔

روزے انسان میں صبر و استقلال کی عادت راسخ ہوتی ہے۔ انسان
وقت پر بھوک پیاس کی تکلیف کو جیل سکتا ہے۔ زمانہ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا
اور اسی واسطے انسان کو انقلابات ایام سے کبھی بھوک پیاس پر ہی صبر کرنا پڑتا ہے
روزے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو صبر کی عادت ہو جاتی ہے مستقل
مزاج ہو جاتا ہے۔ سختیوں گہرا مانگ نہیں۔ بھوک پیاس کی تکلیف سننے سے معنی پر
میں ایک کامل ریاضت ہو جاتی ہے۔ پس روزہ کا یہ کت بڑا فائدہ ہے۔

(۲) اگر صبر و قناعت عادات حسد میں سے ہیں۔ تو جانشین روزہ صبر و قناعت
کی عادت ہی انسان میں پیدا کرتا ہے۔ روزہ کھولنے کے وقت بسا اوقات انسان
صبر نہ توڑنے سے پانی اور ٹکڑے پر قناعت کرتا ہے۔ اور چونکہ سچی بھوک دیر
بچی پیاس لگی ہوتی ہے وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ جب کچھ مل جائے اس کو انسان
غنیمت سمجھتا ہے اور حاضر پر قناعت کرتا ہے۔ سچی بھوک پیاس کی وقت انسان بچکے

کھاپی کے خوب انگ کو لگتا ہے۔ اور اسی طرح جزو بدن ہوتا ہے۔ اور بدن انسان کی صحت اور طاقت کے واسطے ہی روزہ اکسیر ہے۔ مگر چونکہ ہر ایک امر میں اعتدال شرط ہے۔ یہ ضرور ہے کہ افطار صوم کے وقت بے مہربانی نہ کرے۔ مناسب غذا پر قناعت کرے تو پھر بلاشبہ صحت اور غنہ طاعت کا موجب ہوگا اور صبح کے زائل شدہ قوت کے پھر آنیکا سبب پسلا وقت انسان۔ سحری کے وقت ہی تھوڑے بہت پر جو کچھ مل جائے قناعت کرنا ہے۔ کسی انسان وقت پر ادھار نہیں سکتا تو دو کلوٹ پانی اور ایک آدھ قمر پے صبر کرنا پڑتا ہے پس روزے کی یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ اسی سے انسان میں صبر و قناعت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

(۸) بھوک پیاس سخت سے سخت انسان میں نرمی و بردباری کی عادت پیدا کر دیتی ہے۔ انسان شکستہ منع ہو جاتا ہے۔ سرکشی و ترویض ہو جاتی ہے پس روزے سے یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس سے انسان میں ایسے عادات حسن پیدا ہو جاتے ہیں۔ جتنی بھوک پیاس اور مصیبت کا سا کوئی معلم نہیں۔ یہ ایسا معلم و موعظ ہے کہ ایک دن میں اپنی تعلیم و تادیب سے وہ اثر ڈالتا ہے جو برسوں علوم تاریخ وغیرہ کی تعلیم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۹) روزے میں آدمی بھوکا ہوتا ہے اور پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ جاتے ہیں ہونٹوں پر پھریاں مچی ہوتی ہیں جب تمام دن کی بھوک پیاس اور تکلیف کے بعد انسان کو کھانا پانی ملتا ہے۔ تو اس وقت حلق کو پانی سے سیراب کرنے۔ معدہ میں غذا پڑنے سے دل کو جو غایت حرج کی فرحت اور مسرور حاصل ہوتا ہے وہ روزہ دار ہونے ہی کے دل سے پوچھا جائے۔ اس وقت بلاشبہ انسان کے سامنے عطا

اور دل بھی طور سے الحمد شہد بجاتے اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور جو بھی خوشی آتی
روزہ داروں کو ہوتی ہے وہ عید کی خوشی سے کم نہیں ہوتی۔ اور جو خوشی انسان کو
خدا کا فرض اور اگر نیک وجہ سے قیامت کے دن ہوگی اور کسی کچھ آشنا ہی نہیں رسول
خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا ہے کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک
نہونی تو اس روزہ کھولنے کی وقت ہوتی ہے۔ سب سارا دن کھانے
پینے سے باز ہو کر سیراب ہوتا ہے اور شکر خدا کرتا ہے اور ایک خوشی
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اور خدا اس سے جزا دیگا۔ بلاشبہ روزہ دار کو منہ کی خوشی
کے بیان مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیسا خوشی کا موقع ہے جب
انسان سارا دن اپنے مالک کی طاعت اور رہنمائی کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے
اور شام کے وقت اپنے مالک کے عطا کی ہوئی روزے سے روزہ افطار کر دیتا ہے
اور کہتا ہے خدا میرا کھانا پینا چھوڑنا تیرے ہی لیے ہے اور میں اب تیرے ہی عطا
کی ہوئی روزے سے کھول رہا ہے۔ اللہم لك صمت وعلی رزقك، فطرت
وعلیت توکلت۔ خدا یا اپنے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے
افطار کیا۔ اور تجھی پر توکل میرا ہے۔

(۱۰) روزے کی یکسوئی خلی ہے کہ عافیت ہمارا فرشتوں کے رو برو اپنے بندگان
خاص کی بڑائی اور خوبی بیان کرنا ہے۔ اپنی طاعت کے سبب درجات بلند
کرتا ہے۔ اور انکی بڑائیوں کو شہادت دیتا ہے اور اپنی مغفرت کے سایہ تلے جگہ دیتا ہے
بات یہ ہے کہ فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ انکے اللہ نے خود فطرت ہی ایسی عطا
فرمائی ہے کہ کھانے پینے کی حاجت نہیں رکھتے۔ پس ان کا کھانا پینا اور شہادت

بری رہنا کوئی کمال کی بات نہیں کیونکہ اس کی ضرورت ہے ایسی بنائی گئی ہے۔ جس شخص کی عادت کھانا پینا موجب دشمنی اپنے مالک کی طاعت اور رضا جوئی کے لیے کھانا پینا نہ کرے تو ایک کمال کی بات ہے انسان جو کھانے پینے سے صبر نہیں کر سکتا۔ جب وہ محض اپنے مالک کے حکم سے اس کی طاعت و رضا جوئی کے لیے خاص وقت تک کھانا پینا چھوڑی تو یہ کمال کی بات کیونکہ وہ بلاشبہ یہ ایک کمال کی بات ہے۔ اور انسان کا شرف اور وجہ اس حالت میں فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا اعلان کرے کہ وہ انسان کی بڑائی اور خوبی بیان کرتا ہے۔ جبکہ اگر انسان کچھ تو فیضاً روزے کی تہذیب سے شغف اور صبر و محنت اور کمالی مسرت معلوم ہوگی۔ ہماری تہذیب سے شغف کو ہمارا فانی فرشتوں کے روبرو بطور خسر بیان کرے اللہ اکبر اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی نفع کا مقام ہوگا۔

۱۱) روزہ رکھنے سے انسان کے ذمے شوائبی فضلی و بے ہودے ہیں۔ مائے دیک پیاس کے بولنے کی طاقت نہیں رہتی۔ اور خاموشی جو ایک عمدہ عادت۔ انسان اختیار کرتا ہے۔ لغو باتوں سے احتراز کرتا ہے۔ اور روزے کے ارکان کی اصل ہونے کا یہی بڑا ستر ہے روزے میں صیوت غیبت۔ لغت طاعت۔ گالی۔

ظاہر ہے۔ بد نظری بڑی باتوں سے بچنا بھی روزے کا اعظم راجح مقصد ہے۔
۱۲) روزہ روح اور دل کا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان دونوں کو یاد الہی میں سرور ہے۔ دوسرا روزہ عقل کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے خلاف غم۔
۱۳) کام نہ کرے۔ قیصر روزہ نفس کا ہے۔ اور وہ یہ کہ نفس کو کھانے پینے اور تہذیب مسرت و لذات سے باز رکھے۔

بلکہ کاروزہ یہ ہے کہ بڑی چیزوں پر نظر کرے بلکہ کتاب مقدس یا کتب احادیث احکام کو زیر نظر رکھے۔

کانون کاروزہ یہ ہے کہ کلام فحش یا لغو یا فہین اور غیبت وغیرہ ہرگز نہ کہے بلکہ خدا و رسول و مقدس زاد گون کا کلام کہے۔

زبان کا وزہ یہ ہے کہ لغو باتیں نہ کرے، نہ کیسی غیبت کرے اور کوئی خلاف شرع بات زبان سے نہ نکلے۔ بلکہ خدا کی باور کلام الہی کی تلاوت میں رطب اللسان رہے۔

ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ اسے کوئی خلاف شرع کام نہ کرے جس سے رنگ بگناہ ہو۔ بلکہ اور نیک کام کرے اور ایسے ایسے کام کرے جس سے دنیا اور دین میں نیکانہ ہو۔

پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ خلاف شرع کاموں میں قدم نہ مارے بلکہ لازم جماعت کے لینے یا وعظ و نصیحت سے۔ زرگان دین کی زیارت کے لینے جاوے۔

تمام جسم کا روزہ یہ ہے کہ اپنے تمام جسم کو خدا کی راہ میں خاک نہ کرے اس کے مرضی کے بغیر نہ کوئی کام کرے اور اوسے ذکر و فکر میں محو ہو جاوے اور یہی کامل روزہ ہے۔

(۱۰) صحت کا محافظہ ہے۔ تمام اطباء و حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ کم کھانا کم پینا۔ انسان کی تندرستی کی بنیاد ہے۔ پس اگر یہ اصول چاہے تو یقیناً ماہ رمضان میں

ایک مہینہ محض کھانے پینے سے پرہیز کرنا انسان کی صحت کے واسطے بھی مفید ہو۔ بلاشبہ اگر روزہ ٹھیک اصول پر رکھا جاوے۔ اور شام و صبح کے وقت مناسب

اندازہ کے ساتھ غذا کھائی جاوے۔ تو یہ صحت کا محافظہ ہے۔ اور کئی امراض کے لئے بالخاصیت دوا ہے۔ اسکی برکت سے اعطال و غیرطبیعی کے مواد فاسدہ (موجبات

سورہی) ریزش و زلزلہ جو اہم امراض ہے۔ اور جاع و غیرہ وغیرہ دور ہو جاتے ہیں

جسم کا ٹھیک طور پر فضلات سے تنقیہ ہو جاتا ہے پس ایسی چیز جو دینی و دنیاوی سفائے
 کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ پر واقع ہے، کی نسبت جب قدر شائع اسلام نے تشدد و
 تنقید کیا بہت مناسب اور بالکل ٹھیک ہے۔ اور اس خصوص میں ہر ایک قانون
 افراط و تفریط سے خالی ہے سرے پاؤں تک کوئی بیماری بے پیٹ کے فساد کے
 نشین ہوتی، اور سارے طب اسی ایک تعلیم میں پھرے ہوئے ہے اور حضرت امیر علیہ السلام
 نے فرمایا ہے کہ پیٹ کے شک کے دہانے یعنی منہ کا پھندا آنکھ ہے کہ اگر اسے ہر
 چیز کی طرف سے بند رکھا ہو تو دہانا بند ہے اور نشین تو شک کا دہانا کھل گیا کہ اب
 جو کچھ اوس میں ہے وہ بے گرس نشین رہتا روزے کے لیے دن ہی کا وقت مناسب تھا۔
 کیونکہ قواس غصیہ و شویہ کے خاص طور پر ظہور کا وقت دن ہی ہے رات کو تو انسان
 سو جاتا ہے۔ اور خود بخود یہ سب قواسے شوانیہ و غصیہ حالت تسکین میں مودے
 ہیں۔ رات کے روزے کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلے شریح کی اصلاح
 و ترمیم کر کے (مہینہ دن رات کا روزہ تھا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دن ہی کا روزہ قرار
 دیا تاکہ اصلی مفاد بھی حاصل ہو اور فضول سے احتراز ہو جاوے۔ اور زیادہ تکلیف
 ہی نہ ہو جس سے صحت پر برا اثر پڑے۔

روزے کے لیے بظاہر ۱۲ مہینوں کے ایک ماہ کا تقریباً موزون و مناسب ہے۔
 اوس سے کم میں اصلی غرض مفقود تھی۔ اور زیادہ میں ضرر اور تکلیف بالاطباق
 لازم آتی تھی یہ تقریباً بالکل اوسط و اعتدال پر مبنی ہے۔ جیسا کہ خدا نے دین اسلام
 کے ہر ایک اصول کو ٹھیک اوسط و اعتدال پر رکھا ہے۔

جس پر یہ ۱۲ مہینوں کی اجازت دہائی ہے اور بحالت مجبوری و عجز ووری

یہ فرض ساقط کیا گیا ہے پیار اور مسافر کو اس سے بری کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی شیخ
 خانی یعنی نہایت بڑے عاجز روزہ نہ رکھ سکے اس سے بری کیا گیا۔ روزہ سے جس شخص کی
 جان پر آئے۔ اور سے انظار کر دینے کا حکم دیدہ یا گیا ہے۔ عاقبتہً بعض کی حالت میں
 سات کیا گیا ہے غرض کہ ان قوانین کے بنائے میں بنی نوع کی حفاظت کا بڑا خیال رکھا
 گیا جو نہایت ضروری امر تھا۔ باوجود اس آسانی کے جو طاقت رکھتا ہے اور اس کی
 برکات و فوائد سے محروم رہتا ہے۔ یا روزہ کی عظمت کو نہ جکھڑا تو زنداں ہے وہ
 تشدد برتا گیا ہے۔ جبکہ کہ سیاست دینی مقتضی ہے تاکہ کوئی شخص ایسی مفید اور
 بابرکت عبادت سے محروم نہ رہے۔

بلاشبہ اسلام میں روزہ ایک نہایت ہی اعتدال پر واقع ہے۔ حدیث سے
 دینی و دنیاوی فوائد پر مشتمل ہے دیگر انسان مذہب میں روزے کے اصول کو دیکھو تو
 اسلام کے آگے کچھ ہی وقت نہیں رکھتے۔ اونے وہ اعراض حاصل ہوا نہیں جیسے
 جو مطلوب ہیں۔ یہود و نصاریٰ میں دن رات کا روزہ ہوا کرتا تھا۔ یعنی دن رات
 ہی کو کھا کر پھر ۲ گھنٹہ کے بعد کھانا کھا یا کرتے ہیں جس مذہب میں خود روزہ پونہ
 اور چار دن کو جائز رکھا گیا ہے۔ بعض مکی کا یہاں نہیں کھاتے باقی سب شہر پر کربلا ہیں
 جس اشارہ گئے ہیں جس میں جانکا بڑا نقصان ہے۔ جیسے باپڑوں کے روزے۔
 غرض کہ کوئی قوم یا کوئی مذہب نہیں جس میں روزے کا وجود اعتدال پر قائم اور
 افراط و تفریط سے خالی ہو۔

فرمان جالیے شایع اسلام کے جنوں نے بنی نوع انسان پر کسی قسم کی تکلیف کا بیان
 گوارا نہیں کیا کوئی جہ نہیں رکھتا ہے اعتدال پر آیا۔ آپ نے رات کا روزہ سو تو رکھا

صرف روزہ کے لیے دن مقرر فرمایا۔ کیونکہ انسان کے لذات و شہوات کے غلبہ کا خاص وقت دن ہی ہے۔ اور نفسِ مارد کی زیادہ کارروائی دن ہی میں ہوتی ہے۔ رات کو عموماً سب لوگ آرام کرتے ہیں اور سب اعضا ٹھکے ماندے ہوتے ہیں۔ جو ایک آدھ لذتِ رات کے لیے مقرر کی گئی ہے وہ عادتاً و معمولاً ہے اور چونکہ سونیکہ بعد انسان خود ہی کھانے پینے اور حوائجِ بشریہ سے محترز ہو جاتا ہے تو پھر رات کے روزے کی کچھ ضرورت ہی نہیں تھی۔ اسی لیے آپ نے دن کا روزہ مقرر فرمایا۔ مگر پوچھے بغیر (دوسرے) کھایا کرو کہ اسمین برکت ہے۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق صرف کھانے کا ہے۔

کھانا پینا خاص حیوانی کام ہے۔ اس سے انسان جب قدر و درجہ سکے بہتر ہے لیکن ہم میں حیوانیت کا جزو بھی ہے۔ اسی لیے مجبوراً اسکا لحاظ بھی ضرور تھا مگر رات دن کھانے پینے ہی کے خیال و فکر میں ڈوبا رہنا بڑی بات ہے۔ جتنے بزرگانِ دین گذرے ہیں اگر انکی حالت پر غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ حضرات بہت کم خوراک تھے اور اکثر روزے رکھتے تھے جنابِ امیر جس روز روزے سے نہیں بیٹھتے اس روز بھی روکھی سوکھی جو کے آنے کی جنگی پانک کر سہرتے تھے۔

خدا نے انسان کو مرکبِ نہایا ہے۔ اوسمیں ملکوتی۔ اور حیوانی یا مسمی دونوں صفتیں ہیں۔ عبادتوں سے ملکوتی صفت کی ترقی ہوتی ہے۔ روزے میں بہت بڑی تعلیم اسی بات کی ہے۔ کہ یہی صفت کمزور رہے۔ اور خدا کی عبادت میں خوب مصروف ہو کر انسان کی روح ایسی زور آور ہو جاوے۔ کہ حیوانی صفت پر پوری حکومت رکھ سکے جس طرح کسی کو کہیں لڑائی کے لیے جانا ہوتا ہے تو چند روز پہلے ہی خوب

روز میں کرتا ہے تاکہ اسکی صارت حاصل رہے کہ وہ لڑائی کے دن دشمن پر غالب آوے۔
 اسی طرح ہم انسان بھی اس جہان میں لڑائی اور جہادی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ کونسی
 لڑائی ہے جس سے کسی کو چٹکارا نہیں؟ وہ لڑائی ہی نفس کی لڑائی ہے۔ خوش
 نصیب ہے وہ جسے اس لڑائی میں فتح حاصل کی جسکی ملکوتی صفات نے حیوانی
 صفات پر پوری حکومت حاصل کر لی۔ یہ نفس دن کے روزے اسی لڑائی میں کامیاب
 ہونے کی تیاری ہے۔ صفات عبادی کی قوت دینے والی چیزیں کھانا پینا ہے اور صفات
 ملکوتی کی قوت دینے والی چیز خدا کا ذکر اور اسکی محبت ہے۔ جب آدمی ایک قوت دینے
 والی چیز کی مقدار کو کم کر لے گا اور دوسرے کی مقدار کو بڑھائی گا۔ (حضرت ایک کو دوسرے
 پر فتح حاصل ہوگی۔ صحیح و تندرست آدمی کو بھوکا اور پیاسا رہنے سے کچھ تکلیف البتہ
 ہوتی ہے۔ لیکن کتنی کم بیماریاں نہیں ہوتی۔ جنگلی لکڑیوں کے رہنے والی جو بعض
 شکار پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار روز تک شکار نہیں کیو جو اسے
 بھوکے رہ جاتے ہیں۔ لیکن وہ اون آرام طلب آدمیوں سے کہیں صحیح و تندرست
 رہتے ہیں جو رات دن ہلاؤ تو رہ کھایا کرتے ہیں اور جانتے ہی نہیں۔ کہ بھوک کی
 تکلیف کیا شے ہے۔ انسان کو زیادہ کھانے سے جتنی بیماریاں ہوتی ہیں۔
 اسکا ہزاروں حصہ بھی بھوکا رہنے کو نہیں ہوتا بلکہ مصرانی اکثر امراض کا قاتل ہے
 علاج کرتے ہیں۔ امریکہ اور فرانس کے بعض ڈاکٹروں نے چالیس شبانہ روز بھوکا رہ کر
 ثابت کر دیا ہے۔ کہ سراسر کمزوری کے بھوکا رہنے سے اور کوئی ضرر پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ بیمار
 کے واسطے یہ تجربہ درست نہیں۔ صومالہام میں اسے مندرجہ بالا گیا ہے۔ اور اس پر
 روزہ بیماری کی حالت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

اور پھر یہ روزہ اس وقت میں کیا سفید ثابت ہوا ہو گا۔ جو وقت کی قوم نہایت وحشی بد پرہیز
 لشکر پر رطانہ جنگجو پوقون بد خود یعنی نہایت کے عرب تھے جو بالکل قواعد حفظانِ صحت
 سے واقف نہ تھے نہ۔ یاد رکھاؤ کہ امتیاز نہ کہ غذا معدہ میں اسی ہے نہ داخل کو بہت
 تھے نہ اس امر کی تہنیتی لگاتار کھانا چاہیے ہے اور کس سے پرہیز چاہیے۔ خوسون کی
 اٹھلیان تک کھا جاتے تھے پیاں کی مہتری سے ہی پرہیز نہ تھا۔ اونکی جسمانی اصلاح
 مذہبی طور پر لگئی مینہ بھرتین مودہ خوب صحت کی عمیق فضولات ہوا۔ سنتے روزوں
 کے فضائل بیان کر کے اسپر ہی رانج کیا چونکہ عرب نمونہ و قوس تھے اسوجہ سے
 ہجرات مشرقی روزوں کی ہی ہوتی تھیں۔ ورنہ کے روزے خطرے میں ہی نہ آئے باطن قوت
 جسمانی اونکی گھٹنا شروع ہوئے قوت رومانی میں ترقی ہوئی علم و بردباری انکسا۔ و
 راضع رفتہ رفتہ آنا شروع ہوئے۔ صبر و استقلال اکل و شراب سے بطبع تو نہیں دخل
 کوئے لگاؤ نہ تھیں کہی ہونے لگی کہ سوچنے سمجھنے کے ہی عادی ہوئے انجام میں کا
 مادہ پیدا ہوا روزوں کی کثرت سے جنگجوی ہی سو قوت ہوئی توڑے ہی عرصہ میں نہ
 وحشی قوم ایک نہایت سلیس تعلیم یافتہ مذہب نیک چلن قوم بن گئی۔ پس یہ
 روزہ اس قوم کے واسطے کیسا سفید ثابت ہوا۔ جس سے بہتر کوئی علاج نہ تھا۔
 غلہ اور اناج ارضی چیزیں ہیں۔ انکے استعمال سے ارضی صفت لینے کا ہلی پیدا ہوتی ہے
 غلبہ بنا کم کھاوے اور شاہی انسان چست و چالاک رہیگا روزے میں اس کی ہی تعلیم ہو
 کہ ہم ارضی غذا نہ کھاوے بلکہ ال برکھین۔ یہ ہی ایک خدائی قانون ہے۔ کہ جب تک
 آدمی نگلیہ نمون سے برائے چہرے ہے۔ تخفیف اور سکی جان نہیں چھوڑے۔ لیکن جب تک
 کہ پیری چہرہ نہایت ہے تو ہر طرف اس کے لیے آہم ہی آرام ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کے

روزہ کو کیونکہ وہ کچھ جاکش تھے عیش و عشرت سے نفرت تھی وہ پوپ کو دھوپ نہیں بگھنے
تھے جیسے مسلمانوں نے جاکش سے مذہب اور رشتہ پسندی و آرام طلبی اختیار کی ہو
سستی و کاہلی اور صفت ارضیہ کا اپنے کو حشر بنالیا ہے اور سوت سے اقبال بھی
ونے رخت ہو گیا ہے۔ روزے میں اسی صفت جاکش کی تعلیم ہے۔

میں بجاؤن بڑی تعلیم اس امر کی ہے کہ انسان کو خدا کے ساتھ تعلق پیدا ہو اس قافلہ انسان
کی غفلت دور کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ سال میں پورا ایک مہینہ
خاص خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں بسر کرے۔ اور ہفتے میں ایک روزہ اور
ہر روز پانچ وقت اپنے رب کی طرف متوجہ رہے۔ اس سے کم تعلق رکھ کر کوئی
دور ہرگز اپنے رب کی حالت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ شریعت محمدی چونکہ آخری شریعت
ہی اس لیے اوس میں ایک کامل اور خیر طریقہ انسان کو کامل انسان قائم رکھنے کا خدا نے
اپنی رحمت جاری کیا ہے جس میں کسی طرح تخفیف کو گزرنہیں جو قوم اسے کم بات
کر گئی وہ ہرگز نفس کی غلامی سے نجات نہیں پاو گی تازی کو پانچ وقت اپنے رب کا
خیال آتا ہے۔ لیکن روزہ دار کو ہرک پیاس کی تخفیف دن بھر خدا کی یاد سے غافل
نہیں ہونے دیتے۔ روزہ دار سمجھتا ہے کہ میں کھانے پینے کی یہ تخفیف حاصل کر کے
حکم سے بجاؤں تاہوں اسے اور سکو ایسی روحانی راحت حاصل ہوتی ہے جس کو
انسان میں ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اس جہان میں اگر کوئی کسی کا عاشق ہو اور
محبوب اور سکا سہ دن ہر دوپہر میں کھڑا رہنے کا حکم کرے تو یہ بخلت و عین راحت
معلوم ہوگی۔

بچنے روزے کے ساتھ باوجود اس کی تخفیف کے ایسی سچی محبت مسلمانوں اور ایمانداروں

دیکھی ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان کے اخیر جمعہ میں رمضان المبارک کی اوداع پڑھی جاتی ہے اور سوت روتے روتے اونگی بچکین بندہ جاتی ہیں۔

محض صادق نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن گنہگاروں کو پیاس کی شدید تکلیف ہوگی اور روزیوں کو بھوک و پیاس کی مصیبت سنائیگی۔

روزے میں اس امر کی بھی تعلیم ہے۔ کہ عاقل انسان عذاب آخرت سے غافل نہ ہو جائے بلکہ اس سے بچنے کی تدبیروں پر عمل کرے۔

روزہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ صرف چند گھنٹے راج پانی سے مسخوہ رہنے اور پانی تباہ کو وغیرہ کو تھوڑی دیر کے لیے چوڑنے میں کیا تکلیف ہو پس جب ہم مرادیں گے تو سو فائدہ اس دنیا کی ساری چیزوں سے الگ ہونا پڑیگا اور سوت کسی تکلیف ہوگی۔ اس لیے لازم ہے کہ جتنے دنیا کی سب چیزوں سے ہم بے متعلق پیدا کریں پس روزہ سے انسان دور اندیش و عاقبت اندیش بن جاتا ہے۔

صرف کما ہوا وغیرہ چوڑ دینے سے روزے کا مسم تیار ہوتا ہے۔ اور جب انسان بری باتوں سے بھی اپنے کو روزے کے دنوں میں پکائے رکھتا ہے تب اس کا روزہ کامل ہو جاتا ہے پس روزہ درحقیقت ایک پاک و اخلاقی ہے۔ جو روزہ کو بقا دے رکھے گا کبھی کسی گمراہ میں مبتلا نہ ہوگا اخلاق درست ہونگے تہذیب و شائستگی آوگی پس کیا یہ کسی شخص کی خواست ممکن ہے کہ وہ سال میں ایک مہینے تک نیک خلعت رہے بغیر اس کے کہ اسے اپنی مجموعی حالت بقیہ گیارہ مہینوں میں کسی حد تک فائدہ بخش دے گی ہو جس شخص نے دقیق اور غیر متعصب نگاہ سے اسلامی طریقہ کو جانچا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ کس معقولیت و انائی سے اس کی تہذیب کی گئی ہے۔ اور کس قدر وسیع و پراثر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں اگر حدیث

و عرفان سے اس پر عمل کیا جاوے۔ ہم سب عادت کی قوت سے آگاہ ہیں خدا وہ سن
ہو یا بیچ اور گناہ و بُرائی میں مبتلا ہو جائے گا کہ قدر آسان ہے اسی طرح سے بہ نسبت صالح
ہونے کے بدکار مہونا بہت سہل و آسان معدوم ہوتا ہے۔ بعض نئی روشنی کے طالبوں
اور نو تعلیم یافتہ جو انون کے دنوں میں یہ سنا ہی ہوئی ہے کہ روزہ سے بھوک میں
مرنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ کاسٹ حسبہ ریہ لوگ ریاضی کے ایک معمولی سوال
حل کرنے پر تو جہ دیتے ہیں اوس سے بخوبی ہی توجہ روزہ کی حقیقت کی طرف بھی کریں
جو کچھ فلاسفی پہنے روزہ کی بیان کی ہے وہ سب خدا نے ان چند الفاظ جامع و مانع
میں بیان کر دی ہیں غور کرو تو بہت کچھ سمجھ سکتے ہو خدا فرماتا ہے ایان و انون تم پر
روزہ مقرر ہوا جس طرح ان لوگوں پر مقرر ہوا جو تیسے پیشتر تھے۔ اس لیے کہ تم
وصف تقویٰ سے منصف ہو جاؤ۔ چند گنتی کے دن ہیں سال نہیں۔ چہ ماہ نہیں۔ چہ برس
میں ایک ماہ دن کی زکوٰۃ کا گنتی پڑتی ہے پس جو کوئی تین سے چار ہو۔ یا سفر پر تو
وہ اور دنوں میں گن کر رکھ لیں۔ اور جو لوگ کمال مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہیں۔
(جیسے شیخ ثانی) تو وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے اور دن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِيَامُ كُلَّ اللَّيْلِ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ عِدَّةٌ مِمَّا تَتَذَكَّرُونَ يَا أَيُّهَا
مَعْدُودَاتُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامِ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ أَنْ تَكُفُّوا عَنْ شَهْرِ رَمَضَانَ
الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ فَإِنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُكْفَرُ بِهِ يَكُلُوا يَكْمَلُوا أَوْ يَكْتُمُوا
وَلْيَكْمَلُوا الْعِدَّةَ وَلْيُكْفِرُوا بِاللَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَهُدَاكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۱۶

درکے اور جو شخص رغبت سے نیکی کا واسطہ دے تو یہ اس کے لیے کمال خوبی کی بات ہے۔ اور روزہ رکھنا بھروسے واسطے بڑی خوبی کی بات ہے۔ اگر غم شریعت کے اصرار جیسا ہے ہو۔ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا۔ لوگوں کے لیے رہنما۔ اور ہمارے کے لیے کھلی نشانیاں اور حق و باطل کو جدا کرنے والا۔ پس جو شخص تم میں سے اس مہینہ کو (معاذ صحت و حیات میں) پادوسے تو جاسے کہ اس میں روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو۔ تو روزہ اور دن میں گن کر روزہ رکھے خدا تم پر آسانی چاہتا ہے اور دشواری (و تخفیف) بالیقین) نہیں چاہتا۔ اور دن میں گن کر روزہ رکھ لینے کا حکم ایسے فرمایا کہ تمہاری عذر دہری ہو جاوے۔ اور تاکہ تم خدا کی عظمت و کبریا کو یاد کرو اس پر کہ اس نے تمہیں دین کی راہ بھرائے۔ اور تاکہ تم اس پر خدا کا شکر ادا کرو گے۔

(قد افطر من تذکری)

حسن زکوٰۃ

اور اس میں سے بڑھ کر کس شے میں حسن ہے جو کہ ہر مذہب اور ہر عقول سلیم کے نزدیک بہتر ہے۔ یوں تو ہر صدقہ مناسب ہے لیکن ہمارے خیر اندیش خالق نے فقط اس غرض سے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ درجہ مساوات پر پہنچے اور کسی کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے اور عداوت کرنی کی ضرورت نہ ہو۔ اس وجہ سے ہر مال دار کے مال میں ایک حق تعین فرمادیا جس کا دین واجب رہا جاتا ہے۔ اور ہر غلٹ و محتاج اس مال سے مستفیع ہو کر دوسرے مال کا یہ سلسلے پھر دوسرے رقم معینہ کا امیدوار رہتا ہے۔ اور بطور استعانت کے اس مقدار کو ہر مشغول سے لے سکتے ہیں۔ اور پھر خوبی یہ ہے کہ جو شخص دیندار نماز گزار متقی و ابراہیم ہو وہی اس مال سے مستفیع ہو سکتا ہے۔ جب یہ نیکو لگا دی گئی ہے تو ضرور ہر شخص اپنے تقویٰ و صلاح کی

کوشش کریگا۔ البتہ اولیٰ مال سے بعد میں عادی ہوتے ہوئے سچا اصلی پابند شریعت کا ہو جائیگا۔ اسی سے غذا فرماتا ہے ”فذا فظ من تذکاً“ ضرور وہ شخص جسے زکوٰۃ دی فلح دارین کا مستحق ہے دنیا میں نفع یہ ہے کہ ذات سے اسکی برادران ایمانی منتفع ہوئے اور جو لوگ شریعت کے پابند نہ تھے۔ وہ بھی اسکی وجہ سے پابند بنے۔ اور آخرت میں ثواب بحساب کے مستحق ہوئے۔

زکوٰۃ ایک برادرانہ محبت کا مستحکم خیال ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کس وجہ سے خدا نے منہ زکوٰۃ کی ہزارین بچیں مقرر فرمائی اور نہیں قرار دیا۔ حضرت نے فرمایا: ”بقدر بقدر کفایت فقرا ہے۔“ یہ زکوٰۃ ادا کریں تو کبھی کوئی محتاج نہ ہو۔

اسقدر برادرانہ محبت کے تاثر رکھنے کے واسطے زکوٰۃ کی تاکید ہے کہ ”یعلحضنوا“ وما لکم و بیعتہم و سلبیں ”حقن دہ“ اور اللہ کی اسلام زکوٰۃ عینہ والی ہے پر ہے۔ بقدر بقدر کفایت حق۔ اب توسعہ کے واسطے مطلق صدقہ کو مستحب کیا اور ارشاد ہوا ”فی مواہم حق معلوم“ یہ دو مال ہے جو انغیا اپنے مال سے قلیل و کثیر ہر دن یا ہر جمعہ یا ہر ماہ میں فقرا و مسکینوں کو دین اور پھر فرمایا ”واقضوا اللہ قرضنا حسناً“ اگر تم دسے ڈال مینیں سکتے تو اسوقت کی مصیبت کو اپنے بھائی کی ضرورت رفع کرو اور فرضی دیکر کام نہ کر لو بلکہ ”والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل“ ہر سن سلوک اور صلہ رحمی کو لازم قرار دیا برادرانہ خیال کو دیا ہی اسلام میں قرار دیا ہے مجھے اپنے نفس کا انسان خیال کرتا ہے۔ اسلام کا سچا مستفاد وہی ہے جو اپنے مہربان دے کو بھوکا دیکر خود نہ کھاوے اور اسکو کھلاوے۔

نما کیہ و تنبیہ اس حدتہ۔ اور ایثار۔ اور حسن سلوک۔ و برادرانہ محبت کی جیسے در اسلام
میں ہے شاید کسی مذہب میں ہو۔ تاریخی واقعات اور مسلمانوں کی فیاضی و سیر چشمتی
مذکات شمس فی راحة النهار ہے۔

جس طرح طہارت جسمانی پانی سے ہوتی ہے اسی طرح زکوٰۃ کو منظر مال قرار دیا ہے
اس سے وہی روحانی ترغیر مراد ہے جو انسان بذریعہ زکوٰۃ حاصل کرتا ہے جس سے
مطلب یہ ہے کہ نیک انسان پر اوس وقت عدل ہے جبکہ اپنے بھائی کو بھی کھد کرکے دے
ہے یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اسلام پر نگہ ستی کا اعراض ہوتا ہے اور یہ کہ جاتا ہے کہ مسلمان
اسکے قابل ہیں کہ خدا مسرفین کو درست نہیں رکھتا۔ اور جو لوگ زیادہ پانی لٹھھاتے اور
اچھا کپڑے پہنتے اور ٹھوڑی ٹھوڑی بات کو اسراف کہتے وہ کب کسی کو دیکھتے ہیں بلکہ خدا نے
انسان کو طبعاً تشنگل بنایا ہے۔ اگر وہ دہش اسی شے ہوتی تو خدا انسان کو طبعاً تشنگل
پیدا کرتا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ خدا کا انسان میں ایسا وصف رکھنا جو بظاہر قبیح کی صورت میں نظر
آتا ہے ایک کمال حکمت پر مبنی ہے۔ لیکن انسان اوس میں افراط و تفریط کر کے جساوہ
اعتدال سے گزر کر ایک برائی کی صورت میں بناتا ہے۔ خدا نے انسان میں کوئی خاصہ
یا کوئی وصف لغو و فضول اور حکمت کے بغیر نہیں رکھا ہے خدا نے انسان میں شہوت پیدا
کی ہے اور طبعاً انسان میں تو اسے شہوانی رکھے ہیں۔ ہر ایک انسان میں قوت سہی (خستہ)
بھی رکھی ہے جو بظاہر قبیح کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ مگر دراصل کمال حکمت پر مبنی اور
اعلیٰ اخلاق کی بنیاد ہیں۔ قوت شہوانی کو اگر بخل استعمال کیا جاوے تو اولاد صالح کے
پید ہونے اور اعلیٰ صفت عفت اور صحت کے حاصل ہونے کا موجب ہے۔ اگر بخل

استعمال کیا جاوے تو۔ لواطہ، حلق، زنا وغیرہ وغیرہ اخلاق ذمہ کے پیدا ہونے کا موجب ہے۔
 اگر انسان اپنی خود اختیار سے قوت شہوانی کو بے عمل استعمال کرے تو یہ اگر کرنے
 والی ذات پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ ایسا ہی قوت سہی کو خدا نے انسان میں پیدا کیا
 ہے تو وہ بھی اعلیٰ اخلاق شجاعت وغیرہ پیدا ہونے کا محل ہے۔ لیکن اگر اس سے بھی
 بجا طور پر کام لیا جاوے۔ تو غضب، دغبت، بجا قتل و سفک و ایذا وغیرہ کے پیدا
 ہونے کا موجب ہے پس بات یہ ہے کہ ہر خاصہ جو انسان میں خدا نے پیدا کیا ہے اور
 بظاہر فحش کی صورت میں نظر آتا ہے۔ دراصل کمال محنت پر مبنی ہے۔ اور اخلاق فاضلہ
 کے پیدا ہونے کا باعث ہے۔ لیکن انسان اوس میں افراط و تفریط کر کے بدی کا چشمہ بنالیتا
 ہے۔ انسان میں جب ایک قسم کی تنگی کا ہونا اصل میں تو ایک اعلیٰ وصف و کفایت شجاری
 کے پیدا ہونے کا موجب ہے۔ اگر انسان میں طبعاً تنگی کا وصف نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی
 شخص کفایت شعار نہ ہو سکتا۔ ہر شخص فصول خرچ مسرت بجا اور اسنے والا ہوتا۔ خدا نے
 انسان میں ایک قسم کی تنگی لی اور نگہداشت پیدا کر کے، اوسکو کفایت شجاری کا منبع ٹھہرایا
 ہے۔ اور ساری خرچ کرنے خیرات و صدقات دینے لوگوں کی بھلائی میں خرچ کرنے اور فانی
 ظاہر کرنے کا حکم دیا اس وصف کو جاوہ اعتدال پر لایا حکم دیا۔ جیسا کہ اوسنے منہرمایا۔
 وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْ هَامِلًا الْبِطْ فَقَدْ مَلُومًا مَّحْسُورًا تَوَدَّ
 تَوَابِنِیْ وَخَرُّوا بِنِیْ گِردن میں بندہ حارکہ دکہ بالکل خرچ ہی نہ کرے اور نہ اوسکو بالکل کھل ہی ہے
 (یعنی سب کا سب اور اسنے) اگر ایسا کرے گا تو لوگ تنگ تنگی پر ملامت کریں گے۔ اور
 سب خرچ کر دیگا تو پچھتا کر ہر گاہ واقعتاً فی مشافہ ہمیشہ اسطوریہ کی راہ چلے اور
 اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔ خدا نے گویا اس آدمی میں انسان کی طبیعت کی طرف اشارہ کر کے

تنبیہ کی ہے کہ انسان کو اپنے جذبات طبعی کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے طبعی جذبات کو حکم الہی کے مطابق کرنا چاہیے اور یہ جانگدلی اور بغل سے اعتصاب اور پرہیز کرنا چاہیے ۵

”وَمَقْعَدُ عَلَى النَّاسِ حَجْرٌ بِسَبَبِ مَنْ هُمْ عَلَى الْإِلَهِ

مَسْبُورٌ وَمَنْ كَفَرَ فَلَنْ يَكُونَ مِنَ الْعَالَمِينَ“

حج کا حسن عملی

حج برادرانہ خیال کی نشوونما کی بنیاد ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہر مسلمان سے یہ توقع کی جاتی ہو کہ وہ اپنی زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ سفر کا اختیار کرے۔ ہمارے حضرت کا صریح بیانیہ یہ تھا کہ وہ اپنے معتمدین کو ملک کے جملہ اطراف سے سال میں ایک دفعہ مقام واحد جمع کریں تاکہ وہ لوگ یکجا ہو کر عبادت کر سکیں۔ اور اس رفت زندگی میں باہد گر تحریک حاصل کریں جو اونہوں نے اختیار کر لیا تھا اور باہم ایک دوسرے سے بذریعہ مہمفری محبت برادرانہ حاصل کریں نیک اخلاقوں سے اخلاق نیک کی تحصیل کریں اور بد اخلاقوں کو اپنے اخلاق نیک کا تحت دین سفر کے فوائد سے خلع ہوں۔ مذہب اسلام میں اس حج کے ذریعہ سے گویا سیروساحت کی ناکہ کی گئی اور عجائبات قدرت کے مشاہدہ کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے اس سفر حج میں علاوہ اخروی زندگی کے دنیاوی فوائد بھی بہت سے ہیں جو کہ عام سفر میں حاصل ہوتے ہیں۔ جناب امیر کے وہ اشارے اکثر لوگوں کو یاد ہونگے جنہیں اونہوں نے فرمایا ہے کہ اگر ناموری اور بزرگی تلاش کرنی ہے تو وطن میں سے پردیس کو نکل جاؤ اور سفر کرو۔ کیونکہ سفر کرنے میں پانچ فوائد ہیں۔ ریخ و ملال کا فورہ تسلیہ، روزی حاصل ہوتی ہے، علم کو ترقی ہوتی ہے، اخلاق سدھرتے ہیں، بزرگوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ سفر میں دولت و تکلیف ہے جنگل کا خطرہ اور مصیبتوں کا ہیلا ہے تو اس سے

کہو کہ جو ان آدمی کا حاسد دل اور بدگو یوں کے مجمع میں ذلت کے ساتھ قیام سے مرعوب و متبرہ ہو
 پس جن مسلمانوں کو قدیم سے سیر و سیاحت کا چسکا تھا وہ ان نے اسی سفر حج کی بدولت
 بہت سے سفر کیے اور اچھے اچھے فوائد و نیادی بھی حاصل کیے بہت سے مسلمانوں نے
 حج کے بارے میں حرمین کی زیارت سے فایز ہو کر جہم کو نہ اٹھایا اور نمک نکل گئے۔ اور
 گئے پھر بہت دور دور سفر کر کے بیت سے علی اور اعلیٰ فی اور مالی فوائد حاصل کیے
 جیسائی نصرت اور روحانی قوت ایسی محبت کو اسی کے ذریعہ سے حاصل کیا اور چونکہ سفر
 و حضر میں خدا ہی کی یاد اسی کا ذکر اور اس کی عبادت ہو کہ ہر وقت اور ہر حال میں چاہے
 لہذا اس سفر کو بعض مغرب مت قرار دیا کیونکہ انسان اکثر سفر سبب سیاحت و تجارت وغیرہ
 کے کرتا ہے یا خدا میں ایک سفر قرار پایا جو کہ ہر روز کوہ سفر کے ہے۔ یا یوں کہو کہ اغراض
 دنیاوی سے جو سفر ہوتے ہیں ان کا کفہ ہے۔

انسان مگر بیٹھے ہر طرح سے اطمینان کے ساتھ خدا کی پرستش کر سکتا ہے۔ سفر میں چونکہ
 منتشر و لحواس ہوتا ہے کوئی عبادت اطمینان قلب سے اس سے نہیں ہو سکتی۔ شایع ہے
 کہ اس عبادت سفر پر ہموار کر کے گویا کوہ بتا دیا کہ خدا کی عبادت جس طرح سے اطمینان
 قلب کے ساتھ مگر بیٹھے ادا کرتے ہو اس طرح سے کہیں ہا اگر ہی اس کی عبادت میں سہل
 اور سہل انکاری نہ کیا کرو بلکہ اطمینان کے ساتھ سفر میں بھی اس کی عبادت کرو۔

بلکہ اس عبادت میں یہ بھی سنو کہ ہر مذہب کے اکثر بزرگ اور معبد اور تہذیبیں اکثر
 لوگ دور دراز سے سفر کی جیتن جیل کر اور معبدوں میں جاتے ہیں اور اپنے اپنے
 عقیدے کے موافق اور سین عبادت کرتے ہیں اور عبادت اپنے عنوان بد سے ہوتی ہے
 کہ جبکہ دیکھتے ہیں اس مذہب کی رہی سہی وقت بھی جاتی رہتی ہے اور بالکل پچھ و پھر

معلوم ہونے لگا ہے ہمارے نبی نے محض وقت مذہبی اور حسن عبادت دکنے کی واسطے
 اس مہینہ میں پرستش کا حکم دیا اور کچھ اصول و قواعد حسب تعلیم الہی اس عبادت کے معین
 کر کے ہکمواد کا پابند بنایا۔ اگر اب نظر انصاف غیر قومین اپنے مہینہ وغیرہ پرستش کے کیفیت
 کو ہماری اس پرستش کے مقابل میں کر کے دیکھیں گے تو ضرور اس چہرہ درخشان سے اوسنے
 دل بھی متحرک ہونگے اور پرستار اس مذہب کے خود نظر متق سے حقیقت کو اس عبادت
 کی دیکھنے کے نواں کو بھی اپنے مذہب کی قدر و منزلت مہلک ایاں و اذعان میں اونکی ترقی ہوگی
 اگر یہ سفری عبادت معین نہ ہوتی تو طریقہ عبادت ہمارا مکمل نہ ہوتا اس لیے کہ بعض عبادات سفری
 ہیں یعنی ہکمو مکان ہی پر بجالانا اور کھانا سوار ہے مثلاً روزہ سفر میں ہم نہیں رکھ سکتے
 اگر ہم دس روز سے کم کمین مقیم ہوں اور سافٹ بھی پوری ہو (یعنی شرعی) اور کثیر السفر بھی
 نہ ہوں۔ اور سفر حلال بھی ہو۔ پس چونکہ یہ عبادت حضری ہے لہذا ایک عبادت سفری بھی
 ہونا چاہیے حتیٰ جہاں اپنے مکان پر ہکمو مسرتھی۔ تاکہ طریقہ عبادت ہمارا مکمل ہو جاوے۔
 اور یہ بھی منشاء اس عبادت سے تھا کہ لوگ دور و دراز سے دور کر کے اپنے مہینہ کی پرستش
 اس خانہ محترم میں آکر کریں جس سے غیر قوموں کو ذوق عبادت اور شوق عبادت مسلمانوں
 کا معلوم ہو۔ اور اپنے شوق عبادت کے اظہار کا موقع بھی مسلمانوں کو مل جاوے۔ ایک دوسرے
 پر بیعت کر کے اپنا اشتیاق و ولولہ اور جوش قلبی دوسرے کو دکھاوے۔ اور دوسرا مسلمان اپنے
 جوش قلبی اور تظاہر کرے۔ اور اظہار موجب ہو اس امر کا کہ جوش قلبی میں ترقی ہو اور ایک
 دوسرے کو اپنے سے زیادہ غایہ و مثاہین دیکھ کر خود بھی اوس کمال کو حاصل کرنے کی کوشش
 کرے۔ اور پھر اسمین ایک پہلو برائی کا جو نکلتا تھا دینے و کھلاؤ اس قصد کو مذمت زیا و
 منع کر کے روکا اور یہ بتلا دیا گیا کہ جس عبادت کو تم اپنی کسی خواہش نفسانی سے کرو گے اور

دیکھاؤ مقصود ہو گا وہ عبادت تمھاری مقبول نہ ہوگی۔ پس اس ممانعت سے وہ جوش و ولولہ محض خدا ہی کی عبادت کے واسطے ہو گیا اور زیادہ وسیع بالکل برطرف ہو گیا۔

اور ساتھی اس سفرِ مکہ کے آنحضرت کا یہ بھی ضرور نشانہ تھا کہ جو لوگ اس خانہ محترم کی عبادت کو آدھنگے بسببِ قرب کے ہماری خدمت میں بھی حاضر ہونگے یا کعبہ میں ہم بھی سچ کو جاوینگے اور وہ میں ان لوگوں سے ملاقات ہوگی ہم منونگے تو ہماری اولاد و عزت اور اوصیاء و اصحاب و تابعین سے ملاقات ہوگی۔ پس حبلج ان حضرات کی فیضِ صحبت سے مشرف ہونگے افعال و اطلاق اپنے درست کرینگے جو کچھ پوچھتا کچھنا ہو گا وہ پوچھ کر پوچھنے لینگے اس یادگار اسلامی کو دیکھ کر وہ پر جوش باتیں یاد کرینگے جو کارناما یاں ہاتھ سے بانیانِ اسلام کے ہوئے ہیں اور خود بھی جوشِ مذہبی پیدا کرینگے۔

(تعمین ارکان)

چونکہ انسان طبعا متلون مزاج ہے۔ اور سیلانِ طبعی ایجاد و اختراع کا ہے ہر امر میں کچھ نہ کچھ ایجاد میں کرتا رہتا ہے۔ پس اگر فرایض و ارکانِ حج سمین نہ کر دیے جاتے تو نہیں معلوم ہر شخص اپنی طبیعت کی پابندی سے۔ اس سبب بزرگ میں ہو چکر کیا کیا ایجاد میں کرتا اور ان امور کے ظہور کی اس سے امید تھی۔ جو کہ خلافِ مذہب و ملت ہوتے۔ ممکن ہو کہ یہ بھی اپنی خواہش کے موافق ویسی ہی عبادت کرنے لگتا۔ جیسے اور زمین اپنے مسجدوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مثلاً عیسائی گرجا میں صلیب بناتے ہیں ہت پرست اپنی مسجدوں کی صورت میں بنا کر نصب کرتے ہیں۔

اسی طرح جاہلی قوم عرب کی نہیں معلوم کیا گیا اختراع کرتے۔ اس وجہ سے شاخ لے طریقہ تعلیم خانہ کعبہ بتا دیا اور طریقہ عبادت کے متین کر دیے گئے جسکی وجہ سے وہاں سب

مصل و لغویاتوں سے پہنچ گیا اور سچی حقانیت کے ساتھ اسے خدا سے وعدہ لاکر شریک کی عبادت کرنے لگا۔

(حقیقت حج)

حج زیارت ہے اس خانہ محترم کی۔ جو کہ بید و اسلام و ہمت کے حضرت آدم و حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام ہے اور یادگار اسلامی ہے۔ پس جو کچھ اس خانہ محترم میں حضرت آدم سے تا حضرت خاتم و قوع میں آیا ہے اور نبین امور کے بجالانے کا ہر حکم ہوا ہے۔ اور تقلید و پیروی کا ان انبیاء و اولوالعزم کے نام حج ہے ہم حج میں وہی افعال و ارکان بجالاتے ہیں جو ان انبیاء و صدیقین سے طور میں آتے تھے اور اسی کا نام حج رکھا گیا ہے۔

اور فائدہ ان ارکان کے بجالانے میں علاوہ فرائد تقلید کے جو مذکور ہوئے یہ ہے جو کچھ خانہ کعبہ یادگار اسلامی ہے ہمیں جو کچھ اس خانہ محترم میں انبیاء کے ہاتھ سے ہوا ہے وہ افضل سے بندوں کے ظاہر ہوتا رہا ہے اور حجاج تسلط و تسلل اور طبقہ بن طبقہ ہرزہ۔ میں دیکھے ہی افعال بجالا دین تاکہ وہ واقعات ہر شخص کو یاد رہیں۔ اور حجاج مخلوق باخلاق و متدبیر و باعلاق الانبیاء ہو جائیں عفا بھی بہت بڑا حسن ہے اس بات میں کہ جو ارکان جس واسطے بنایا ہوا اور اس میں خدا کے خاص خاص ملم بندوں سے جو افعال سرزد ہو ہوں وہی افعال ہم بھی بجالا دین اور مانتی کریں اور انبیاء کی اور ہمارے افعال زندہ نایاب ہوں سیرت انبیاء کی۔

اللہ اللہ کیسا حسن ہے اس حج میں کہ ہر زمانہ میں جس نبی سے جو کار نمایاں اس مقام پر ہوا ہے اس کی نقل کر کے عالمی (من منشئہ بنوم فهو منعم) میں داخل ہو جائے تاکہ

ذلتیات کا اسوجہ سے مکمل ہے کہ حاجی جب احرام کرتا ہے۔ تو خداوند کریم نے افراتاہ ہے
 ”عبادی وامانی لاخر منکم علی النذاکما حرمتم“ اسے ہندون اور کینزون میرے تہر
 یعنی آتش و دوزخ کو حرام کیا ہے جس طرح سے نئے ہماری خوشی کے واسطے احرام باندھا
 اور اپنے اوپر اون چیزوں کو جو تھاوے واسطے عرصہ سے مباح تھیں ہماری شوق
 عبادت میں نئے حرام کر لیا۔ پس اس نئے فیض کا جواب حاجی دیتا ہے۔ ”لبیتک
 اللہم لبیتک لبیتک لا شریک لک لبیتک ان الحمد والفضل لک والمطاع لا شریک
 لک لبیتک“ مقصود حاجی کا یہ ہوتا ہے کہ خدا ہی کی مدد اور اوسکی توفیق سے ہم اوسکے
 خانہ محترم کی عبادت کرنے جلتے ہیں پس گویا اوسکے حکم طلب کی لبیک کہتے ہیں۔
 دوسری صفاد مردہ کے درمیان میں۔ اسوجہ سے ہوئی کہ حضرت ابراہیم کو شیطان دکھائی
 دیا تھا۔ پس حضرت ابراہیم صفا سے مروا کی طرف مقابل شیطان کے واسطے تشریف
 لیگئے تھے۔ پس حاجی تشبیہ کرتا ہے۔ سنفل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور مقابلہ
 شیطان کے واسطے مثل خلیل الرحمن آمادہ ہو کر سعی کرتا ہے صفا و مردہ میں اور اپنی ہوا
 و ہوس نفسانی سے ہمارے غلبہ آتا ہے نفس کسی کر کے شیطان کو مغلوب بنانا
 چاہتا ہے۔ حضرت ابراہیم کے اس تاریخی واقعہ کا پتہ اپنے اس فعل سے دیتا ہے۔
 (یعنی) میں چونکہ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند اسمعیل کے ذبیح کرنے کی مناجاتی تھی
 اور خوشنودی خدا پر اس غم اولاد کو طیب خاطر گوارا کر لیا تھا اور عرض حضرت اسمعیل
 و ذبیح ہوا جو کہ یہ حضرت اسمعیل تھا اوسکے اس تاریخی واقعہ کی شہادت جملہ
 قربانی سے دیتے ہیں اور یعنی میں ذبیح کر کے یادگار ابراہیمی کو قائم کرتے ہیں
 اور اس گوشت کو مساکین پر تقسیم کر کے ہمدردی قوی اور اتفاق باہمی پیدا کرتے ہیں۔

درمی الجہرات) میں بھی جانتی ہے حضرت ابراہیم کی شیطان پر حضرت ابراہیم نے پھر تاسے
 بجھے اسی مقام پر۔ پس حاجی بھی اسی طرحے ستریزہ مارتا ہے۔ اور مقصود اس سے
 یہ ہوتا ہے کہ میں بھی مقابلہ شیطان کو موجود وطن اور خواہشائے نفسانی کو اسطرح سے دور
 کرتا ہوں اور دل کو اپنے اسی طرحے مارتا ہوں جیسا حضرت ابراہیم نے کیا تھا۔

(مشعر الحوام) میں ٹھہرتا سوچنے سے واجب ہے کہ خانہ کعبہ خدا نے مگر عبادت کا بنایا ہے
 اگر ہر شخص لیغ اور دناش اس خانہ محترم میں گھس جاتا تو علات آداب و تعلیم ہوتا۔ اب کمال
 ادب و تعلیم کے ساتھ زیار اس حرم میں جاتا ہے مشعر جو کہ نذر لہ دروازہ کے ہے پسے
 ادھر ٹھہر کر تضرع و زاری درگاہ باری میں کرتا ہے اور اذن دخول حاصل کر کے دوسرے
 دروازہ پر جو عز و ذلہ ہے جا کر پھر تضرع و زاری کرتا ہے اپنے گناہوں سے شرم کرتا ہے
 اور یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بندہ گناہگار کیونکر سے یکایک دربار خداوندی میں چلا
 جاؤں! پس اعتراف و اقرار گناہوں کا کر کے توبہ کرتا ہے اور وہیں ٹھہرا ہوتا ہے۔ جب
 گناہوں سے پاک و صاف ہو لیتا ہے اسوقت داخل کعبہ ہوتا ہے۔

(استقبال رکن یانی) حسین پھر اسودے اسوجہ سے لازم ہے کہ جب حضرت آدم نے
 صفائے نظر کی اس جانب اور حجر اسود کو اس رکن میں نصب کیا تو تکبیر و تہلیل و تہجد خدا
 مجید کی۔ پس ذریت بھی اوکی استقبال رکن یانی کرتی ہے اور تکبیر و تہجد خداے مجید
 بجا لاتے ہیں۔

(طواف کعبہ) اسوجہ سے کہ تمہیں کہ حضرت آدم جب دنیا میں تشریف لائے اور حضرت
 ابراہیم سے ملاقات نہ ہوئی تو فراق حضرت حوا میں طواف کعبہ کرتی رہی جبکہ بعد حضرت حوا
 سے ملاقات ہوئی۔ پس یہ طواف النساء تھا اور حضرت نوح کی کشتی جب اس مقام پر

ہونے لگی تو ان خداسات مرتبہ گرد و گدگدائی اور سات مرتبہ صفاد مردہ بینائی لگی ہر کوہ جو دی پر
 ہا کر سکا بن ہوئی۔ اس وجہ سے سات شوط طواف کو بہ فرض ہوا تاکہ رات کو حضرت آدمؑ کو توجہ
 یاد رہے اور غیب خدا سے انسان ڈر کر توبہ و انابت کرے۔

دھن (س) حضرت آدمؑ کا جبریل امین سنہ سرسودا تھا کچھ بھی سرسودا نے کا حکم ہوا تاکہ
 اس وقت جلیل کی یادگار رہے۔

بمقام ابراہیمؑ پر دو کثرتوں کی پرستش بن سبب رزق اس مقام کے اور شکر خدا اور
 کو رہے ہیں کہ ہم مقام ابراہیمؑ جو مقام غیب خدا سے اس تک پہنچ گئے۔

بعد اسے ارکان حج کے عشرت میں قیام نہیں کرتے، اس واسطے کہ رسول خداؐ نے ممانعت
 فرمائی ہے اور باعث قوت و تقویٰ قرار دیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ وہ مقام مقام
 عبادت و تقییم ہے نہ مقام قیام و سکون اگر ہم کہ عظمیٰ میں قیام کریں گے تو غشت کہہ کہ ہوگا
 مثل اور مقامات کے اس مقام محترم میں بھی ارتحباب جراثیم ہوگا جو خلاف عظمت و احترام
 ہے۔ علاوہ اسکے یہ ظاہر ہے کہ تجلج کس ذوق شوق سے حج کو جاتے ہیں اور حب زیادہ
 قیام نہیں کر سکتے اور واپس ہوتے ہیں تو اشتیاق کم نہیں ہوتا بلکہ آتش شوق اور بھی
 بھڑک جاتی ہے۔

ایام تشریق میں جو لوگ بنامین ہیں اور گوروزہ چاہیے اس واسطے کہ حاجی مہمان حسنہ
 ہوتا ہے اور مہمان کو روزہ رکھنا چاہیے جو وقت کہ وہ کسی کا مدعو ہو۔

اور حبیب حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمعیلؑ تشریق سے فارغ ہوئے اور مذبح کے عربوں
 کی دعوت کی اور آب زمزم سے سیراب کیا پس پانی زمزم کا خشک ہو گیا سب نے حضرت
 ابراہیمؑ سے شکایت کی کہ آب کی پس رہی ہوئی حضرت ابراہیمؑ کو کہ وہ کنواں مکہ میں

حکم الہی شکر حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل و حضرت جبریل نے چاہا زمین کھودا اور اوس سے کافی پانی پیدا ہوا حضرت جبریل نے عرض کی کہ اسے غلیل عطا کیجئے پانی اور اپنے فرزندوں کو پلائیے اور اس پانی کے واسطے عدا سے برکت طلب کیجئے خدا نے آپ کو اور اسمعیل اور اوتکے فرزندوں کو یہ پانی عطا کیا ہے۔ پس جس پانی کے واسطے دوست عدا اور فریضہ اللہ برکت طلب کریں کیونکہ تجميع اوس آب ظاہر و مظهر کو تبرک و باعث شفاۃ بحین۔
ابن خراش نے جبکہ اس عبادت (یعنی حج) کا یہ اصول قرار پایا کہ انبیاء اور رسولان برحق پر جو کچھ اس خانہ محترم میں گذرا ہے اوسیکے بجاہنے کی ہم بھی کوشش کرتے ہیں تو کیا خاصان خدا احد اوسکے نیک بندوں کی ناستی و تقلید کرنا ایکسا ہی بات نہیں ہے اور یہ حج ہمارا اوس یادگار اسلامی کی زندہ تاریخ نہیں ہے۔

اسلام ہمیں زمانہ سابق سے اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے وہ سب داخل سے تہجد کے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ کیا وہ طریقہ جو اور قوموں میں رائج تھے وہ مقابل ہوا ہے اس الہامی طریقے سے بہتر تھے۔

زمانہ سابق میں یہود قربانیوں کو آگ میں جلاتے اور اپنی شراب پھر کنتے تھے کیا نام طوطا طریقہ تھا۔ کیا گوشت کا جلا تا اور اوس شراب پھر کنا یہ طباہی معانی ہوا نہیں ہے گوشت کے جلنے کی چراہندہ ہے نام ہوا حشون ہو کر امراض کے حدوث کا باعث ہوتی ہے۔ اگر انصاف سے دیکھو تو ملت ابراہیمی کی پابندی جیسے اس قیسری شلخ و اسلام ہنصو حج میں جلد و ارکون و عبادات حاجی بجالا تھے جو حضرت غلیل سے ظہور میں آئے تھے۔

تومنون باللہ ورسولہ و تباہدون فی سبیل اللہ

یا موالہم وانفسکوا ذلکو خیر لکم ان کنتم تعلمون

(حسن جہاؤ)

عیسائیوں کی یہ ایک معمولی بات ہے کہ اسلام کو تلووار کا مذہب کہتے ہیں جو نفسانیت کے متعلق جہانناک مین یقین کرنا ہوں اسلام کو بقاءِ عیسائیوں کے کوئی وجہ شرمندگی کی نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کا دامن عیسائیوں کے دامن سے زیادہ خون آلودہ نہیں ہے۔ سننے کوئی تاجی "انکو برٹش اینڈ کروسیڈ" پڑھی ہے جو وقتِ عیسائی مجید و سلیم میں داخل ہوا ہے۔ تھے تو انہوں نے کس کس کون کے دبانے پاش پاش کر دیے تھیں کو خلیاں پر چنگ دیا۔ جس عورت کو گرفتار کیا اور اسکی عصمت میں فتنل انہ نری کی۔ تو میوں کو آگ پر دھک کر کیا بے بنایا۔ بعض کو اس خیال سے چیر ڈالا کہ انہوں نے شاید سونا کھالیا ہو۔ یہودیوں کو ان کے عبادت خانوں میں لپی کر جلادیا مرد و عورت بچے ملا کر تختیاں ستر خرا دی بیرحمی سے فرج کیے گئے۔ یہ بیان اسلامی مورخین کا نہیں بلکہ مسیحی مورخین کا ہے۔

جس زمانہ میں افغانستان کا شیردل بادشاہ رچرڈ، طویل واسطی صلیح القین نے اس کے واسطے برف اور ٹھون پہ بار کر کے بھی تاکہ جس حرارت سے اسکی جان معرضِ ہلاکت میں ہے اور میں شک میں ہو "رچرڈ" سلطان کا عہد دشمن تھا لیکن جب اسے سنا کہ رچرڈ "بشدت طویل ہے اسکی دشمنی کو بالکل فراموش کر دیا اور ایسا برتاؤ کیا جو ایک ہمارے سپاہی دوسرے سپاہی سے کرتا ہے۔

جب ہمارے نبی کریم بعد فتح مکہ اس شہر میں داخل ہوئے تو کسی مرد و عورت لڑکے کو نہ قتل کیا اور نہ بدسلوکی کی اور نہ کوئی مکان غارت کیا گیا تا وہ وہاں کے باشندوں نے بڑی بیرحمی سے انپر جبر و ظلم کیا تا انہوں کے موقع پا گیا مقام کیوں نہ لیا۔ ان کے دلمین بعض واقعات کا ایک، ذرا ہی خیال نہ تا وہ جناب پیغمبر تھے اور محبت و راستبازی

واقعات کو غور رکھتے تھے۔

کیا حلیم و نکسر النفس مسیح کی ہدایت اور طرز سے عیسائیوں کو پوری اجازت حاصل تھی کہ وہ جا کر اون لوگوں کو قتل کریں جنکے عقائد مسیحیت سے مختلف تھے۔ آنحضرت نے اس امر کی تعلیم و ہدایت کی اور نہ پسند کیا کہ شاعت اسلام بذریعہ تلوار کیجاوے بلکہ اون لوگوں نے نہایت ہی سختی سے علم و فہمی و قتل کی ممانعت کی۔

میں نے یہ سچ واقعات بیان کرنا ہوں جنکی صداقت ایسے ایماندار اور غیر متعصب شخص سے ہو سکتی ہے جو بلا طرفداری ان معاملات میں تحقیق کی تکلیف گوارا کرے۔

مذہب اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں غل نہیں ہے۔ ایک عیسائی شہر جسے ذیل عبارت ”پیرس انسائیکلو پیڈیا“ میں رقم طراز ہے اسپین میں مسلمان حکومت کا۔ ایک بادشاہ کا رواج قابل تذکرہ ہے جسکے سبب سے تازمانہ موجودہ اس ملک کے معاصرین و موخرین مکملوں کے ساتھ اونکی مطابقت حدکی سے ہوتی ہے اور یہ اونکا مذہبی معاملات میں عدم مداخلت ہے۔

یہ لکھنے والا عیسائی ہے اور اسکے اوپر اسلام کی طرفداری کا الزام لگانا مشکل ہے دیکھا ڈنفری ہنگس، انیسویں صدی کا عیسائی ہے اور وہ بھی حسب ذیل عبارت لکھتا ہے ”عیسائیوں میں اس سے زیادہ کوئی عام بات نہیں ہے کہ وہ اسلام پر تعصب و نفرت و حرارت افراعتقاد و ملکا الزام عاید کرتے ہیں لیکن وہ کون لوگ ہیں۔ جنہوں نے اسپین سے قوم مار سکو کو اسوجیسے نکال دیا کہ وہ لوگ عیسائی نہیں ہوئے اور وہ کون تھے جنہوں نے مکسکو اور پیرو کے لاکھوں لوگوں کو قتل کیا اور غلام بنایا اس سبب کہ وہ عیسائی نہ تھے اور مسلمانوں نے یونان میں کیا کیا ستم و صدی تک عیسائیوں کو

و کے ملوکات پر یہ اطمینان قابض رہنے دیا۔ اس کے مذہب۔ پیشوایان مذہب۔ واعظین
و مجتہدین اسے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور یونان و ترکی میں جو جنگ ہوئی تھی وہ اس سے زیادہ
مذہبی نہ تھے جو انگریزوں اور ڈمرائے کے حبشیوں سے ہوئی تھی خلفائے عجمی جب فتح
حاصل کی تو اگر ملک مفتوحہ کے باشندوں نے مذہب اسلام قبول کیا تو وہ قوم فاسخ
کے ساتھ درجہ مساوات میں شامل ہو گئی۔

ایک فاضل لیکن منکر مذہب اسلام ہے۔ سارا اس کے متعلق کہتا ہے کہ "آئینوں نے
کسی شخص پر جبر و ظلم نہیں کیا۔ یہودی اور عیسائی آپس میں خوشی و خوشی کے ساتھ رہتے تھے۔
ہگلس" کا بیان ہے کہ تاجخ خلفائے کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جو یہ نامی میں "انکویشن"
کی رسوائی کے نفع عجمی ہو کیونکہ ایسے ایک ہی مثال کہیں مندرج نہیں ہے کہ کوئی
شخص اپنے مذہبی خیالات کے سبب جلایا گیا ہو یا اس امن کے زمانہ میں اس کو
سے قتل کیا گیا ہو کہ اس نے دین اسلام نہیں قبول کیا جزیرہ قلیپین جہاں کی آبادی
سات ملین ہے اور چوتین سو برس سے عیسائی اسپین کی حکومت میں ہے جا کر
بجز طریقہ رومن کیتھولک کے کسی دوسرے طریق مذہب کی پادایت کر تو دیکھو کہ تھا کہ
ساتھ کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ روئے زمین پر کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جو سچی
واعظین کے داخل ہونے سے اٹھار کیا کرے یا ان کی محافظت میں پہلوتی کرے۔
ایک مرتب لندن کے دو شخص جزیرہ قلیپین کے دارالسلطنت میلان انجیل بچھنے کے
واسطے گئے تھے ایک شخص تو پہنچنے کے تین ہفتہ بعد مر گیا جسکی نسبت بعض مفید
بارہویں صدی رومن کیتھولک چرچ نے ایک ایسا حکم کیا جس میں بدعتیغات ان لوگوں کو سخت
مزا نہیں دی جاتی تین جو فرقہ رومن کیتھولک کے محافظ تھے ۱۷

کہ مدینہ کینٹنک و اعطین کے اغوا سے اس کو نہ ہر دیا گیا اور دوسرا شخص گرفتار کیے کے اس
 جرم میں قید کیا گیا کہ وہ ملکی مذہب کے خلاف و عداوت تھا اور بعد میں گرفتار اس پین کے
 حکم سے سنگاپور سید یا گیا۔ چین سے وہ مذہب کے ساتھ و اعطین اپنے ملک و ان کی
 تحریک سے میل میں اس خیال سے گئے کہ ان کو بد مذہب کی اشاعت کی اجازت ملے گی
 لیکن وہ لوگ گرفتار کیے گئے اور جرم مانے ہوئے اور چین کو واپس کر دیے گئے۔
 اب اس مقام پر یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کی کئی قدر خورز زبان ہی بیان کیوں
 تاکہ انصاف کے ساتھ موازنہ کرنے کا موقع ملے۔

ویدایش (۱۰۰۰ بھت) میں دیکھو کس فریب اور وہم کے سے حکم اور حمرا اور ان کے
 شہر والے بنی اسرائیل کے ہاتھ سے قتل ہوئے دیکھو گنتی ۱۳ باب، انہوں نے دیانوں
 (رائی کی جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا۔ اور سارے مردوں کو قتل کیا (آدی، اور رحم،
 اور (صور، اور (اور، اور (راجی، کو جو دیانوں سے پانچ بادشاہ تھے جان سے
 مارا۔ دیان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ موسیٰ و مال و اسباب کو لوٹا۔ شہروں اور
 قلعوں کو بھونک دیا۔ موسیٰ اوپر اس لیے تھا ہوئے کہ عورتوں کو کیندن جیٹا چوٹا۔ حالانکہ
 یہ لوگناہ کا پائت نہیں۔ کل باب دیکھنا چاہیے (گنتی ۲۳-۵۵) پھر اگر تم زمین کے
 باشندوں کو اپنے آگے سے دفع نہ کرو گے تو یوں ہوگا کہ جنہیں تم رہنے دو گے ہماری
 آنکھوں میں خار بونگے اور کانٹوں کے مانند تمہارے پہلوؤں پر چھین گے۔

دستشام (ب) اور بنے اوس وقت اس کے سب شہر لے لئے وہاں ایک شہر ہی
 شہر باجہ بنے اونے سے لیا جو ساتھ شہر و حوب کا سارا ملک (۲۰۰۰) (۲۰۰۰)
 مردوں عورتوں اور بچوں کو جرم کیا۔

دوستستان (۱۲) ان کے بتوں کو توڑ ڈالیں گئے باغوں میں آگ لگائی اور ان کے معبودوں کے گھری ہوئی عورتوں کو چکن چور کھپو۔

دوستستان (۱۳) میں خدا فرماتا ہے کہ زیادہ طاقت اور اسباب واسلے دشمنوں سے مت ڈرو متار ہی ہمارے ساتھ ہے وہ منہاری طرف سے دشمنوں کے ساتھ لڑیگا اور میں بچاؤں گا۔ اگر دشمن اپنا ملک آپ حوالہ نہ کرے تو اس کا محاصرہ کرو اور جب وہ ملک قبضہ میں آجائے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو قتل کرو مگر عورتوں کو کون مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہے اس کا سامان اس کے لیے اور وہ لوٹ کا مال کھاؤ اور مقبوضہ شہروں میں کسی سالس لینے والی چیز کو بیت مست چھوڑنا کہ اس کا کردہ کام تم میں اثر نہ کرے۔

دوستستان (۱۴) الہی فرشتہ یسوع کا لشکر بکرایا۔ تب اسے تمام لوگوں کو جو شہر میں تھے یہ مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھا کیا بیل کی بھیڑ اور گدہ ہا۔ سب کو ایک لخت ہلک کیا۔ تریخ کیا۔ حرم کیا۔

دیشوع (۱۵) سب کچھ پھونک دیا۔ گر سونا۔ اور روپا۔

دیشوع (۱۶) مجرم آدمیوں کا جلا یا جانا۔

دیشوع (۱۷) ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔

(۱) سوسیل (۱۲) (۱۳) داؤد نے رب کے بادشاہ کا تاج اوتار اپنے سر پر رکھا تو گون کو
 آج اور کھارڈون اور وہی کی گاڑیوں کے نیچے کیا اور اینٹوں کے جلتے پچاوسے میں جلادیا۔
 (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰)
 (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰)
 (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰)
 (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰)
 (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

کیا اس مذہب کا کوئی آدمی اسلامی جہاد پر اعتراض کر سکتا ہے جو نہایت ہی اعتدال
 و انصاف پر مبنی ہے اور بالکل قانون قدرت کے موافق ہے جو رحمت للعالمین جل
 سے خطراتی ہی بات سے ناخوش ہو کر توفیق یوں کو قتل سے کیوں لیکر آیا بڑا ہی عقوبت
 ہو کرئی ہی حورقن کا قتل سے لیکر آئے۔ پس جس مذہب میں ایسے جابرانہ برتاؤ ہو
 وہ کیا سہ لیکر کسی پر اعتراض کرے دراصل ایک یہ نہایت اعتدال اور انصاف پر مبنی اور
 بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ میل میں انبیاء سابقہ کی یہ دنیاوی جنگ تھی وہ لوگ بالکل غلط کر رہے
 ہیں۔ دنیاوی جنگوں کو کتاب الہی میں ذکر کرنے سے کیا کام جب تک اس کے ساتھ دینی
 فتنوں نہ ہو کیا اگر یہی جنگ تھی تو بالکل فضول تھی جنگا ذکر خواہ خواہ کتاب ربانی میں کیا
 کیا اگر یہ جنگ ان فوسن کے گناہوں کی سزا تھی تو پھر دنیاوی جنگ نہیں بلکہ دینی جنگ
 سمجھنا چاہیے۔ اور پھر کیا اگر دین کے لیے جنگ ناجائز ہو تو دنیا کی ناجائز ہو سکتی ہے۔
 اور تو ریت میں ٹوٹا ہوا سوجھ بوجھ کہ یہ سب کچھ خداوند نے فرمایا۔ خداوند کے حکم سے ہوا

پھر انجیل میں بھی ان جہادوں کی تعریف کی گئی ہے جہاں کلمہ ہے کہ اونٹوں نے ایمان سے بادشاہوں کو مغلوب کیا اور راستی کے کام کیے اور وعدوں کو حاصل کیا لڑائی میں مہار اور بیٹے اور غیروں کی فوجوں کو ہٹایا (عبرانی میں ۱۱: ۱۱) اب ہم ناظرین کو کچا چٹا اسلام کی تعلیم کی حالت کا دکھاتے ہیں ہمارے مذہب اسلام میں سلاطین کو کیا کیا عبادیات ہیں اور ملک داری کا کیا طریقہ ہے۔

مذمت ظلم و اعانت ظالم،

آنحضرت اور اونٹوں کے وزیروں نے ظلم و بدعت کی مکمل مذمت کی ہے اور حاکمانِ جاہل کے بارے میں بہت کچھ فرمایا ہے۔

چنانچہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں حذر کرو اس صاحبِ سلطنت سے جسکو یہ گمان ہے کہ طاعت اسکی طاعتِ خدا ہے اور محبت اسکی محبتِ خدا ہے ایسا شخص اپنے دعوے میں کاذب ہے۔ اسلیے کہ ایسی طاعت جس میں محبتِ خالق کی ہوجائے نہیں ہے اور طاعت اس شخص کی جائز نہیں ہے جو محبتِ خدا کرتا ہے۔

۱۱ ام رضاء فرماتے ہیں کہ جب دایان ملک جو بٹ بولتے ہیں اور حکم نہ مان کر رہے ہیں تو آسمان سے بارانِ نین برستا اور بادبانِ ملک جب جو دظلم کرتے ہیں تو دولتِ اوٹکی پست ہوتی ہے۔ اور جب لوگ زکوٰۃ دینی کو مل میں نہ کرتے ہیں تو چارہا یہ ہلاک ہوتے ہیں۔

اور جو لوگ ظالموں کی مدد و اعانت کرتے ہیں اونکی نسبت فرمایا ہے۔

درمستجاب فرماتے ہیں جو شخص حاکمِ جاہل کے سامنے اپنی کمر بین آزیانہ لگا کر کھڑا ہو تاکہ اسکا حکم بجالا دے۔ تو یہ ذر قیامت خداوند کریم اوس آزیانہ کو مارا آتشیں سترتا ہے۔

بنائے گا اور سب گردن میں ڈالے گا اور آتش و دوزخ میں جلا دیگا پھر فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سنا دی پکار گیارہ کمان ہیں وہ لوگ جو ظلم و بدعت کرتے تھے۔ اور وہ لوگ جو فرمان بردار و خدا شکار ظالموں کے ہیں تا اینکہ جن لوگوں نے ادنیٰ قلم و دوات درست کی یا اونکے واسطے کوئی چیز بنائی ہے سب حاضر ہوں جب وہ لوگ آویں گے تو یکم خدا صندوق آہنی میں بند کر کے جہنم میں ڈال دیے جاویں گے۔ شریعت اسلام نے تعظیم و تکریم کو حکام جابر کے منع کیا ہے در صورتیکہ خوف ضرر نہ ہو اور طاعت و تعظیم کو بادشاہان عدالت گستر کی تعظیم و طاعت خدا قرار دیا ہے۔ اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک و تواضع و فروتنی کی کمال تاکید ہے۔

(رعایا سے حسن سلوک)

امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ رعیت کا حق بادشاہ پر یہ ہے کہ وہ اس امر کو جان لے کہ میں اسی رعایا کے واسطے بادشاہ ہوں خدا نے اس کو قوت و حکومت عطا کی ہے اور عطا کیا کو تعظیم و محکوم قرار دیا ہے۔ پس حاکم کو حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اور مانند پادشاہان کے شفقت کرے۔ اگر رعایا سے بسبب جہالت کے کوئی امر ظہور میں آوے تو اس خط کو بخش دے اور سزا نہ دے اور خدا کا شکر کرے کہ بمحکومت عطا کی ہے جب چاہے انکو سزا دے۔ یہ خیال کر کے درگزر کرے اور انکو محتاج بخشش خیال کر کے تقصیرات کو مہل بھلا کرے۔ رعیت پروری میں اہتمام اور عدالت گستری کے ساتھ انتظام کر کے رعایا کو رضا مند کرے۔ ہر وقت رضامندی رعایا کا خیال رکھے اور ہر طرح سے دلجوئی کرے یہی دستور رسالت مآب اور ادنیٰ اولاد اہل مباد کا تھا۔

رعایا سے فروتنی کی۔ حالت تنہی آنحضرت کی۔ ایک روز امام رضاؑ حمام میں غسل کیا اور

داخل ہوئے۔ ایک شخص حمام میں غار بنا تھا جو حضرت کو پہچانتا تھا اور اس نے حضرت سے
 کہا کہ تم میرے جسم پر کیسے کرو حضرت بلا عذر کیسے کرنے میں مشغول ہو گئے جب کچھ
 اور لوگ حمام میں آئے اور حضرت کو پہچانا تو پھر اوسکو آگاہ کیا جب اس نے عذر دے
 معذرت کی حضرت نے اوسکی دلجوئی فرمائی کہاں اصرار پھر کیسے کرنے میں مشغول ہو گئے۔
 امیر المومنین ابو اؤن کے گھر پر اکثر خرمہ و روئی اپنی پشت پر لاد کر لیجاتے تھے اور
 محض اونسک گھروں میں کام کرتے تھے۔ تند و گرم کرنے تھے بچوں کو بلاتے تھے اکثر
 لوگوں سے گستاخیاں ہوتی تھیں حضرت کچھ نہ فرماتے تھے۔ ایک قصا نے جو حضرت
 کو پہچانتا تھا دکان پر سے سینہ پر ہاتھ مار کر ڈھکیل دیا حضرت نے کچھ نہ فرمایا ”مسٹر
 جاب جیل“ ہی اپنے ترجمہ قرآن کے (صفحہ ۵۱) میں ایک حکایت لکھتے ہیں کہ ایک بڑے
 غلام کے ہاتھ سے کھولتا ہوا پانی امام حسنؑ کے بدن شریف پر گر پڑا آپ نے نظر
 اٹھا کر اوس غلام کی طرف دیکھا اوس غلام نے ڈر کر آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا پڑھا ”وَالْعَافِينَ
 الْفُضْلُ“ یعنی روکنے والے غصہ کے۔ تب آپ نے رحم کر کے جواب دیا ”مُكَلِّمٌ“
 یعنی روکا میں نے غصہ کو۔ پھر غلام نے دوسرا ٹکڑا آیت کا پڑھا ”وَالْعَافِينَ هُنَّ الْاَنَامُ“
 یعنی معاف کرنے والے قصور کے۔ تب حضرت نے فرمایا ”عَفْوٌ“ یعنی معاف
 کیا میں نے۔ پھر غلام نے کہا ”وَاللّٰهُ يَجِبُ الْحَسَنِينَ“ امیر دوست رکھتا ہوا احسان
 کرنے والے کو۔ تب حضرت نے اوس غلام کو چار سو اشرفیان دیکر آزاد کر دیا۔
 اسی طرح سے ایک روز کچھ لوگ امام زین العابدینؑ کے بیان یہاں آئے ایک غلام خواں
 میں کھانا لیکر دسترخوان پر رکھنے چلا۔ خواں اوسکے ہاتھ سے حضرت کے ایک فرزند
 پر گر پڑا وہ صاحبزادہ عبدہ سے اسکے فوراً مر گیا۔ غلام متحیر و مضطرب ہو جا

حضرت نے غلام کو بہت مضطرب پایا تو فرمایا کہ تو نے جانکر یہ خطا نہیں کی پس تو مضطرب و متحیر نہ ہو جیسے تجھ کو آزاد کیا یہ کہہ کر حضرت نے پہلے سبکو کھانا کھلایا پھر دھن دھن میں صاحبزادہ کے مشغول ہوئے یہ مختصر کیفیت حسن سلوک و فروتنی کی تھی ان حضرات کی۔ مفصل کیفیتیں کتب سیر و تواریخ میں مدرج ہیں۔

(طریقہ جہان داری)

شریعت اسلام میں رعیت کے چند طبقہ ہیں جیسے روفی و شوکت شہر یاری ہے امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(طبقہ اول) عام رعایا ہے۔ رضا جوئی سبکی واجب و لازم ہے۔ کیونکہ اگر تمام رعیت رضامند نہ ہوگی تو رضامندی سے چند رفیقان خاص کے جو ملازم ہیں کوئی فلع نہیں۔ اور اگر سب رعیت رضامند ہے تو اراضی سے چند اشخاص کے کیا گزند ہے۔

(طبقہ دوم) اہل حرفہ و صنعت و سوداگران سرمایہ و تجارت ہیں۔ بدون ان کے آرایش شہر دشوار ہے۔ اور آسائش رعیت محال ہے۔ پس مالگداران دولت سے اس قدر مالگداری و ٹکس لی کہ وہ لوگ تباہ و پریشان نہ ہوں۔ اگر یہ لوگ خوشحال و دلشاد رہیں گے تو تمام ملک خوشحال و آباد رہیگا اور بدیون آبادی کے تحصیل زر ناممکن ہے ملک کی حالت خراب ہوگی رعیت برباد ہوگی بادشاہی میں فساد ہوگا۔ اگر رعایا آباد اور اہل شہر دلشاد و مہنگے تو خراج ملک کو زقی ہوتی رہیگی اور اگر رعایا بد حال و برباد ہے تو دولت کو تنزل ہوگا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ رعایا برباد نہ ہوں مگر فقر و مصیبت سے اور فقر و مصیبت نہ ہوں رعیت کو

مگر حکام کے ستانے سے یا غفلت سے یا طمع مال و جمع دولت سے۔

(طبقہ سوم) عالمان، علما، فہما، ناظمین و پات۔ مالکان مال و ذراعت ہیں جو کہ خراج ملک کے بطور مناسب تحصیل کریں اور احکامات مناسب کی تعمیل کریں امانت دار و صاحب پات ہوں اور ایسا شخص ہو کہ زبردستوں اور سرکشوں پر سرکوبی سے حکمرانی کرے صاحب تجارت و تجارت اور دلیر و شجاع ہو تاکہ مشکل میں خوفناک نہ ہو جاوے۔

(طبقہ چارم) قاضیان عدالت گستر و مفسغان رعیت پر ورہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہونا چاہئے جو فضل و شرف میں افضل ہوں علم و عدالت میں اکمل ہوں اور کثرت مقدمات اور ہجوم بحاکمات سے دل تنگ نہ ہو جاوے حق کے قبول میں تامل نہ کریں اور فیصلہ میں تساہل نہ کریں اپنے گناہ باطل پر مقدمہ کو فیصلہ نہ کر دے کیسی خوشامد ہے یا طمع رشوت سے حق سے غافل نہ ہو۔ پس بادشاہ کو لازم ہے کہ ان لوگوں کی اس قدر اعانت و کفالت کریں تاکہ وہ لوگ رشوت سستانی سے مستثنی ہو جاویں اور بسبب طمع کے کسی کا حق نہ سٹاویں۔

(طبقہ پنجم) منشیان و مہتممان محکمات و دفتری وغیرہ ہیں۔ ایسے لوگ جامع اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ ہونا چاہیے تاکہ تحریرات میں اسرار نہائی کو افشاء نہ کریں اور بھانٹت رکھیں۔ جاسوس راست گفتار ہوں کیونکہ یہ ذریعہ تنویر و تادیب ہے اور خواہ مخواہ لوگ بخوف ویدہ بان و اندیشہ جاسوسان و اخبار نویسان کے کوئی امر خلاف بادشاہ نہ کر سکے۔

(طبقہ ششم) لشکر ظفر بیک اور فوج نصرت موج ہے جو کہ محافظ رعیت اور نگہ بانان مملکت۔ اور موجب شوکت سلطنت ہونگے پس سردار لشکر لمبڈ بہت

عالی قاذان شجاع و بہادر ہونا چاہیے ان لوگوں کی جھاکشی و کار گذار سے وقوفان
برواری کی طرح و بٹاکرنا لازم ہے اس واسطے کہ تعریف و توصیف کرنا شجاعوں کو
جوش میں لاتا ہے اور بود و ن کو دلیہ کرتا ہے۔ انکی اعانت و کفالت بخوبی لازم
ہے۔ اور انکے خیال کی پرورش و حمایت کرنا لازم ہے تاکہ یہ سب بحیثیت خاطر
و اطمینان قلب مصروف کارزار رہیں۔ اور اہل فوج جو ان مرد عاقل و ہوشیار
ہوں بتلا کسی آزار میں نہ ہوں و انافوا بعد جنگ سے ہوں پیر زمین گیر و طفل
صغیر نہ ہوں تاکہ معرکہ جنگ میں ثابت قدم ہے۔

کیفیت حرب و ضرب یہ ہو کہ لشکر جنگاہ کی طرف گھوڑے دوڑا کر چاؤ۔ سے اور
معرکہ بند میں بہ آہستگی روان ہو۔ اس مقام پر لشکر کا پڑاؤ ہو جہاں کی زمین سرسبز
و شاداب ہو تاکہ فوج نایابی آب و گیاہ سے ستاؤی نہ ہو پس صفوف لشکر کو سینہ ہمیشہ
و قلب و جناح و کیننگاہ سے آراستہ کرے اول صلح کا پیغام دے اگر صلح
نہ ہوں اور سرکشی و حریف کی زیادہ ہو تو اس وقت سبار ز طلب ہوں اور آہ جنگ
ہوں۔ پس بنا بر شریعت احمدی و طریق حیدری ایک سہل ان مقابلہ سے دو کافروں
کے فراری نہو اگر چہ قتل ہو جاوے اور اطفال خور و سال و پیر و مستورات کو ہرگز
قتل نہ کرے۔ اور بکلیہ و مرکز لڑے مثل اسکے کہ پانی میں زہر ملا کر پلانا۔ یا شب خون
مارنا یہ نہایت نامردی و بزدلی کی بات ہے اور ہرگز جائز نہیں۔

جب وہ لوگ طالب امان ہوں تو لازم ہے کہ امان دے۔ یہی طرز رعیت پروری
و شیعہ عدلت گسٹری ہے اور یہی سنت رسول مقبول اور دستور و معمول شوہر
بتول جناب امیر کا ہے۔

اس طریق رعیت پروری کے دیکھنے سے نصف مزاج اندازہ کر سکتا ہے کہ اسلام میں کیسی پابندی اخلاق کیساتھ جہانداری کا حکم ہے نیز دشمن پر

ہم پہل کی خوریزیوں کو بیان کر چکے اب ذرا توجہ ہو کر دید کے احکام بھی متعلق جنگ سن لیجیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام اس بار قدر میں سب سے زیادہ نصف رحیم ہے (۱) لڑائی میں مارے ہوئے اور لڑائی سے ٹھک نہ پھر کر پو کشتہ نری مرتا ہے وہ سورگ (بہشت) میں جاتا ہے (منو ۱۰۰)۔

(۲) بلکہ کی طرح اپنے مطالب کا طور کو سے خبر کے ماتہ پر اکرم کو سے بیڑے کی طرح پتہ دن لیوے نہ گروش کی طرح بھاسے (۱۰۱)۔

(۳) دشمن قلعہ میں رہے یا باہر رہے اور جنگ بھی نہ کرنا ہو لیکن اسکو ٹھیرے رہے اور راج کو اس کے تکلیف دے اور گھاس و گڑی اور پانی میں ادنیٰ ناکارہ چیز ڈال کر خراب کرے (منو ۱۰۲)۔

(۴) اسے فرماؤ لوگو تمہارے سلمہ آتشیں وغیرہ اسے تو پ و تفنگ تیر و تلوار وغیرہ شستر مخالفوں کو منسوب کرنے اور ان کے روکنے کے لیے قابل تعریف و بالاشکام ہوں تمہاری فوج مستوجب توصیف ہوتا کہ تم لوگ ہمیشہ فتحیابی سے رہو لیکن جو آدمی کہ مذہم و سرا پا ظلم شیوہ رکھتا ہے اسکو مذکورہ چیزیں منسوب نہون (۱۰۳) کہیں منڈل اسکت ۲۹ متر ۲ سینا رتہ پر کاش سلاس (۱۰۴)۔

(۵) جب رعایا پاد در راجہ کو کوئی اپنے سے چھوٹا خواہ برابر خواہ بڑا جنگ کے لیے طلب کرے نو کشتہ یوں کے دہرم کو یاد کر کے میدان جنگ میں جانے سے ہرگز پہلو نہی کرے بلکہ بڑی ہوشیاری کیساتھ اپنے جنگ کرے (مستیار تہ پر کاش سلاس ۱۰۵) بوالہ منو ۱۰۶)۔

(۶) جو راجہ لوگ میدان جنگ میں دوسرے لوگوں کو ہر تیغ و کھانے کی خواہش میں غیبت و خطر
 اپناشت نکالتی اپنی تمام طاقت سے جنگ کرتے ہیں وہ راحت کو ہاتھ سے کھینچ
 ہٹھکنا چاہتے ہیں کہیں دشمنوں کو مغلوب کرنے کی غرض سے ان کے سامنے سے چھپ جانا
 واجب ہے کیونکہ جس جنگ سے دشمن کو مغلوب کر سکیں ویسے ہی کام کرنے پر ہمیں بھی
 شہر خراب ہو کر سامنے آتا ہے اور اسلحہ شعلہ زن سے فوڑا ہلاک ہو جاتا ہے ایسی ہیروئی
 کر کے نیست و نابود ہو جادین۔ (سیتا رتھ پرکاش سلاسل ۱۲۱ بکوالہ منو ۱۲۱)

رے، سفر دیرینے بھاگتا ہوا ملازم جو دشمنوں کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے اور سکواپتے آقا
 کے گناہ گہاتے ہیں اور وہ قابل نرا ہوتا ہے اور نیز اسکی وہ عزت جسکے سبب دوسرے
 پر لوگ میں سکھ ہونے والا تھا اور سکا آقا کے لیتا ہے سفر و مارا جاوے تو اسکو بھی
 سکھ نہیں ہوتا بلکہ اسکے ٹیکہ مالی کا شہر نیست و نابود ہو جاتا ہے اس شہرت کو
 وہ ہاتا ہے جس نے اہم کو مد نظر رکھ کر قرار واقعی جنگ کی ہو (سیتا رتھ پرکاش سلاسل ۱۲۱
 بکوالہ منو ۱۲۱)

اسلام پر گزیر و شمشیر نہیں پھیلا یا گیا اگر ایسا ہوتا تو اس زمانے میں کہ اسلام کی حالت
 بہت طراب و ادرا بالکل بے دست و پا ہو گیا ہے۔ کیونکہ دین اسلام میں ترقی سے اسکی
 تائید میں ہم ایک تقریر (سٹرنگ ٹیمر) کی بیان کرتے ہیں اور انھوں نے کھارے ہکو
 یہ اقرار کرنا چاہیے کہ اسلام دنیا کے ایک بہت بڑے حضور بطور واعظ مذہب کی نسبت
 مذہب مسوی کے زیادہ تو کا بیا ب ہے اور نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے
 والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لائے والوں کو زیادہ تر ہیں۔ بلکہ مذہب عیسائی بعض لوگوں
 میں (حقیقت) اسلام کے حاشے سے جھٹکتا ہے اور مسلمان قوموں کو مستعد بنانے کی

کوشش میں ظاہر بالکل ناگہان ہوئی ہیں اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا دھان
 قدم نہیں جھانکتے بلکہ ہم اپنے آپ کو بچی نہیں بھی ناگہان ہوئے ہیں مذہب اسلام
 اس وقت دراکر سے جاوا تک زنگبار سے چین تک پھیلا ہوا ہے اور وسط افریقہ میں بہت
 تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے یہ سلسلہ دار بھر دوم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہے۔ بڑی
 تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں یورپین تاشی جیہد
 مذہب کو دور کر رہی ہے۔ وہ اسلام کے لیے ایک رستہ تیار کر رہی ہے۔ ساؤتھ چین کو دور
 چین سے پانچ کروڑ آدمی ہندوستان میں مسلمان ہیں اور افریقہ میں آدھے سے زیادہ
 کا مذہب عیسوی اپنی گرفت میں مضبوط نہیں ہے اور ہندوستان افریقہ میں اسلام کے
 سامنے سے جھٹھاتا ہے۔ اور بیجا میں جیسے جو صرف نام کے عیسائی ہیں راہی (راہی)
 کو قبول کرتے جاتے ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایک دفعہ اسلام
 قبول کرتی ہے پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتے اور نہ میرانی مذہب کو قبول کرتی
 ہے۔ یہ افریقا رکنا چاہیے کہ اگرچہ اسلام اعلیٰ درجہ کی مذہب تو سون کے بالکل تاسیافت
 ہے مگر وہ وحشی قوم کے مذہب بدلنے اور ترقی دینے کی زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ بعد چیم
 فقر و ن کے پھر کتنے ہیں کہ بالکل دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ ترقی گروہ فراہم کرنے
 والا ہو سکتا ہے۔ اور بمقابلہ اسکے یورپ کی ترقی سے گویا اثر بخواری دنگاری کا پھیلاؤ اور بیجا
 کی قوم کا مذہب مراد ہے حالانکہ سلام کسی کم درجہ کی مذہب نہیں پھیلا تا جس میں کتنے
 علم، عمدہ لباس، پتلا ذاتی صفاتی، راست گوئی، اور سلف، بہکت، شامل ہیں کی بڑی
 سے روکنا اور مذہب پھیلائے کے افریقہ میں ہیں۔ ٹیلر صاحب کے انگوٹھ میں
 کے مشتمل ہونے کے بعد لندن ٹائٹس، کے اڈیٹر کو جو ایک جیٹھی لکھی اور کا معنی

کہ نیز اپلا وہ فقرہ جیسر بہت اعتراض ہوئے ہیں۔ سب کہ پیش کیا اور افریقہ میں مذہب اسلام بطور ایک داعظ مذہبی کے ہے نسبت عیسائی مذہب کے زیادہ کامیاب ہوئی اور ہماری کوششیں مسلمانوں کے عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ میں اول اپنی بحث ہندوستان سے شروع کر دیکھا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع ہمارے سامنے موجود ہے ^{۱۸۵۱} اور ^{۱۸۵۲} کے درمیان میں یعنی دس برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ قریب (۹۶۲۰۰۰۰) کے ہے یعنی قریب پچیس فیصدی کے حساب سے اس قدرتی زیادتی کو جو مولائیدائش کی زیادتی اور موت کی کمی سے ہوئی ہے اگر ہم محسوب نکویں تو وہ نو مسلم جو ہند اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں اونکی تعداد قریب چھ لاکھ سالانہ کے ہے مسلمانوں کے یہاں تنخواہ دار داعظ نہیں ہیں اور نہ انہیں کوئی بڑی جماعت اس قسم کی ہے جو اپنے مذہب کے پھیلائے میں کبستہ ہو۔ بڑی تعداد نو مسلموں کی۔ کچھ تو پُر جوش مسلمانوں کی بالآخر کوششوں اور کچھ مذہب اسلام کی حقیقی کششوں کا نتیجہ ہے پر غلات اسکے مسلمانوں کو باوجود اس تمام رعب و دباب کے جو انکو ایک ہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہے اور باوجود اس رعب کثیر اعتراضات کے جو شہری سوسائٹیوں پر صرف ہوتی ہے کل تعداد ان نو سائٹیوں کی بڑی گنجائشانی سے دسواں حصہ نو مسلمانوں کی تعداد کا ہے۔

پوپ کی تاریخ مولفہ ریکارڈ صفحہ ۱۴۵ میں ہے یہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ دین محمدی صرف بزرگ مشیر پھیلا۔ پھر کہا ہے۔ حجازیوں نے پہلا حملہ آٹھویں صدی کے آخر پر ہوا وہ لوگ ایک شامی سے جو ابن کبیرہ خضر اور ابن کبیرہ اسود کے واقع ہے۔ تب اور یہ لوگ اس وقت میں دین محمدی نہ رکھتے تھے مگر انہوں نے غوطے ہی حوض کے بعد ان مغلوب حجازیوں کو

مذہب اختیار کر لیا گا ڈفری ٹکس نے ایک سو دسویں فقرہ میں لکھا ہے کہ "میں خوب جانتا
 ہوں کہ عیسائی لوگ مسلمانوں پر اور ان کے مذہب اور ہر ایک شے پر شاپانہ عقارت سے
 نظر ڈالتے پر اہل جن مگر وہ تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے کہ اہل اسلام اپنے مذہب کی تقریر
 کے متوڑے ہی مرحلہ کے بعد کل دس زمین پر سب سے زیادہ فیاض اور باطل قوم گئی
 صاحب موصوف فقرہ ۲ میں ڈاکٹر پیرڈو کس سے نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "مصر
 میں محمد کے انصار خا صکر نصاریٰ تھے اور آپ کا استقبال "مضوت" سے بڑی خوشی سے کیا
 پس خواہی خواہی یہ سوال ہوتا ہے کہ اس مذہب میں کیا بات ہے جس کا اثر ایسا ہو جو بحث
 اور غیر میں کلامی کے اور کوئی صلاح مشعل نہیں ہو پس عیسائی پادری اس پند میں مذہب
 کو خود شہر نہیں کہہ سکتے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر پیرڈو کس کے قول پر اعتبار کریں تو یہ
 شہر شمل ملک کے بہتر دستوں کا نہ تھا بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا جو آپ کے دلی مرید ہوئے
 علاوہ اسکے آپ مدینہ کو مرید کرنے نہ گئے تھے بلکہ مدینہ والوں نے طرد اگر آپ کو انجائی "۔
 دو گین صاحب جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ میں لکھتے ہیں کہ افریقہ اور ایشیا کے کھوکھو کا تو مسلم جنہوں
 نے کہ عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھادی ایک خدا اور اسکے رسول پر ایمان لانے
 میں فریفتہ ہو گئے تھے یہ چین کے اوپر کچھ دباؤ تھا کہ یہ کے پڑھنے یا غنتہ ہو جانے سے رحمت
 یا غلام یا قیدی یا محرم ایک لمحہ میں اپنے قریب مسلم کا بے سلا و آزاد ساتھی ہو گیا ہر ایک
 گناہ دور ہوا اور ہر عہد سابق ٹوٹ گیا۔ نکاح کرنے کا عہد قدرتی مناعت سے جاتا رہا تو ان
 شہوانی جو موصو نہیں پڑے سوتے ہیں ہازیوں کے ذمہ سے جو یک طرح اور معاملات
 دنیا میں نئے جمع کا ہر شخص اپنی لیاقت اور حوصلہ کے موافق اصل سرشت پر پہنچ گیا۔
 دو پادری رابن صاحب کا قول ہے کہ یہودی اور عیسائی سب مسلمانوں میں ہیں سے تہذیب

۱۰ میں صاحب کا بیجا چوتھ ۱۶۴۲ء میں ہے کہ۔ اب تک محمدؐ نے اپنے مذہب کی مناسب طور پر پھیلانے کے لیے ہجرت سے بہتر کی کوئی گل کاری یا بی صحت ترقیب تحریر سے منسوب نہ کی جاسکے نہ جبر سے کیونکہ بیشتر اس حقیقت ثانی کے جو درباب وفات کے عقبہ کے ہوس میں ہیں ایکو اجازت جبر کرنے کی مطلق نہ تھی اور قرآن کے بعض مقامات میں جو اس کے قول کے بموجب ہنگام قیام کردی ہوئی تھی فرماتے ہیں کہ تمہارا کام صرف وعدہ اور ہند کرنا ہے اور آپؐ نے انہیں کہ کسی سے جبر اپنا مذہب اختیار کرانیں اور یہ لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہیں آپکو اس سے کچھ نہ دیکھیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے اور آپ اپنے پیروؤں کو جبر کی اجازت دینے سے استغناء فرماتے تھے کہ آپ نے ان کو نصیحت کی کہ ان نقصانات کو جو جو دین کے ہوسے صبر سے برداشت کرو اور جب خود تکلیف پائی تو اپنے مولد کو چلا کر ناپسند کیا نہ تنگنا بد کرتا۔

(مخاربات اسلامی فرض حفاظت خود مختاری)

خدا فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِينَ يَفَاتِلُوكُمْ وَلَا تَقْعُدُوا ۝ ۲۱ اللہ کا محبوب المعتقدین یعنی جو تم سے لڑے اونسے لڑو اور زیادتی مت کیا کرو خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا پس اسلحہ میں جہاد و یحییٰ لوگوں سے ہے جو بوقت کسے لڑائی میں مسلمانوں کیلئے کافی وجوہ غمی مدد اندر سان کار و ادائی اختیار کرتے کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال و نیز ان لوگوں کی حفاظت کے فرہنگار تھے جو ان کے ساتھ ملے والوں کے ظلم و تشدد سے ہجرت کرنے کے لائق نہ تھے لیکن ان غم و غم کی ہر قسم پر اپنے کو باقی انسان نہیں ثابت کیا کہ ادارہ و دشمنان ابر باد ہو کر بھی ان لوگوں نے نہ اس وقت تک اذیت حرب کی ہجرت رجوع نہیں کی جب تک کہ حفاظت خود مختاری کیواسے تکیہ مجبور نہیں ہوسے نہ اسے عنقریب کی یہ خواہش

نہ تھی کہ جنگ کی تیاری کیجاسے وہ جناب صلح کو کل حیزوں پر مقدم کنسی تھی اور اپنے ارادہ مندوں کیواسطے بھی چاہتے تھے کہ فعل عمل کی پوری آزادی ہے اور غرضی حال رہدایت میں اس کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کیجاسے کہ وہ دن نے اس سے انکار کیا اور تسلط دھنوں نے اپنے دوستوں کو صراحۃً ہی کر دیا، دگ شہر کو چھوڑ دین۔ اور دوسری جگہ میں کی ترش کرین ہجرت کے بعد قریشوں کی عداوت اور زیادہ ہوئی مگر بمقام ۱۰۰۰ پناہ قریشوں کے فوسو پچائیں سپہیوں سے ملتا ہوا آخر غارت خود اشتیاری کی واسطے مجبور ہوئے اور انکو شکست دی اسپر بھی اُسفندہ جوئی مسلمانوں کے اس ظلم سے آتش سد نے قریشوں کو ہمہ لڑائیوں پر آمادہ کیا۔

۱۰ ابو سفیان، سلیم، عطفان، کے خانہ بدوش طائفوں نے دوسرے مدینہ پر غارت گنا حملہ کیا دینی اسد، ایک طاقتور قبیلہ قریشوں کیساتھ شامل ہوا۔ پھر دینی طیفان، مدینہ پر حملہ کیواسطے تیار ہوئے یہ واقعات ہمارے دظالمان پریم ہوتے رہے جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں اسی بنا پر آنحضرت کو ضرور ان حملوں کو روکنا پڑا اور قریشوں کو ساتھ محض اپنی حفاظت کیواسطے لڑتے رہے اور کبھی پیش قدمی نہیں کی۔

۱۱ ام ریحان صاحبہ اپنی اخصیفت مسکینوں میں مکتے ہیں۔ محمد صاحبہ کو وضع اور عادات و صفات کو، مکمل غلط ثابت کرتی ہے جو سموا اور سے فرسوپ کیجاتی ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ الو الغرم و دلیرتے۔ وہ عادات کو رد فرسوفیل تھے اور شکل سے اپنی راس پر بھردھا کرتے تھے۔ یہی تادم عام طور پر زولی کیساتھ پیش قدمی کرتے تھے اور تقریباً ہمیشہ اپنے ہمراہیوں کے ہوش کو رد کرتے تھے۔

۱۲ ام ریحان صاحبہ۔ اصلیت واقعت تک پہنچنے لیکن انھوں نے نیو کالنے میں غلطی کی جو انھوں

نے آنحضرت کی کمزوری اور خیزندہانی پر محمول کیا کہ وہ علم میں سبقت کی جرات نہیں دلا سکتے تھے۔ وہ جناب جنت میں پیش قدمی نہیں کر سکتے تھے اور تا وقتیکہ انفرادی قہر و قہر کی جان و کھال بچا یا ضروری نہیں سمجھتے تھے استعمال اسلحہ کی اہارت نہ دیتے تھے۔

۱۱ اور ڈاکٹر مورخہ رومنہ الکبریٰ، تاریخ کبیر کے ۵۱ باب میں جہان حضرت کے حالات میں لکھتے ہیں کہ: "فطرت اللہ کی رو سے ہر ایک شخص کا حق ہے کہ اسلحہ کے ذریعہ سے اپنے جسم اور آبرو کی حفاظت کرے اپنے دشمنوں کے قہر کو دفع کرے یا روکے اور معقول تہذیب سے اسلحہ اور مکالمات تک اپنی عداوت کو بڑھا دے عربوں کے آزاد تمدن میں رعایا اور اہل شہر کے فرایض میں ایک قید ضعیف تھی۔ اور قہر کو ایک بے فساد اور خیر نیش رسالت کے بچا لانے میں اس کے ملک کے لوگوں کے ظلم نے اس سے نزاع کی اور انھیں ہلا وطن کر دیا۔" صفحہ ۱۶ مطبوعہ لندن ۱۸۷۲ء پھر اسی باب کے ۵۲ صفحہ میں لکھتا ہے: "مقل خیر، پیش یقین جان لیگی کہ محمد کی اصل غرضیں خالص اور اصلی نیکی کی تھیں مگر ان گراں کش گناہ کے جو اس کے دماغ کی تردید اور دیسلون کی تدریس کر رہے اور اس کی جان کو ایذا دینے کوئی رسالت انسانی برداشت نہیں کر سکتی وہ اپنے ذاتی دشمنوں کو توستانہ کر دینا اور خدا کے دشمنوں سے باز طور پر عداوت رکھنا۔ محمد کے سینے میں اس گہرا و ہمتا کی سخت تحریک مشتعل ہوئے۔ اور اسی نے دشمنوں کے نبی کے مانند ان کے کفار کے ہتھیار کے لیے انھیں مرم ٹھہرا دیا اور ازباندگی۔ کہ کے ظلم اور دین کے قبول نے اس ایک شخص کو امیر قوم اور مسکین و اعطاف کو رئیس افواج بنا دیا اگر اس کی تلوار مقدسین کی تاسی پر سبیل ہی میں تھی اور وہی قہر جو گنہگاروں کو دبا اور زلزلہ سے نزارا تھا وہی قہر وہی قہر کہ اس کی استقلال یافتہ عہد کے لیے اپنی سہاد کی دلاوری القافراوسے دیا۔"

ابن سہل اپنی اصول کے مطابق جو نتیجہ استخراج کیا ہے یہ عیناً اوسکو ہر شخص تسلیم کر لے گا
ابتداء میں مسلمانوں کو مکہ میں نہ تو اس تھانہ آزادی حاصل ہوتی تھی وہ مذہبی آزادی
سے بھی محروم کئے گئے باوجودیکہ وہ لوگ اپنی جماعت کے مسکین و بے گنہگاروں
تھے علاوہ اسکے وہ اپنی مسکن سے خارج کی گئی اور بعض مواقع پر انھوں نے
اپنی خیال و جائیداد کو ظالموں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا مکہ میں واپس آنے سے باز رکھی
گئی مگر مسجد میں داخل ہونے سے ممنوع کی گئی مدینہ میں اویکھا لقا مقاب ہوا
جہاں ابالیہ لکھنے اور ہر جگہ کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ قریشیوں کا جبر و ظلم مذہبی بنیاد
پر تھا وہ معتقدین کو اسکی اجازت نہیں دینی چاہتی تھی کہ وہ لوگ اپنے آباء و اجداد
کے مذہب سے انکار کریں اور اسلام قبول کریں۔ انہیں ایسی سختی اور پیدہ دیکھے
تقصیب تھا کہ انھوں نے بعض تو معتقدین کو اذیت و عقوبت میں رکھا تھا
کہ ان لوگوں کو پھر حرمت و بت پرست ہونے پر مجبور کریں۔ مسلمانوں کو باہم حق
حاصل تھا کہ وہ مکہ والوں کے مقابلہ کا انسداد کریں اور اسلحہ کے ذریعہ سے
اپنے کو برقرار رکھیں تاکہ انکو مذہبی آزادی حاصل ہو جاوے اور اپنے
مذہب کے اہل کان ادا کر سکیں۔

دو جان ڈیو پورٹ، رقم طراز ہیں کہ یہ ان لوگوں کی ایک ہیبت ناک
غلطی ہے جنھوں نے خیال کر لیا ہے یا اب تک خیال کرتے ہیں کہ جو مذہب قرآن
نے سکھایا اوسکی اشاعت محض تلوار سے ہوے۔ کیونکہ غیر متعصب اشخاص
اوسکو فوراً تسلیم کر لیں گے کہ محمد صاحب کے مذہب میں انسانی قربانی کے
تصاص میں غلط و ذکوۃ قائم کی گئی اور بعض عناد دائمی فسادات کے قیام و پائی

و تمدنی نیکیاں جاری کی گئیں جس کے سبب سے تہذیب و شائستگی پر بہت بڑا اثر مرتب ہوا اور جو شرقی دنیا کے واسطے ایک حقیقی برکت کا باعث بنی، اوسکو اون خوشخوار ذریعوں کے جنکو حضرت مومنین نے بیدردی و بے احتیاطی کے ساتھ استعمال بت پرستی کے واسطے استعمال کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

اس بیان سے تمام تر ظاہر ہو گیا کہ اسلام نے اپنے مذہب کو یہ جہر نہیں پھیلایا بلکہ معرفت و غلط نصیحت سے اپنے غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے دین کی طرف راغب کیا۔

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ دین اسلام بزرگ و شیر پھیلایا گیا تو کیا قباحت ہے اس واسطے کہ تمام مذہب سلطنتیں اور حکماء سابقین و لاحقین کا اتفاق ہونے لگے جو گوڈنٹس کے احکام پولیسکل میں خلل اندازی کرے یا بغاوت و سرکشی کرے تو اہل شہر قتل کیے جاویں اور شہر بھونک دیا جاوے لوگ ایسے کیے جاویں جن میں قید کیے جاویں قیدیوں کے واسطے ایک آئین خدمتگداری و لباس و خوراک مقرر کیا جاوے پس جن لوگوں نے خدا سے برحق سے بغاوت و مخالفت کر کے دوسروں کی پرستش کی اور احکام شریعت خداوندی اور سلطنت خداوندی کی مخالفت کی بدایں وجہ حکم قتل و تہیب و غارت صادر فرمایا اور بجاست کفر سے زمین کو صاف کیا۔

اور ایسروں کے واسطے بجا سے جس فوجداری کے غلامی کا حکم منسوخ فرمایا۔ اور اسکے واسطے حدود و قواعد پرورش و خدمت گزاری مقرر کی تو کیا برائی ہوئی۔ البتہ عیسائیوں نے ایک ٹکڑہ بنام ہوان کو ی زیشن نامہ۔

ملک اسپانیہ میں اس واسطے مقرر کیا تھا کہ لوگوں نے مذہب عیسوی کو قبول کر لیا تو
 علاوہ ان سب امور کے یہ جانتا چاہیے کہ حکمت ناموس یعنی مذہب سے
 محض غرض چال چلن کا درست ہونا ہے یہ حکمت اور اخلاق کی حکمت جزو ان
 نہیں ہیں کیا مار پیٹ لڑکون یا دیوانوں کو یا چور ڈاکوؤں کو برے نہیں معلوم ہے یا
 رحم دلوں پر وہ دو بھرنیں ہوتے مگر کیا کریں کہ چال چلن درست کرنے کے لیے
 یہ سب روگ سہا جاتا ہے ہاں شک کہ اپنے بال بچوں کو جودل کے ٹکڑے ہوتے ہیں
 آخوٹوں سے مار کھوئی جاتی ہے اور انتہا درجہ کا ہتھام چال چلن کی درستی کے لیے
 یہی ہے کہ نہ اور کی جان کا پاس اس کی بابت کیا جاوے نہ اپنی جان کا اور اسلام کا
 مذہب جو خاتمہ کا مذہب تھا تو اس لیے اسمین چال چلن وغیرہ کی بابت ہتھام بھی صبر
 پہونچا دیا کہ جہاد کا حکم بھی دیا اور کر بھی دکھایا۔ رہا اپنی جان دیدینا تو اسمین بھی
 اوٹھون نے لکھی نہیں کی دس دس ہزار کے دھامے میں جناب رسالتاں اور
 حضرت امیر کبھی نہیں ملے پھر آخر میں فتوہ شہادت ہو گیا مگر چہرے کہ جہاد میں نہ شہید
 ہوئے ہوں جو آنحضرت کی صدق نبوت و رسالت کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ یہ نفس
 تو ریت جھوٹا بنی قتل کیا جاوے گا لیکن ان کے قائم مقام حضرت امام حسین علیہ السلام
 ان کے بعد اسے بھی کر دیکھا یا کہ لکھے میریون پر بھی فوق لیگے اور ان کا کیا ذکر پھر
 اگر کوئی یہ کہی کہ طبع کلی کو مقدم طبع شخصی پر رکھیں۔ تو یہ ویسا ہے کہ کوئی کہے کہ
 لڑکوں کی تعلیم اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزائیں صلاح عام کے خلاف
 ہیں حالانکہ یہ خیال خام ہے بلکہ وہی صلاح عام ہے جیسا کہ قصاص سب سے
 حیات جان بخش ہے پھر بہت دھرمون کا اور کیا صلاح اور بہت دھرمی

مجرمان کی برخلائی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر قطع نظر قرآن سے کر کے کہیں کہ اس مجرمہ
کمان و جہمی ہے کہ جب مجرمہ پیر و امام موجود ہوں کہ مذہب کو عیانی کر کے قطع عذر
فرمادیں، درجہ ہٹ و حرمی سے نسلے او سے مترادین۔ انقض مذہب مامیہ میں غیبت
امام میں جہاد حرام ہے۔ (غلامی)

قرآن پر غلط اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ جہاد کے قیدیان قسم ذکر کو غلام بنانے اور
قسم اثاث کو قلع کی ہم غلی کے واسطے جائز کر لے۔ جس کے دوسرے الفاظ میں یہ
معنی ہیں کہ میدان جنگ میں قیدی عورتیں بچہ و ذوال بنائی جاتی ہیں۔

قرآن میں غلامی کی بہ نسبت آزادی کا حکم زیادہ ہے۔ اخلاقی طریقہ میں عسلا کی
آزادی کا زیادہ حکم ہے۔ رسول خدا فرماتے ہیں کہ جو شخص بندہ مومن کو آزاد کرے
خداوند کریم اس کے ہر عضو کے عیوض میں آزاد کنندہ کا ایک عضو آتش دوزخ سے
آزاد کرے گا۔ اور اگر گنہگار آزاد کرے تو عیوض دو عضو کے ایک عضو اس کا خدا آزاد کرے گا
قرآن مجید میں بیسیوں جاہل فکر قبہ آیا ہے۔ اسیران جنگ کی نسبت بھی یہی وارد ہے
وفا صا منا بعد و اما فداہما اسیری کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دیا جاوے
یا قدرت پاک کفار اقمین لونڈی غلام آزاد کرنا مقدم رکھے اور ہر طرح
انکی آزادی کا خیال رکھے۔

قانونیہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ زرمعاوضہ دینا منظور کریں تو آزاد کیے جاویں
اور مذہبی طور پر یہ قاعدہ ہے کہ کوئی شخص اگر روزہ توڑ ڈالے۔ تو اس کے
کفارہ میں غلام آزاد کرنا چاہیے یا نذر شرعی کو ایفاء کرے تب بھی غلام آزاد
کرے یہ تدبیریں تین جو موجودہ غلامی کے موقوفی کے واسطے کی گئیں۔

ہماری شریعت نے اس نامرد و طرہ غلامی سے روکا ہے جو زمانہ سابق میں بنی اسرائیل
 عہد سے جاری تھا اس زمانہ میں کینز و غلام کے کوئی حقوق نہ تھے جاہلیت کے لوگ
 کمال ہرجمی سے کینز و غلام بناتے تھے کوئی طریقہ آزاد کرنے کا معین نہ تھا نہ کوئی طریقہ
 غلام بنانے کا مقرر تھا حضرت موسیٰ کے عہد میں کفار اسرائیلیوں کو پکڑ لیا جاتے تھے
 اور طوق و بخیل آہنی میں جکڑ کر اوسے عمارت کا اکثر کام لیتے تھے وہ بچاؤے ذخیرہ زمین
 اور لہجہ کر بلند یوں پر سے گرتے تھے اور کوئی پرسان حال نہ تھا غلام ایک قیدی سے
 بدتر ہوتا تھا (استغنا منہ) میں عورتوں کو امیر کرنے کا صاف حکم لکھا ہے
 اور (ہیئتہ) میں اون امیر عورتوں میں سے جسے حرم بنانا چاہے گھر میں یا و سکا سر
 بنند و اگر ناخون کئے اگر جو رو بنائے کا صاف حکم ہے۔ پھر اگر اوس سر مونڈی سے
 خمش ہو تو اسے جان ہی چاہے نکل جائے کا حکم ہے۔ اس نامقیدی کو ہماری
 شریعت نے مٹایا۔ اور بہت سے حقوق غلاموں اور کینزوں کے معین کر دی۔
 ہماری شریعت کی خاص یہ ہدایت ہے جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔
 مملوک و غلام کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو یہ سمجھ لے کہ خدا نے مثل تیرے ہی او سکو بھی پیدا
 کیا ہے۔ اور اپنی کینز و غلام کو یہ سمجھ کر کہ مثل تیرے وہ بھی تیرے باپ کا بیٹا اور تیری
 ما کا فرزند ہے (یعنی جو بیٹا نہ بنے برتاؤ چاہیے وہی کینز و غلام سے بھی) بلکہ یہ سمجھ کہ غلام
 تیرا گوشت اور تیرا خون ہے (یعنی فرزند کے برابر او سکو رکھ اور اپنے گوشت و خون کو جس سے
 ایندھن دینا چاہتا اور راحت رسائی کرتا ہے ویسے ہی راحت رسائی کر) اور یہ سمجھ
 لے کہ تو او سکا گوشت و پوست کا مالک نہیں نہ تو نے بنایا ہے کہ جس طرح سے
 چاہے او سکو اپنی کاریگری سمجھ کر تصرف کر ڈالے۔ بلکہ خالق او سکا خدا ہے۔

تو نے کوئی عضو کوئی چارہ اور کامین بنایا۔ نہ اسپر گھنڈ کر کہ تو نے اسکو رزق دیا ہے
بلکہ رزاق اسکا بھی خدا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تیرے ہاتھ سے اس کو دلائم ہے
تو اس کے عیوض میں خدا نے اسکو تیرا مطیع کیا ہے اور جگو سپرد کیا ہے۔ اور اپنی امانت
تیرے پاس رکھوا لی ہے تو اسکی حفاظت کر اور بہتری کا خواہاں رہ۔ اور ایسی نیکی
اور احسان اس کے ساتھ کر جیسے خدا تیرے ساتھ نیکی و احسان کرتا ہے۔ اگر تیری کوئی
تقصیر کرے تو تو عضو کو اور خلق خدا پر آزار نہ پہنچا۔

رسول خدا نے اپنی پیاری بیٹی جناب فاطمہ سے تاکید فرمائی تھی کہ ایک روز گھر کا کام
تم کیا کرو اور غصہ اپنی لونڈی سے کام نہ لیا کرو۔ دوسرے روز تم راحت لو۔ اور اپنی
کیز سے گھر کا کام کرایا کرو جو تم کھاؤ کیز کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنؤ وہ کیز کو بھی پہناؤ۔
باوجودیکہ اس سیدہ عالمہ کے ہاتھ چکی مستی بہتی رہتی ہو جاتے تھے اور خون بننے لگتا تھا
مگر لونڈیوں سے چکی نہ پسواتی تھیں اور خود بھی چکی میں کوسر کرتی تھیں۔

جناب امیر کی یہ حالت تھی کہ ایک روز بازار سے دو پیراہن خرید کئے ایک نئی قم کاہن
دو درم کا۔ اور قبر اپنے غلام سے فرمایا جو تین درم کا پیراہن ہے یہ تم پہنؤ جو کم قیمت ہے
یہ میں پہنؤ گا۔ قبر نے عرض کی اسے مولا جو پیراہن بہتر ہے یہ آپ ہی پہنیں کیونکہ آپ
میں بزرگ ہو کر لوگوں کو وعظ کئے ہیں حضرت نے جواب دیا۔ اسے قبر تم جو انون کو اچھے
اچھے کپڑے کی خواہش ہوتی ہے۔ میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ اپنے کپڑے تم سے
بہتر رکھوں۔ کیونکہ رسول خدا سے میں نے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جو کچھ تم پہنؤ
اپنے غلاموں کو بھی پہناؤ اور جو کچھ تم کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ۔

میں اسلامی غلام غیر قوموں کے آزادوں سے بہترین۔ کیا انہی کا نام غلامی ہے

اور اسی غلامی میں جس کو شیخ اسلام پر ہوتی ہے اسلام میں مالک و غلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ امیر المؤمنینؑ کے پاس ایک روز دو لڑکے آئے اور باہمی نزاع کا فیصلہ چاہا ہر ایک اون دونوں میں سے اپنے کو مالک اور دوسرے کو اپنا غلام بنانا تھا۔ ایسی حالت سے وہ دونوں تھے کہ بالکل ظاہری امتیاز نہ تھا کہ کون ان میں مالک کا لڑکا ہے اور کون غلام کا۔ اس طرح سے مسلمان غلام کو رکھتے ہیں۔

شریعت نے اکثر احکام کی تکلیف بھی غلام پر سے اٹھالی ہے۔ حج، جہاد، نماز، جماعت اور نیز دیگر مستحبات یہ غلام و کنیز پر سے ساقط ہیں۔ کیا خیال غلام و کنیز کا ہے۔ اس مسئلہ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

کیا پسند است اسلامی غلامی کے بیگار پر کونا اور قید سخت میں رکھنا بہتر ہے ہرگز نہیں۔ اسلامی امیرون کو دسواں حصہ بھی اون تکلیفوں کا نہیں ہوتا جو چیل میں تکالیف ہیں۔ اسلام میں غلامی مثل فرزندگی کے ہے۔ اگر اوپر کوئی اعتراض کرے تو چلو اس کے اعتراض کی کوئی پروا نہیں گاؤ فری بنگس فقرو۔ دسویں و تھک لکھتے ہیں جسے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے اس بارہ خاص میں بہت کچھ اصلاح و ترقی کی وہ کہتے ہیں ان انسانوں کی قسمتی ہے کہ نہ عیسائی نے اور نہ محمدؐ نے انسان غلامی کو مناسب سمجھا اگر شاید یہ کہا جاوے کہ جب اونھوں نے اپنے مریدوں کو یہ ہدایت کی کہ اور وہ سے اسی طرح پیش آؤ جس طرح کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے پیش آویں تو اس حکم سے گویا اونھوں نے غلامی کو منسوخ کر دیا تو یہ تعریف کے لائق ہے مگر قسمتی سے مجربہ میں صحیح نہیں غلام زاد غلامی اسلام کے یہاں مشک ایسی ہے کہ اکہین عذر کی گنجائش نہیں مگر اون پر محض سے جو ملک فریقہ کی تجارت غلامی اور بیٹ اندر

کی نئی آبادیوں میں جوتی ہے اوسکو کیا نسبت ہے۔ مجھے روم پوپ کیئریری کے پادریوں اور انجنوں اور پوپ کے فرطون اور مسکونین، رندھی قانون وغیرہ کا تذکرہ خوب سنا ہے مگر یہ کبھی سنا کہ ان شخصوں نے اس سبب تجارت کے خلاف کوئی اعلان کیا تھا، و کوئی فرمان ہو یا قانون یا کام انجن کا خود روم اور کیئریری کے پادری اس خطاب سے بے لپے بیرون کی شہوت پرستی کے ذریعہ نبی کے مستحقین جسکو محمد کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے کہ تجارت مذکور کی ہر جمعی کے صاف ثابت ہونے کے بعد بھی انہوں نے ان لوگوں کو اپنے فرقے سے علیحدہ نہ کیا جو اس میں مصروف تھے چنانچہ فرقہ کو اس نے کر دیا تھا۔

میکو معلوم ہے کہ وہ جب نہ بانی سے یہ جواب دین گے کہ ایک آدمی کو صرف غلاموں کے مالک ہونے کی وجہ سے ہم خارج نہیں کر سکتے کیونکہ خدای کا جائز ہونا غالب انجیون اور محفون کے ہر صفحہ میں پایا جاتا ہے اسلئے کہ جہاں کہیں لفظ سرورس کا پایا گیا ہے اور ترجمہ اوسکا خادم ہوا ہے وہاں غلام کا استعمال ہونا چاہیے تاکہ ایک لفظ سرورس کے لفظ منے اوس شخص کے جن جو بازار میں خریدایا گیا ہو یا فردخت ہوا ہو مگر چونکہ لفظ معتق یعنی غلام آزاد شدہ بمنزلہ کرایہ کے خادم کے ہے اسلئے غلام کی جگہ خادم بولا گیا لیکن خانہ زاد غلامی اگر قسمتی سے عیسائیوں میں جائز بھی جاوے تو یہ عیب کیسے سے نہیں نکلتا کہ افریقہ کی تجارت غلامی کی اجازت دیدی گئی ہو جسکی قباحت کا معتقد ہونے کبھی گمان نہ کر سکے ہو گئے اور مہربات میں عیسائیوں کی خانہ زاد غلامی سے مختلف ہے گو کہ محمد نے اس رسم قبیح کو منسوخ نہیں کیا جیسا کہ آپ کا کرنا مناسب تھا ہم اپنے اُسکو بالکل فرو گذاشت بھی نہیں کیا کیونکہ یہ بیان فرما دیا کہ سب مسلمان بھائی ہیں اور کسی شخص کو اپنا بھائی غلامی میں رکھنا نہیں چاہیے

اپنے اسی کئے سے گویا بست سے آدمیوں کو آزاد کر دیا تو اس معاملہ میں محمدؐ نے ہندو
 مذہب کا یہ عقیدہ کہ آگ کو کرنا چاہیے تھا مگر اپنے کچھ ٹوکیا اور کچھ کرنا اور نہ کرنے سے بتر ہے
 اور ہر چند اس سے غالباً بعضوں کو ترغیب ہوئی ہوگی کہ اپنے تئیں بلا عقیدت مرید
 بنا دیں جس کی وجہ سے ایک دیندار عیسائی جو خج کے جلنے کو ٹالنے کی حرارت سے بھر کا ہوا
 اسپر لٹن کرے گا اور اسکو برے محل پر عمل کر جائے گا ہم اسکے ذریعے سے لکھو کھا آدمی
 خواری سے بچائے۔ دوسری ترمیم غلامی کی یا دغیہ اوکلی برائیوں کا شمع میں یہ پایا
 جاتا ہے کہ غلاموں کی فروخت میں والدہ بچوں کے کیسٹ چھوڑ دے انکی جاوے اور یہ جسم
 ویسٹ انڈیا ولس ہر روز کرتے ہیں۔ اس قسم کا قاعدہ میں نے انجیلوں میں نہیں دیکھا
 ہے ایسے محمدؐ نے اس قاعدہ کی نقل انجیل سے نہیں کی ویسٹ انڈیا ولس لکھا ہے
 محمدؐ کا قاعدہ غلام کرنے کا یہ تھا اگر غلام تمہارے پاس آوین تو تم اوکو قید کر کے
 طے رؤس لاشہاد فروخت نہ کرو گو کوئی دعویٰ رسیدانہ ہو جیسا کہ نوین صدی میں
 عیسائی انگلستان کے صوبوں میں قاعدہ رہا ہے بلکہ اوکو آزاد کر دو اور یہ ممنوع ہے
 کہ اوکو دوسروں کے حوالہ کرو اور آپ عرب کے ویرانوں میں ساتویں صدی میں تھے
 (دیکھو ویسٹ انڈیا ولس نمبر ۹ صفحہ ۲۲۱) قرآن میں ارشاد ہے، وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
 الْاِسْلَامَ كِتَابَ مِصْلٰتِ اِيْمَانِكُمْ فَكَا تَبُوْهُمُ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَاَوْفَوْهُم
 مِنْ مَّا كَالِلَہِ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِہِ بَاتِیْنِے انجیلوں میں نہیں لکھی ہے پانی کے لاپھی لوگوں
 نے بھی کیوں با میں اپنے غلاموں کی نسبت ایسی ہی تدبیر پر عمل کیا ہو جن سے وہ
 اپنے آپ کو رفتہ رفتہ آزاد کر لیں لکھ دو مسز یا سورہہ ستمیہ ۴۴ بھی اپنی کتاب
 و محمد اینڈ محمدؐ ازم، میں لکھتے ہیں کہ یہ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلام کی

نسبت اسلام نے کیا کیا۔ چنانچہ اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس کے بائیں بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا گیا۔ بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون بنایا گیا اس کی نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی تھی۔ بیشک محمدؐ نے غلامی کو بالکل نہیں بٹھادیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ایسا کرنا نہ تو مناسب تھا اور نہ ممکن ہی تھا لیکن اونہوں نے لوگوں کو غلاموں کے آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جاوے وہ آزاد سمجھاوے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ کہ اگر اونہوں نے حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اس سبب سے کہ اس نے محنت و مشقت سے ایک دیانتدار سی اور عزت کی زندگی بسر کی ہے ذلیل نہ سمجھا جاوے اور اس کی نسبت جو غلامی کی حالت میں ہوں یہ حکم دیا کہ اس کے ساتھ مہربانی و ولایت سے برتاؤ کیا جاوے۔ چنانچہ اونہوں نے اپنی آخری الوداعی خطبہ میں جو اپنی وفات سے ایک سال پیش بمقام و منا پڑھا تھا کہا ہے کہ اے مسلمانو! تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو۔ اور ویسا ہی کپڑا پہناؤ جیسا کہ تم خود پہنتے ہو کیونکہ وہ بھی خدا کے بندہ ہیں اور کوسٹا تا نہیں چاہیے۔ پس ایک غلام جو قانون اور ایسے اعلیٰ درجہ کے احکام مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ اون معنوں کے لحاظ سے جو لفظ غلام کے اس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جاسکتا جب کہ میں اور بیان کر چکا ہوں۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ غلام ہے۔ قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔ جو جملہ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ جو تمہارے داہنے ہاتھ کے قبضہ میں ہیں، جس کے منہ سے صرف یہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہو کر آئے اور اس طرح اپنی آزادی سے محروم

ہو گئے ہوں، ایسے قیدی اگر مسلمان ہو جاتے تھے تو انکی نسبت یہ حکم تھا کہ آزاد کر دیے جاویں۔ لیکن اگر اپنی مذہب پر قائم رہتے تھے۔ تو آپکا حکم اپنے معتقدوں کے لیے یہ تھا کہ پھر بھی تم انہیں اپنا بھائی سمجھو اور انہوں نے فرمایا کہ جو مالک اپنے غلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خدا ہوگا اور جو اپنے اختیار کو برے فوہ پر استعمال میں لاوے۔ یعنی غلام کو ستاوے وہ داخل بہشت نہوگا۔ ایک مسلمان تھا اسے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے اسے کتنے سال مجھے معاف کر دینا چاہیے نبی عربی نے جواب دیا کہ ایک روز میں شستر دفعہ۔

محمد نے ایک نیم شامیستہ ریاست کے سردار کی طرح قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جسکی اس طرح پر اولاد ہو جاوے اسکی نسبت یہ حکم دیا کہ وہ ولاد سے جدا نہ کی جاوے۔ اور نہ وہ پھر بھی جاوے بلکہ مالک کے مر جانے کے بعد آزاد سمجھے جاوے۔ یہ رحمانہ قوانین جیسے کہ امید کیجا سکتی ہے قوانین شریعت موسوی کے موافق ہے۔ لیکن بہت سے باتوں کے لحاظ سے اسے بہتر ہیں۔ بلکہ ایسے ہیں کہ کسی یوہین۔ یا امریکن بردہ فروش سلطنت نے اپنے مجموعہ قوانین میں یہ وقت تک رائج نہیں کیے تھے۔ جیسا کہ عیسائیت کے مروج نے غلامی کو بالکل نفیت و نابود کر دیا مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہو جاتا تھا اسکی نسبت شریعت موسوی کا یہ حکم تھا کہ جب وہ اپنی غلامی کا زمانہ پورا کر لے۔ تو آزاد سمجھا جاوے لیکن وہ عورت جس سے اس کے مالک نے اسکی شادی کر دی ہو معہ بال بچوں کے اس سے جدا کر لی جاوے اور وہ غلامی میں رہیں جو مسلمان مالک اپنے غلام پر بیوجہ ظاہر ہو۔ اس پر واجب ہے کہ اسکو فوراً آزاد کر دے۔ مگر بخلاف اس کے۔

کیا ہے۔ اور یہ کہ انجیل میں بیشک کوئی صریحی ممانعت غلامی کی نہیں ہے بلکہ
 برخلاف اسکے اوسمین غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے تسلیم کیا گیا ہے۔
 اور پولوس نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض کو (جنکو ایسے غلاموں کے
 سخت نام سے مخاطب کیا ہے) ایسی ہی مراحت سے بیان کیا ہے جیسے کہ مالکوں
 کے فرائض کو اونکے ساتھ۔ پس اسلام کی فضیلت اور مذاہب پر تو اس معاملہ
 میں بھی ایسی ثابت ہے جیسے اور معاملات میں دیدہ غلامی کے صریحی انفاظ
 میں اجازت دے رہا ہے پھر اسلام پر کیا اعتراض ہے اور جو شو در خرید کیا گیا ہو
 (دس دس سے داس (غلام) کا کام کرانا چاہیے (منو ۱۱۴) کیونکہ برہمن کا
 داس کرم کیواسطے مری برہاجی نے شو در کو پیدا کیا ہے۔ (۱) دھوجاہرت
 (جسکو میدان جنگ سے فتح کر کے لائے) (۲) بھگت داس (جو روٹی کی
 خاطر غلامی کا کام کرنا منظور کرے) (۳) گروہن داسی (جو کسی قصور کی سزا کے
 عیوض غلامی کام کرنا منظور کرے) سے پیدا ہو (۴) بول لیا ہو (۵) دان میں
 ملا ہو (۶) بزرگوں سے چلا آتا ہو (۷) ڈنڈ داس (جرمانہ کے عوض جنگی غلامی
 قبول کی ہو) یہ ساتوں بھی داس (غلام) ہی ہیں (منو ۱۱۴) زوجہ و فرزند داس
 (غلام) تینوں بے زمین اور اگر دولت کو فراہم کریں تو جس کے یہ تینوں ہیں
 اوس کی دولت ہے (منو ۱۱۴) اس آخری حکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اپنے
 پیدا کردہ مال کا بھی مالک نہیں ہے۔

حد و قصاص

حد و قصاص۔ یہ ایک شاخ سیاست مدن کی ہے شریعت اسلام میں سب سے زیادہ مدار نظام عدل پر ہے اور تاکید در تاکید ہے عدالت کی پابندی کی۔

واضح رہے کہ حکمت اخلاق عمل ہے غالباً پس اس میں زبانی جیسے خراج کا زیادہ مہرٹ نہیں جو کچھ ہے پابند عمل در آمد میں پس اس میں ایسا پابند ہونا کہ کبھی خواب میں بھی بے انصافی نہ کرے اور سوتے چلتے اسے اپنا اور حنا بھوننا کرے اور جہان ایسے گرو بھکا اخلاق نے ڈھبٹال لیا ہوا اور جم بیٹا اور ذاتی شرافت سے اوٹکا حمایتی بن گیا اور ہر دفع اور ہر بیٹ کرنے کا ڈھب پر گیا تو آسمانی مدد کا فیضان اپنے ذاتی قطعی تجربوں سے معلوم ہونے لگتا ہے اور ایک نئی طرح کا خداداد جذبہ ہو جاتا ہے کہ کبھی وہ بہ مختلف بنانے سے نہیں بن سکتا اور بے تکلف جب حاصل ہوتا ہے تو دشمن تک پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور ہوتے ہوئے خدا کے جلال سے لبالب اس کا بدن بھر جاتا ہے اور بے ساختہ چمکنے لگتا ہے اور یہ شخص اس وقت منظر انصاف ہو جاتا ہے اور تفسیر حق میں ہوتا ہے کہ ہی اس سے کام لیتا ہے اور یہ بیٹ مجموعی گویا ایک آلہ حق کا ہو جاتا ہے اور زبان اس کی ترجمان حق ہوتی ہے اور نمونہ اس روحانیت و حقانیت کی۔ اور چاشنی اوس کی پائے لگتا ہے کہ جو پیرون اور امامون میں تھی۔ اور انصاف قریب ہمسایہ ہے خوف خدا کا اس لیے کہ انصاف رفیق ہے ترک ظلم کا اور ظلم میں ڈر ہے خدا کے عدل و مواخذہ کا پس یہ ڈر باعث ہو گا ترک ظلم کا جو مستلزم ہے عدل کا

بندہ کا انصاف اور اس کا ترک ظلم ہمایہ ہوئے اور ظلم اس کا علت عدل خدا کی اور عدم ظلم عدم عدل کی کہ جو مستلزم رحم و انعام ہے خدا کے مبدء فیض ہونے کی وجہ سے پس ترک ظلم اور ظلم بندہ اور عدل اور ترک عدل خدا بلکہ عدل و ظلم بندہ و رحم عدل خدا گویا کہ اربعہ متناسبہ ہوئے۔ پس جبکہ عدل عمدہ صفت ہے اخلاق کی اور مذہب اسلام میں اسکی تاکید در تاکید ہے تو یہ مقتضائے عدل و انصاف حد و قصاص کا جاری کرنا ہے۔ اور یہ کہنا کہ خونریزی صلاح عام کے خلاف ہے جس قدر زیادہ ہو اور جتنی کم ہو وہی صلاح کے موافق تر ہیں ایک کی تو جان گئی دوسری جان کا مارنا زیادہ تر صلاح عام کے خلاف تھا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ چونکہ یہ مقدمہ ہے صلاح نوعی کا تو اس لیے یہ مجبوری قصاص قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جب تکسبچ سکے اور قوت غرض نہ ہو تو بچانے کا پہلو صلاح نوعی کی راہ سے مقدم ہو گا اسوجہ سے حکمت ناموس نے قاعدہ دیت اور عفو کا مستثنیٰ کر لیا ہے کیونکہ خالی عفو تو فرض نادر ہے پس اس سے اصلی حکمت قصاص باطل نہیں ہو سکتی اور دیت میں باوجود قدرت و رحمت مقتدیہ کہ جو کفایت جبرت کے لیے کرتی ہے جان بخشی صلاح عام ہے میں بلاشبہ اصول حکمت کی راہ یہ تعلیم صحیح ہے۔ اور ہر قیاس ہے میں جیسا کہ محل در آمد بعض حکما ہے خلاف اصول حکمت ہمارا کیسی عدالت کی بات ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان۔ اور دانت کے بدلے دانت اور ہر زخم کے بدلے ویسا ہی زخم شریعت میں مقرر ہے اور اس سے زیادہ اور کس میں عدالت و انصاف ہے۔

لیکن خسرو قدس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ چوری مالی جرم ہے اور سپر ایسی سخت برادران
 کی قلم ہے اور یہ غلط ہے اسلئے کہ اس میں انکار و عظمت کا بذخلق کی ہے اور عبرت مقصود
 ہے اور ہدایت ہے اسکی کہ چوری بڑی بد خلقی ہے کہ کبھی او میں جان جو کم ہوتی ہے
 مثلاً ایک محتاج جان بلب ہے کہ کچھ اور پیدا نہیں کر سکتا اور چور نے دہشتہ یا نانا دہشتہ
 لالچ سے وہ سب مال چا لیا تو اس پر چارہ کی تو مرن ہوئی اسلئے پہلے ہی سے کیوں
 اسکی گنہائش رکھی جاوے اور سخت سزا کہیں سہل ہو جاتی ہے شرطوں کی سخت
 کر دینے سے اور عبرت کی عبرت قائم رہتی ہے اور چند کو سخت سزا ہو کر باقیوں کا بالکل
 پاک رہنا اور اس بد خلقی کا ناپید ہو جانا بہتر ہے اس سے کہ بہت سی بخوری بخوری محبت
 جمیل جاوین و ردہ بری عادت نہ چھوڑیں و ارادے کا موئے کیسی ہی سخت ہو بعد
 مشورہ کر دینے کے ظلم نہیں بلکہ ظالم وہ ہے کہ باوصف اس سزا کے پھر بھی اس جرم کا
 باعث ہو تو خود اسے اپنے پاؤں پر کھڑی ماری اور بعض فعل بعض وجہوں
 سے ظاہر میں خفیف ہوں اور بعض وجہوں سے حقیقت میں بہت شدید جیسے حملہ کرنا
 اور چوٹ مارنا کہ پہلے میں فقط ارادہ ہی ہے سرزد کرنا نہ یہ کہ کچھ سرزد ہوا
 مگر امکان ایسی کاری چوٹ کے سرزد ہو گیا جو رکھتا ہے کہ جو ملک ہو تو وہ
 سخت تر ہے خود او بھی چوٹ سے۔ اسبطر سے چوری نہ ناکر و غیرہ جو جڑ میں
 بہت سے گناہوں کی تو ان میں زیادہ سخت سزائیں قرار دینا خصوصاً
 اس لحاظ سے کہ ان میں سہل انکاری نہ کی جاوے عین عقل ہے۔

والحمد للہ علیہ وسلم

در اعانت

و سید محمد

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

در اعانت

حاجی میرزا محمد

مرشد ابو محمد

شاه شریع

شاه حسن

شاه حسین

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

شاه علی

شاه محمد

یاربانی

عطا

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

ولی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

علی

بشارت

حضرت سید محمد

حضرات، جس کو ہر بے ہنگامی وید کا اشتیاق عرصہ دراز سے ہماری قدر دان قوم کو کھانے کے کتاب مستطاب عایہ الاسلام، اُس در تالیف کا پہلا حصہ تمام ہو کر طبع ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اپنی طرز تحریر میں خود اپنی تفسیر ہے فلسفہ جدید سے حضرات عایہ نے اُن شہاں کافانی جواب تحریر فرمادیا ہے جو نہ ہل اسلام پر مخالفین اسلام کے اُتار سے وارد ہوئے اور خونی یہ کہ کسی مذہب کے اشارہ یا تصریح سے کوئی طرز تشبیح نہیں جسکی سلاست و بلاغت حسن بیان ملاحظہ کتاب سے واضح ہوگی۔

پہلی جلد کی قیمت علاوہ محصول ڈاک مبلغ یک روپیہ ہے۔ جن حضرات کو مطلوب ہو بارال قیمت باخبر دی پی ذیل کے پتے سے طلب فرمادیں۔

اس کتاب کی دوسری جلد تمام و کمال موجود ہے عایان قوم و بعد دان اسلام کی توجہ درکار ہے ایک باہمت رئیس کی اعانت و امداد سے انش و اختتام ہو رہا ہے۔ ہمارے گزارش کی ضرورت نہ تھی اس پہلے حصے کو آپ خود ملاحظہ فرما کر اس امر کا اندازہ فرمادیں کہ اسلام کو ایسی کتابوں کی کس قدر ضرورت ہے۔ دوسرے خواستوں پر دوسرا حصہ بھی طبع ہونا شروع ہو گا۔ قیمت پیشگی جلد دوم علاوہ محصول ڈاک عہد مابعد میر۔

آپ کی توجہ کا منتظر سید رضی

لکھنؤ ڈیوڑھی آغا میر کوٹھی حسین

۱۲۱

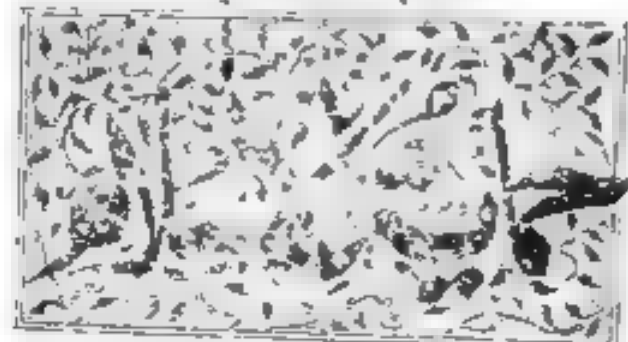
۱۲۱

۱۲۱

صید

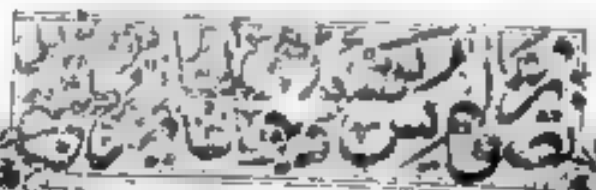
ان الذی عنده الاسرار

کتاب صید طاب



جلد دوم

مصنف عالم جلیل و صاحبین عمده محققین فخرشکلیں اخص حکماء و ائمه العین
 سعید احمد و مولانا سید احمد صاحب قلم و جتهد العصر خلف ارشد حضرت
 شمس العلماء مولانا السید محمد ابرار صاحب کلمه العصر طاب ثراه کجین
 و تمامه قلم را با تفسیر سید نبی حس مجتبی فیض ان جناب سید
 محمد صاحب دار و ده سرکار شریف و درخشان کان آفتاب کجین صاحب
 قلم و کتب سید کجین و صاحب قلم اندر تمامه مالک طبع



چند نجات بنام
نوشته و خطی و سیاه و دینی و جلال

عام الزام سے سبکدوشی

ہر چار جانب پکائی ہے کہ علماء ضرورت نہایت سے ناواقف ہیں علماء کسی نہالی فکر کے بغیر ہیں اسلام پر فلسفہ ہند
جو احراض ہو رہے ہیں جو ان کے جوہر کو اسلئے تارہ ہیں اور نہ کہ کتاب مستطاب حیات الاسلام حضرت
سین اسلام فلسفہ ہندی کا اسلئے حرم جہتہ العصر مطلق نے علماء کو اس بار زام سے سبکدوش کر دیا ہے اس
کتاب کی نسبت جو کہ حضرات علماء اہلسنت واطاعت کی تسبیح اور تیرحمی اور میں با طراز فلسفہ ہندی زیور کا اہل افراہ
انہیں سے چند انتخبات ذیل میں پھر دے کر تے ہیں میں سے اس کتاب کی جلالت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ جس
نے سو سلائی میں نصیب ہوئی ہے اسلئے جو وہ چاہتے ہیں انھوں نے اور کرم و عالم کھیات سے وہ واقف ہے کہ
کیا قائم ہے۔ لیکن قوم کی توجہ ہر وہ بھی دیکھی کہ آپ زنا زہ فراتے سلسلہ ویش بہ کتاب تصنیف ہندی ہزاران
اشتمالات بہرے دیے اب اردن میں طاعت کی نہالی قوم سے فراد کی کسی نے نہ سنا و جلدی کی اشاعت کال
کیا وہ سالہ میں چلی جو اسکی اشاعت میں کہلے نہیں غامین ہزار ہی دل جانتا ہے فقط و فقط اس
کتاب کو بھرا جلی جلد کی قیمت سے اس حد سے بلکہ اشاعت کا قصد تھا لیکن قوم کی روح یہی کہ کہہ سال
کہ مائے اور آپ فرات اس جلد کی اشاعت کی آئی اگر مای دیں میں سرکار اریل کو آپ فتح علیخان
صاحب کا مبلغ ایک سو روپیہ کا فیض فرما دے وہ کہ کم سرکار موصوں کو انہال مگھے اور تائید اسلام کی ترفیع
مکے کہ کیا جاتا ہے کہ طر اس وقت نہانے سے ناواقف ہیں آپ ہی انصاف کریں علماء بدعت و بیعت میں
وہ دیکھ کر کیا کہیں تصنیف کریں تاہن کہوں تو وہی اشاعت کا مای دیں کہ نہ کہ سر نہیں تو کالہ کہ
سبلا میں اشاعت کریں تو کائناتے و کام و سلا امر کا کہ علماء کا باقہ بلکہ وں الزام علماء پر یہی ہے کہ
اشافی سے خاصہ اگر کہ جہر کا بلی طر ان کی پی پی جو ہر فرقہ اسلام کے و افلا و دوس دشمنی و صرفیت
و دوانے کے کٹ آنے پر توفیہ روانہ ہوئی۔ آپ دیکھیں اسلام کے فہدی اندر انہ سناں حضرت سے
اور میں اس کتاب کے دو نوی جلدی کے فصیح کر کے و رفر کو تے ہیں جس سے اسلامی پکسی کا حال معلوم
ہے جس کی قوروی سی طر ہیں ہا ہے پس دینی ہیں جو بار تہ مع مھو کہ قیمت پر روا۔ جو کئی اور نوی
مگھے دوسرے صفت نہ ہوگا۔ آپ ہاں کرینگے کہ بی جلدی قیمت سے اپنا سہ حصہ ہے بہین حضرت نہ دیکھ
فہدی کے فصیح سے بھی ہے اور فصیح خصوصاً بلکہ یک صفت بڑ خورہ سنا تے ہیں۔

ن کتابت حیات اسلام کے مصنف مطلق ہے یہی کسی ناوکشی و کس پیری کی حیات میں کتابت فیض اسلام
کی تائید ایک حصہ سے شروع کر دی تھی بلکہ عوار آپ محبت و سلام میں جا بجا پڑھیں اس کتاب میں ہر
فلسفہ اسلام سے کٹ کی ہے چنانچہ مس ذیل طر تیار ہو رہی ہیں۔

۱۔ ایم جہ اسلام یعنی عام بیام کے صفات و خاص ہیں۔ (۱) سلسلہ محمد (۲) اسلامی گیسری (۳) اسلامی طر حیات
۲۔ کتاب توحید (۴) کتاب عدل (۵) کتاب نبوت۔ اور مس ذیل کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ جاری ہے۔
۳۔ اسلامی مہاروی (۶) اسلامی فیسوری۔ ۴۔ اسلامی فزیالوجی۔ ۵۔ اسلامی طریقیات (۷) اسلامی علم
تباہ (۸) اسلامی انا کی۔ ۹۔ کتاب رامت۔ ۱۰۔ کتاب مہر۔ کتاب مہر اسلام میں علوم مذکورہ پر
اسلامی نظیور و طر ہے کہ کئی کئی ہے اور ہر ان علوم کے حصول کو حاصل ہر دو کی ششہ نہیں ہیں
نہ وہی کو ہا ہے کہ علوم سر یہی ہے جسٹ علماء بحرانی مطلق ہر عار میں اور کئی زیادہ تائید میں تصانیف کا
سلسلہ جاری ہیں۔ حضرات۔ رہا ستم با نشان کام اور ہر طر کہ یک شخص کو کہ متن سے کام لیا جاسکتا تھا۔ ۹
ہر کہ نہیں فرما سکتا تائید بھی کیجئے۔ جزا و عاف طر مشق و اسلام کے حاکم اسلام کی زندگی باز کر دے اور
چو کہ ہر شہر اسلام اس نام میں دے دے تے تے مگر وہ جہ میں ہوتا۔ جس میں ہر کالہ میں آنے مانع کر
حدب صفت مطلق ہے و باقت کو کہ رن کر کے کی کو مشن کر دے اور ہر خاصہ و بھر وں میں برابر اس فرست کہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہیلہ

شرح للمؤمن الدین ما وصی بہ براهیم

یہ کتاب فقہان مختلف مذاہب میں مختلف فہم میں ہوئی ہے اور یہی ہمیں سب سے زیادہ اسلامی علم فقہ
 کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ یہ ان حالات کا بیان ہے جو آج کل کے ہیں جن میں اسلامی علم فقہ پیدا ہوا اور
 یہ بیان ہے کہ کس کس کی رائے میں اسکو پیش آئیں اور جو صرف قوم میں اسکی تکمیل ہوئی
 وہ قوم کس تہذیب و تمدن اور اسکی فہم میں ہے۔ یہ سمجھئے کہ یہ ایک نہایت عظیم الشان کتاب ہے۔
 ہذا وہ مسئلہ ہے جسے ہر مسلمان کو سمجھنا چاہیے اور ہر باب اس کی ایک مثال ہے اور ہر باب اس کی ایک مثال ہے
 نظر میں رکھنا ہے کہ اس کتاب کی ترقی میں جو قوانین ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خود کرنے کا حقوق
 فوق ہے۔ قوانین اسلام بعض جہوں پر اختیار اور ضروری سے ان دوسروں قوانین سے مشابہت کئے
 ہیں۔ مثلاً مالک میں بیعت قبل ہند یہ اسلام میں جاری ہے اس میں مشابہت کو خود قائل سے دیکھنا
 چاہیے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم حالت دن میں جبکہ وہ اسلام میں کی راہ سے ایام جاہلیت
 تھے جن اور اس اصناف یافتہ نظام دن میں جو اسلام سے پیدا ہوا کن کن باتوں میں الحاق و اتصال
 رہا۔ اسی مشابہت نے بعض کن جہان شرح کو سراہا دیا ہے کہ انھوں نے شایع اسلام کو العباد
 اللہ سرور سے ہم کیا ہے مگر انصاف پسند نظر دن میں یہ سمجھئے کہ اس خط خیال پر مبنی ہے جو عرب کے
 نظام دن کی نسبت جس حیثیت سے وہ اس زمانہ میں موجود تھا ان مخالفین اسلام کے دشمن بنایا ہوا ہے۔

جس زمانہ میں قوانین اسلام شامل ہوئے اس زمانہ میں منکر اور قویوں کے جو جزیرہ ٹائے عرب میں
 دو دو باش رکھتے تھے مرنالیک قوم یہود و مسیح و قریبن و قریبن رکھتے تھے اور یہود کے قوی
 اور مضبوط گرد و بہت برستان عرب کے سرچ میں رہتے تھے گراہنے خاص قوانین کے پابند تھے۔ خدا
 معلوم کئے ہوئے سے عرب اور یہود میں تعلق تام چلا آتا تھا اور یہ باعث یقین ہے کہ دونوں قومیں ایک
 ہی نسل سے تھیں اور ایک ہی جد اسطے (حضرت ابراہیم) کی ذریات تھیں اس وجہ سے اکثر یہود و مسیحی اللہ
 عرب کے رسوم و عادات میں شامل تھے علی الخصوص عائلی تعلقات میں یہود کے خیالات کا ضایت
 قوی اثر عرب پر ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام نے صراطِ علی کو شش کی کرلیک پاک اور پاکیزہ دین اور ایک
 صالح و طیب نظامِ تمدن بھی اُمت میں جاری کرین مگر تمدنی ضرورتوں اور ارتقائی انسان کے نور
 سے اسی چشم پوشی نہیں کی کہ اس زمانہ میں جو آئین و قوانین موجود تھے ان سب کو باطل کر دیتے کہ
 اگر اسلام اسکا کہتے تو سخت پریشانی اور بد انتظامی اور ابتری ہو جاتی شایع اسلام سنائے سوم
 دو قوانین قدیم کو اصلاح پذیر کیا اپنی شریعت میں جاری رکھی تھیں دیکھی صلا میں کر دین کہ ایک
 ارتقائی پذیر نظامِ تمدن کے موافق و مناسب اُنکو کر دیا اور جو رسوم و آئین بالکل عقل انسانی کے خلاف
 اور تمدن کے منقرض تھے اُنکو منسوخ و حرام کر دیا قانون اسلام کا زمانہ قرآن مجید۔ اس کتاب مقدسہ
 میں وہ اصول ضروریہ موجود ہیں جو مختلف تعلقات بشری کا انتظام موقوف کر دیتے۔ ایسے احکام ہیں
 اور قوانین دیوانی و مدنی جو اسلام کا وجود و بقا موقوف ہے سراسر کتاب میں موجود
 ہے بلکہ علم سیاست و تمدن اور مسائلِ تمدن کا مادہ بھی اس میں موجود ہے۔ اکثر مسائلِ فقہی و شرعی
 جنکی تفسیر قرآن مجید میں نہیں ہے انکا اشتباہ احادیثِ نبویہ اور سیرتِ مصطفویہ سے کیا گیا و احادیث
 سے مراد اقوالِ پیغمبر ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کے زمانے تھے اور سیرت سے مراد افعالِ پیغمبر ہیں جنکی
 وہ احادیثِ ثقات کے ذریعہ سے پہنچی ہے شیعوں نے ان احادیث کو جو جناب علی بن ابی طالب و اُنکی
 اولیاء سے منقول نہ ہوں جنھوں نے پیغمبر کو دیکھا تھا اور اُنکے ساتھ معاشرت کیا۔ اُن کو
 باطل سمجھتے ہیں۔ اور یہی عقاد ہے کہ اقوالِ نبوی یعنی احادیثِ نبویہ حکامِ قرآنی کے مطلق ہیں
 اور احادیث کی پابندی اُسی قدر فرض ہے جتنی وہ احکامِ قرآنی کے موافق ہیں لہذا جو روایات
 مخصوص قرآنی کے خلاف ہیں وہ ناقابلِ عمل ہیں۔ روایات چند اصول کے موافق کیا جانا چاہیے
 منطقی اور اصول و فنی پر مبنی ہیں۔ اخباری فرقہ احادیث و اخبار میں طبع و تدوین کو حرام سمجھتا ہے
 بخلاف اصولیوں کے جو اپنے اصول مقررہ اجتہاد کے ذریعہ سے اخبار و احادیث کو قابلِ عمل قرار دیتے

کہتے ہیں اور یہ اصول اجتہاد بھی وقتاً فوقتاً حسب مصلحت قسٹ تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔
حضرت اعلیٰ حضرت کے مابین میں اجتہاد تیسری صدی ہجری سے موقوف ہو گیا ہے بلکہ شیعوں کے
ان کے یہاں اجتہاد واجب کفائی ہے جسے ہر عہد میں بعض لوگوں پر اجتہاد واجب ہونا ہے جو کہ
معیّن کے مجتہد ہو جانے سے اور ان پر سے ساقط ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے ہر زمانہ میں کم از کم ایک
مجتہد ہونا ضروری ہے جو احکام الہی کا استخراج و استنباط قرآن مجید و احادیث نبویہ سے ہمیشہ کرتا رہے
جس سے تمدنی ترقی و تہذیب و اخلاق کی ترقی نہ ہو و نہ محدود و نہ رہنے باوجود نفس ناقص و عقل نسانی
مستعمل رہنے باوجود اور ہمیشہ ترقی و بیہودی ہوتی رہے۔

شیعوں کی فقہانہ روئے تو ایسے اسلامی فرقوں میں سب سے مقدم ہے۔ اس واسطے کہ حضرت اعلیٰ حضرت
میں سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تھے جبکی ولادت ششم ہجری میں ہوئی تھی تاہم
فقہ حنفیہ تھے۔ باقی تین امام امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل یہ سب بعد ہوئے تھے۔

شیعوں کی فقہانہ احادیث و اخبار کا مجموعہ ہے جن احکام کی تفسیر و تشریح غلامہ خاندان رسالت
و فقہائے اہلبیت نے فرمائی ہے جسکی بنا پر نظام عدل پر رکھی گئی ہے اور انسان کے تمام افعال و عقل
اسلام کے موافق رکھا ہے احکام الہی جو انسان کے افعال سے متعلق ہیں وہ کمال شخص اور کمال
نوعی کے متعلق ہیں اور دماغ و دلواری اور دماغ و عید و جنک دم سے کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کی ترقی کے
موفق و موید رہے اور احکام شریعہ کی بنا پر حسن و قبح عقلی پر کسی طرح سے جیسے حیل بنایا
کی۔ چنانچہ حصہ اول حایۃ الاسلام ملاحظہ کرنے والوں پر بار غریبی واضح ہو گیا ہو گا کہ شریعت کا کوئی
مکمل نظام عقل نہیں ہے اور اسی ضرورت کے سہوار کرنے کے واسطے یہ دوسرا حصہ کن جاتیہ الاسلام
کا پیش کیا جاتا ہے جس پر نظر کرنے سے ہر ضعف و زوال اس بات کا قطعی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسلام نے
معاہدات و اصول تمدن میں عقل علی پاسی کو کام فرمایا ہے فقط

و اتھوا لایا منی منکم و الصالحین من جہاد و امانتہ

ان یکونوا فکروا ینفخہم اللہ من فضلہ و اللہ واسع علیم

شریعت اسلام میں عقل ایک معاہدہ ہوا کہ جہاز تناکین کے بموجب قبول پر موقوف ہے اس کے
جواز کو کسی رسم کا اور اگر لازم نہیں ہے نہ لوگوں کے موجود ہونے پر اسکی مصلحت موقوف ہے نہ عقل
معاہدہ عقل عقل و غیر معاہدات کے ہے اور جمہور کے اعضاء سے ایک معمولی قسم کی مشارکیت کے
مشارک ہے طرفین کے حقوق و فرائض ایک دوسرے کے مطابق اور غیر دن کے مطابق بھی بدستور قائم ہے چنانچہ

اور طرفین کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اگر حالات اس کے مقتضی ہوں۔

پہلی صاحب کہتے ہیں: اور معاہدہ طبعی نکاح بھی بجا قبول کا نام ہے مگر نکاح سے کوئی جن شوہر و زوجہ کو ایک دوسرے کی جائداد پر نہیں حاصل ہو جاتا۔

اور زوجہ کی حیثیت شرعی شوہر کے ساتھ غلط نہیں کر دیتی ہے مگر زوجہ کو ایسے رخصت یا معاہدہ حاصل ہے کہ کوئی اس کا نکاح ازہنگ نہیں ہو سکتا ہے جس طرح سے چاہے اپنے ماں کو صرف کرے جو چاہے اسکو کرے اور تمام معاہدہ اسکی نسبت کر سکتی ہے اور بلا ان رضا شوہر دوسرے سے پرانا نکاح بیکسلی ہو اور وہ سب پر نام لے کر سکتا ہے جو وہ سب خواہر ہو۔ مانتا ہے کہ یہ بدل کے لئے کر سکتی ہے اور شوہر کی طرح سے اسکا ولی شرعی نہیں ہے۔

نکاح کے شرائط اور اس کے مزید، اور اس کے فسخ کر سکی سو اس سب حکمت احاطہ کی بنا پر ہے۔

(رضامندی)

پہلی اور مقدم شرائط نکاح کی ہے کوئی معاہدہ کامل نہیں ہو سکتا تاہم جو طرفین اسکی حقیقت کو سمجھ کر رضامندی نہ ظاہر کریں۔ چونکہ سلطان عودین کو تاج پر وہ میں رہتی ہیں اور اپنی شادی کے امور میں اپنی خاص مرضی کے عمل میں لائے میں بڑی دقیقہ انگو پیش آتی ہیں مہذا شریف نے وہ اصول تفصیلاً لکھے ہیں جن سے عورتیں نہ صرف اپنے اوپر یا کسی خاص طرح سے اپنے کو بچ سکتی ہیں بلکہ چونکہ اختیار اپنے شوہر کے بند کرنے کا بھی رکھتی ہیں۔ مہذا جب مرد بالغ یا زن بالذکر طرے نکاح پر چاہا جادے تو ایسے نکاح کے جواز کے لیے ضروری ہو کہ وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر کرے یا ان کے کہ جو نکاح بغیر اجازت یا بلا رضامندی نکاح یا منکوحہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے چاہے کسی شخص نے وہ نکاح کر دیا ہو۔ بلکہ اور خیر اور صحیح عقل و مصلحت پر نکاح کر لینے کی قابلیت مطلقہ رکھتی ہے کسی ولی کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی دلیل یا درمیانی آدمی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی رضامندی ظاہر کرے معاہدہ نکاح میں زن بالغ و صحیح عقل کے کام کا لازمہ رکھنا ضروری ہے پس وہ صرف اپنی ہی نکاح کر لینے کی اجازت نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی طرف سے بھی وہ نکاح بجا قبول کر سکتی ہے لیکن عورت کو مناسب زیبا ہے کہ اپنے باپ یا دادا کو اجازت دے کہ شرائط نکاح طے کریں اگر اسکا باپ یا دادا نہ ہو تو بہتر ہے کہ اپنے بھائی کو اپنی طرف سے کارروائی کرنے پر مقرر کرے۔ باکرہ کے نکاح میں اسکا راضی ہونا اسکی خاص فسخ

کہا جاتا ہے اور اگر بارہ ہو تو اس کو اپنے کام سے رخصتی عاہد کرنا چاہیے۔

(عقدہ)

جو عورت کسی مرد کے عقد میں ہو خواہ وہ طلاق ہو یا عدہ و نفاقہ ایسی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ عدہ کے حکم کی وجہ سے کہ شایع اسلام کو اولاد کے طالی قرار پانے کی فکر تھی اور نکاح یا نکاح منکوک سے جو اولاد پیدا ہوا اسے حرامی بنا دینے سے نفرت کلی تھی۔

جو عورت چار مہینے نہ ہو کسی ہو یا بیوہ ہو اس کو ایک مہینہ تک دوسرے عقد کو شروع کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ فقہان یہ قہن ہو مائے کر یہ عورت حرام سمجھا جاتا تھا۔

یہ عدہ چار مہینے یا ان سے زیادہ مطلقہ کا عدہ نہیں مہینہ میں اس وقت تک سے اور دوسرے نسبت میں فتور نہیں ہو سکتا۔

(نکاح مطلقہ یا نینہ)

شایع مقدس نے مطلقہ یا نینہ سے عقد کرنے کی بھی ممانعت کی ہے زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل بعثت پیغمبر اسلام مشرکین عرب میں دستور تھا کہ عورتوں کو متواتر طلاق دیکر ان سے دوبارہ نکاح کر لیا کرتے تھے جس سے اخلاق عامر میں فتور واقع ہوتا تھا بعد از شایع اسلام نے ایسا نکاح حرام کر دیا جو تین طلاقوں کے بعد ہو۔

مجنون اور کس اور بیہوش اور عالم نشہ میں بھی نکاح صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اصل اصول نکاح میں سلامتی عقل ہے۔ اور مذکورہ لوگ عقل سے محروم ہوتے ہیں اور اپنے نفع و نقصان کو نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ان مجنون و کم عقل کم سن کا عقد اسکا باپ یا قائم مقام باپ کا کر سکتا ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے ہو اور کوئی آپٹ مضر نہ ہو مثلاً غیر کھوسے نکاح کر دینا یا فریب سے مرکا زیادہ یا کم نہ پانا یا مرض لاعلاج کی حالت میں نکاح کرنا پس جن چیزوں سے ان لوگوں کے حق میں ضرر ہو اسے نکاح کو دوسرے ادیان سے کہہ سکتے ہیں یا بعد صفت مجنون سے نکاح کر سکتا ہے اس طرح سے نابالغ بعد طلاق۔

(کفو)

شایع اسلام نے بے نیکی اور بے میل شادیوں کو بھی ناپسند کیا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کا

نکاح غیر کوہ سے کرنا چاہیے جسکا مطلب یہ ہے کہ زن و مرد ہم مذہب ہوں اور مرد جو رعت کے مکمل
کا مقدر رکھتا ہو بلا لحاظ قوم و درجہ کے اس لیے کہ سب مسلمان برابر ہیں ذات کا کوئی لحاظ نہیں
میں نہیں ہے۔

(مفسر)

اسلام میں چار نکاح موقوف ہے اس باعث کہ شوہر کچھ معاوضہ زوجہ کو اُس کے استعمال و رفائدہ
کے لیے دینے کو کبھی اس معاوضہ کو مہر یا صداق کہتے ہیں۔ سائبر اصحاب کہتے ہیں کہ زمان سلف
میں بھی شوہر زوجہ کے لیے ذریعہ معاش مہر کر دیتا تھا اس سے یہی مقصود تھا کہ عورت اپنے شوہر کے
اختیار و طلاق کی خود سرانہ اور بلا قید و شرط میں لائے جانے سے محفوظ رہے۔ یہود کے مذہب میں تا کہ
حق کی دین مہر قبل تزویج معین کر دیا جاتا ہے اور بے تعین مہر نکاح ناجائز تھا۔ مگر یہود میں جو مہر زوجہ کا
مقرر تھا وہ اس کے خاص استعمال و رفائدہ کے لیے کبھی نہ دیا جاتا تھا بلکہ اُس کو کوئی حق مہر یا مال
نہ تھا تا وہ فیکس نہ نکاح حواء سبب انتقال شوہر خواہ بوجہ طلاق نہ ہو جاوے۔ البتہ نکاح کی صورت
میں زوجہ کا مہر اُس کو دیا جاتا تھا پھر اُس کو نفیہ تھا کہ اُس مہر کو جو چاہے کرے۔ ردیون میں بھی
مہر کا رواج ہے لیکن اُن کے بیان میں مہر اختیار ہی نہیں اُسکا ادا کرنا شوہر کے اختیار میں ہے مسلمانوں کی
شریعت نے مہر کے بارے میں بھی مجیدہ اصطلاح کی ہے۔

مسلمانوں کا مہر بالکل منطوری سے ہے یعنی شوہر اس کے ادا کرنے میں شرفاء جو ہے مہر شوہر کے تمام
دیوان پر مقدم ہے شوہر اسکا فرضدار سمجھا جاتا ہے۔ مہر جو مکمل ہے جسکا اگر وقت نکاح ذکر کیا جاوے
تب بھی مہر اصل شوہر کے ذمہ نہ ہو جاوے گا جب مہر کا حق زوجہ کو ایک جبر حاصل ہو جاوے تو پھر
وہ اس کے کسی حل سے طلب نہ کر سکتی ہو جاتا ہے کہ زوجہ خود مصافق کر دے اور دست بردار
ہو جاوے۔ جو رعت اپنے شوہر کو قتل کر ڈالے یا خود کشی کر لے یا مرد اُس کو قتل کر ڈالے مہر حل میں اسکا
مہر واجب نہ ہوتا ہے۔

مہر محل کی نسبت حوصت کو اختیار ہے جس شخص کو چاہے پھر کر دے زوجہ اپنے مہر کو شوہر کے تین
یا شخص غیر کو بہرہ کر سکتی ہے۔

گو یہودیوں میں مہر کا دستور جاری تھا تاہم اکثر یہود تھا کہ شوہر اپنی زوجہ کا سبب بچیں کہ اس
بیجاری کو نفیر و تمن کر دیتا تھا اس ظلم و نا انصافی کی مانتے بعض قرآن مجید میں ہو گئی ہے اور پھر

کہ یہ گناہ ہے۔ یہ تھا کہ بے حلال نہیں ہے کہ جو تم نے انکو دیا ہے اسکو پھر دوسرے بھوکے
قبائل پر دعوہ میں ہے دستور تھا کہ زوجہ کا مہر اور جہیز جو وہ لاتی تھی اپنے گھر سے ہے دونوں تانہاں نے
کھانچ شوہر کے قبضہ میں رہتے تھے معاملہ نکاح میں شرع محمدی میں عرب کا وہ دستور اختیار کیا گیا ہو
جو زیادہ تر منصفانہ و فیاضانہ تھا از روئے شرع محمدی شوہر و زوجہ ایک دوسرے کے مال میں
مشاورت نہیں رکھتے تھے بلکہ زوجہ اپنی ذاتی جائیداد اور جو کچھ شوہر کے مہر میں دیدے اس کی
بالکل مالک و مختار ہے۔ اور جب تک شوہر و زوجہ زندہ ہیں اسوقت تک انکو اختیار ہے جو چاہیں
شرائط نکاح کو بدل سکتے ہیں اور زوجہ کو کل مہر صاف کر دینے یا کم کر دینے کا اختیار ہے۔

(محرم و حائض)

شریعت اسلام میں قابلیت زوجہ کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ ہم ایسی قرابت نہ رکھتے ہوں کہ انکی
مناکحت باہم حرام ہو قانون انگلستان و قانون فرانس میں بھی بعض اقربا سے شادی کرنا منع ہے۔
سن دی پر رسول صاحب نے اپنی تاریخ عرب صفحہ ۵۱۳ میں لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں عرب سو حلال
دن یا دس ماہ کا نکاح سرتسلے بیٹے اور داماد یا سہ ماہ جہتے تھے قرآن مجید میں اس رسم صلیبی کی نفی
مذہب کی ہے۔ یہ اور فرمایا ہے کہ نکاح کروان سو... سے جسے تھا بے باپ نے نکاح
کیا ہو مگر وہ باپ جو سابق زمانہ میں ہو کر کسی حقیقہ کے وہ بیٹائی اور بھائی اور بہن کی داری تھی دسورہ
آل عمران آیت ۲۶ اس کے بعد حرمت شریعت کی تھی کہ ایسی سے نہ کرے حرام و حائض نہ نکاحی بائین
اور نکاحی بیابان اور نکاحی بنہن اور نکاحی پو پیمان اور نکاحی غلابین اور نکاحی بھینیان
اور نکاحی بھابین اور نکاحی دودھ بائین اور نکاحی دودھ شریک بنہن اور نکاحی ساسین
اور نکاحی بے پالک لڑکیاں جو نکاحی ان بیویں کی گود میں ہوں جو نکاحی مدخل ہوں پس اگر گئے
انکے مدخل نہ کیا ہو تو کچھ قباح تھا بے واسطے نہیں ہے اور مکتوم بیبیاں نکاحی ان بیویوں
کی جو نکاحی صلب سے ہوں اور کہ گم و دو بیویوں سے ایک ہی وقت میں نکاح کرو مگر وہ باپ
جو سابق بن گزری ہے تحقیق خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور شوہر دار و زمین مگر جہر
تھا بے واسطے کہ قباح نہیں ہے نہ زبان (سورہ آل عمران آیت ۲۷) مصلحت حرم نکاح
کی نے ظاہر ہے کہ نکاح میں اگر عقلی طور نہ ہو تو خواہش کے صیغہ میں مدخل ہو کر حیوانی فعلوں
میں جا رہا ہے پس انسانی نکاح کا مدار مصلحت عقل پر ہے۔ مصلحت عقلی نکاح میں نہ اللہ و نہال ہے

جو کہ مقتضی طبیعت کی در صلاح نظام عام فوجی کا ہے۔ دوسرے انتظام معاشرت باہمی اور توالہ
میں یہ عورت شریک ہیں پس متداخل ضرور موجب قلت نوع اور تحصیل حاصل اور کی بادی کا ہو گا۔
اور علم و انتظام کی طرف راجع ہو گا۔ اور ان کی مانت باہمی کے لیے نفع میراث کافی ہو پس سبب
ازوجیت کا استحقاق ان کے سوا غیر و کو ہو گا تا کہ تحصیل حاصل ہو جیسا کہ غیر محجوبوں میں اس کے نہ ہونے کی نظر
جیسا کہ محجوبوں میں۔ خلاصہ یہ کہ ان عزیزوں کے ساتھ نکاح کئی وجوہ سے حرام ہے۔
مقتضی صلاح عام۔ و طبیعت کلی اور موافق عقل سے متداخل نسب و سبب بلکہ مصلحت ناشی ہے
کثرت افراد انسانی سے۔

اور اگر قلت کے زمانہ میں اجازت ہو اس مصلحت کی تا کہ بالکل نسل نابود نہ ہو جاوے کہ سوائے ان
قربت داروں کے اور کوئی غیر ممکن ہو تو اس پر قیاس نہ کرنا چاہیے آدمیوں کی کثرت کے زمانہ میں پس
جو جس کا ذہب جو بزرگوار اور عام میں خلافت عقل ہے۔

اور ایک خاندان میں کچھ ایک بیماری ہو، وہی ہوتی ہے کہ وہ دوسری جگہ بیاہ ہونے سے بچرت
ہو جاتی ہے۔ یہ طبیعتی ترس ہے کہ جن خاندانوں میں ایسی ہی بیماری نکاح کا ہر سبب
اہت کے بعد یکے کے در خط و خون حادث ہو جاتا ہے، وہی عالی قدر ہے۔ صحت
باب و بیان بھی، ہمیں یہ سبب کہ ان باب کا حق، اور ان کا سبب ان کی وجہ ہے۔
در زمانہ صحت و صواب ہر آدمی کے حق کو منہج کرتا ہے اور غلطی سے پرہیز کرتا ہے۔
اور ان میں سے ایک ہے اور حق و منہج کو باطنی کتاب کے مطیع خاص تھا، اس میں اس میں عجیب
تسری سے بلکہ حاصل سے ان میں سب کی بہت حد کہ جن کا احترام واجب کیا گیا ہے خاندان
کی دانش میں۔

عورتوں پر جنوں کا حرام ہونا۔ مقابلہ سے کہا جاتا ہے، در غلاتی سبب اس کا ہے کہ اس میں
سناٹا گراما ہے اس سے کہ جو حکوم ہو تو پورا اگر ظلم تھا تو یہ انتظام ہو اور یہ دونوں بد اخلاقی
کی باتیں ہیں۔

عورتوں پر ان کے بھائی بھی حرام ہیں بقرینہ مقابلہ اور قاعدہ عدل و اس لحاظ سے کہ ان کی بیڑا ناممکن
کے وقت میں باغوائے عالم میں تک بجز ہوگی کہ جو حکمت اخلاق میں حرام قطعی ہے اور کثیر پردہ
میں نخل کے ڈر سے اور علیٰ ہذا القیاس۔ یہ خاص خاص میں نہیں عورتوں کی حرمین بیان ہوئیں۔
ساتھ ہی رفتہ داروں کے بھی عقد حرام ہے۔ تاہم۔ دودھ شریک بنیں۔ ساسین۔ ریبہ۔

ہوین۔ زوجہ کی بنین۔ حصہ سے شوہر اور عورتین و جو حرم بقا ہر ان عورتوں میں ہے۔
 کہ ان میں شائبہ ہے ان قرابت والد عورتوں سے جو حرام نہیں اس واسطے کہ جطرح سے مان
 کے خون اور باپ کے نطفہ سے جسکی اصل خون ہے، نشان پیدا ہوتا ہے اسی طرح سے
 ان کے دودھ سے کہ جسکی اصل خون ہے، وراثت پاتا ہے پس ایک طرح کی اصل انسان کی اتنا
 بھی ہوتی۔ اُس کے ساتھ عقد کرنے میں زیادتی فرار کی اصل پر ہو جاوے گی۔

اس سے عقد اس وجہ سے حرم ہے کہ یہ موجب ہست کسی بد اخلاقیوں کا ہے، سببے کہ کھن پر
 نہ وہ اپنی مان کی نافرمانی کرے اور علاوہ اس کے مساوات ہو جاوے گی مان کو بیٹی سے زوجہ بنے
 کی وجہ سے اور مساوات فرار کو اصل سے ظلم ہے۔

یہی عقد میں بھی مساوات و مساوات ہے اُسی مان سے اور یہ عقلاً حرام ہے ہوسے
 بھی عقد حرام ہے۔ بقاعدہ عدل اس واسطے کہ جب سوخیل مان بیٹے پر حرام ہے تو چاہیے کہ ہو
 سسرے پر حرام ہو اور حکم مقابلہ داد کا حرم ہو نا بھی ثابت ہے۔

سایون سے عقد کو نہ میں بیچ و کا ہمہا سکا بھی مساوات ہے اور ایک گھر کے قریب کے
 رشتہ داروں میں بچوٹ اور نرس کا سبب ہو جاوے گا۔ علاوہ اس کے کنبہ بڑھنے کا مانع ہو گا
 اس واسطے کہ مثلاً چار بنین چار متدہم پر بیای جاوین تو سیفہ روضہ زادی بڑھے بکالت اس کے کہ
 چار بنین ایک شخص کے عقد میں آجاوین۔

حصہ کی حرم ہست سے اخلاقی وجوہ سے ہے۔

دام خفاف عدل و موجب نعم و انظام ہے۔

دوم ایک عورت کبھی دو مردوں کی پوری طاعت نہیں کر سکتی۔

میراث میں جھگڑا واقع ہو گا کیونکہ اختیار اس امر کا ہست دشوار ہے کہ دو مردوں میں سے
 یہ لو کاکس کا ہے۔

۳۴) قائمہ نکاح لینے تو والد و ناسل دو شوہر دن میں مغفول ہو گا عورت اگر دس شوہر بھی کر لگی تو
 بجز شہوت رانی کے بار و ایک ہی مرد سے ہوگی و مرد اگر دس نکاح کرے تو دسوں کا ایک
 وقت میں بار و رہا ممکن ہے و علیٰ ہذا القیاس چونکہ زنائے حصہ کسی قبیع شے ہے جسکی طاعت
 ہر آدمی مطلق اے پر بھی پوشیدہ بنین لہذا ہم اس نسبت میں زیادہ طول نہیں دیتے۔

خدا نے مرد و شرکے زن و شرکے ساتھ بھی نکاح حرام کیا ہے قرآن مجید میں ہے یہ نکاح کر و مشرک

خو رنوں سے بیچک کہ وہ ایمان نہ لادیں ہر آئینہ مسلمان جو دین شرک و بدعت سے بہتر ہے گواہوں کو
 قہر بند کر دے اور دیکھ کر دین شرک و بدعت سے بیچک کہ وہ ایمان نہ لادیں ہر آئینہ مسلمان بہتر
 مشرک سے گودہ تم کو اچھا معلوم ہوتا ہو (سورہ بقرہ ص ۲۶۰) مشرک و مشرک سے وہ دن و درہ
 مراد ہیں جو ذات باری میں دوسرے کو شریک جانتے ہوں شایع اسلام کا مقصود اصلی یہ تھا
 کہ مشرک و بدعت پرستی و کفر گروہ اہل اسلام سے بالکل خارج ہو جس سے اس وجہ سے انھوں نے مسلمانوں کا
 مشرکین و بدعت پرست عورتوں کے ساتھ عقد کرنا حرام کر دیا شایع اسلام کے ایسے عمل
 کو مذہب میں وجہ سے حرام کر دیا ہے جن وجہ سے انبیاء و سلف میں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل
 کا نکاح عاتقہ اور بیت پرست قوموں کے ساتھ حرام کر دیا تھا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ شیون کو
 بیہلہ سکے کہ یوہب کی قوموں سے سابقہ نہیں پڑا اس وجہ سے ان کے نزدیک جیسائی اور یہودیوں
 سے نکاح حرام ہے اور سینوں کو یوہب کے اقوام سے سابقہ ہونے کی وجہ سے ان کے مذہب میں
 یہودیہ یا نصرانیہ سے عقد جائز ہو گیا سابقہ کو شریعت سے کوئی دخل نہیں ہے حالانکہ اس کی محض
 مخالفت شریعت کی ہے غیر مذہب مراد بدعت سے خلق رکھنا بیشک اخلاقاً غائب کے واسطے
 ایک ہر چیز ہے کئی کوئی مذہب اپنی اصلی حالت پر نہیں رہ سکتا اور کوئی اخلاق اپنی اصلی جبلت
 پر دن آئینہ نہیں دیکھا سکتا ایسی صورت میں جب کہ ایک مومنانہ کے دو ہر مختلف مذہب
 کے ہوں۔

وان خلتہ الاقطار فی لیثی فانظر ما طلب اللہ من النساء

ملنی و خلافت در بطرفان خلتہ الاقطار فاحمدات

(تعدد از دل و دل اور اسکی نسبت سلامتی حکم)

ساری دنیا جانتی ہے۔ کہ دنیا کی تمام قوموں میں اور تمام مذہبوں میں کم و بیش رسم تعدد
 از دل جاری ہے۔

قدیم اہل یونان میں یہ رسم جاری تھی۔ لیل روم میں بھی تعدد از دل کی ممانعت نہ تھی۔ افلاطون
 نے بھی تعدد از دل کے جواز میں کتابیں لکھی ہیں۔ ویدوں میں منو کے دھرم شاستری نے
 ادھیا۔ ۱۴۹۔ اشوکہ کے بموجب برہمن کو چار جوہرین تک کرنی کی اجازت ہے بہت سے
 جیسائیوں نے خود تعدد از دل کے جواز و حمایت میں کتابوں کی کتابیں لکھی ہیں۔

یہی نہیں صاحب "جرمنی پادری نے جب "ہیب گری" سے مسئلہ پوچھا کہ آدمی کو کس حالت میں دودھ دینا جائز ہیں تو اس نے جواب دیا کہ اگر چہ وہ کوئی بیماری ہو کہ خادما اس سے مباشرت کر سکتے تو اس صورت میں خادموں کو دوسرا نکاح کرنا جائز و درست ہے لیکن اس شرط پر کہ بیمار چور کی طرح خبر گیری کرے۔

دہ جان پبلش "سٹریٹنگل کے رو سے ثابت کیا ہے کہ تعدد اولاد و اولاد انجیل کے رو سے منع نہیں۔ چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ (در خقیل ۲۳ باب) میں خدا نے تمہارے لئے اپنے نہیں قتل حکایا میں ایک مرد بنایا ہے جس نے "اولاد" دیا۔ "یہ وہ ہے نکاح کیا ہے" اگر رسم بری ہوتی تو خدا نے تمہارے استعارہ میں بھی اس رسم کو بھی اختیار نہ کرتا۔ جس رسم کی انجیل میں ممانعت نہ ہو تو ہم اس کو دلیل سے برا اور ذلیل نہیں۔ انجیل میں پادریوں کو ایک بیوی کرنے کی صلاح دینی ہے برکین کثرت ازواج کی ممانعت نہیں۔

دہ پادری "شکس صاحب" اشتری لکھتا ہے کہ کتاب صلح سو کے صفحہ ۲۶-۲۷ میں لکھتے ہیں کہ تعدد اولاد کے متعلق ہم نے تردید تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خدا نے بھی اس کو منع نہیں کیا بلکہ ان کے زون کو برکت کا وعدہ کیا جو اس پر چلتے تھے یعنی کثرت اولاد کی دعا کے دستور پر۔

دہ گاڈ فری ٹکس "اربی کتاب صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ روم اور دوسرے بادشاہوں نے بہت سی بیبیان کی ہیں جو کہ حرموں سے جبرائیل مالا لکھ یہ بادشاہ اور باتوں میں نہایت پابند شروع تھے۔ اور یہ سب بیبیان مشرقی تصور کی گئیں۔ اور ان کے مصنفوں سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ان پادریوں کو اجازت چاہی ہو کہ تک نفی (از سیرا اسلام صفحہ ۲۱۹)

دہ اسٹنٹا ۲۱-باب ۱۸ میں دودھ دینے کے ایک ساتھ ہونے کے احکام موجود ہیں۔

۲- اخبار ۸ باب میں دو حقیقی بیٹوں کے ایک ساتھ چور دینے کی ممانعت موجود ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی بیٹوں کے دوسری عورتیں ایک ساتھ نکل سکتی ہیں۔

پھر حضرت ابراہیم جیسے مقدس و پاک نبی نے عین چور دینے میں اپنے سادہ - بوجہ - قلم - حضرت موسیٰ کی دودھ دینے میں - حضرت یعقوب کی چور دینے میں - موسیٰ کے بانی کی دودھ دینے میں - حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے بانی کی دودھ دینے میں - حضرت داؤد کے

سو جو روین کہیں اور من کے اس فعل پر بھی خدا نے الزام نہیں دیا اور اول سلاطین ۵۵۰ھ حضرت
 سلیمان کی سات سو جو روین اور تین سو حرمین تھیں (اسلاطین ۱۱۱۱ھ) حضرت سلیمان کے بیٹے
 ربحا کے، پھر ۶۰۰ جو روین اور ساٹھ حرمین تھیں۔ (تواریخ اب) "حضرت سلیمان کے پوتے
 ایماہ کے چودہ جو روین تھیں (تواریخ اب) "بدعون" کے بھی بہت سی عورتیں تھیں (تواریخ
 اب) اور عیساٰ اور حضرت یحییٰ کے بھی دو جو روین تھیں۔

عیسائوں میں ایک فرقہ "مورمن" نامی ہے ان میں ہر عیسائی کو تیرہ عورتیں رکھنے کی
 اجازت ہے۔

اور "مارٹین" و "قرنی" نامی ایک رئیس کو دو جو روین رکھنے کی اجازت دی تھی اور
 بعض جگہ "زمین و غیر صاحب فرمانے ہیں کہ انسان دس یا زیادہ جو روین تک رکھ سکتا ہے
 (مقامہ الصدق ص ۱۸۷)۔

حضرت مسیح نے اپیل میں کہیں نہیں فرمایا کہ کڑھار و اجبی منسوخ ہو گئی۔ اول تو مسیح کو حکام و ریت
 منسوخ کرنے کا اختیار ہی نہ تھا دیکھو (متی ۲۳) اور قطع نظر اس کے کسی مقدم پر یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ
 عورتیں کرنا ہر حرام ہیں۔ ان استدوتوں پر یہ فرمایا کہ یہ شروع میں خالق نے ایک ہی مرد اور ایک
 ہی عورت پیدا کی۔ اور یہ عورت مان باب کو چھوڑ کر مرد کے پاس جا رہی ہے اس لیے اس کو بچا نیست
 اختیار کرنے چاہیے۔ اور بار و مجتہد سے کہیں ہو کر رہنا چاہیے۔ طلاق لینا چاہیے رتی سیب)۔
 مگر اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح نے کثرت اور اجبی کی ممانعت کی۔ بلکہ اسل رخصت سے تو
 پہلے سے بھی کڑھار و اجبی کی وسعت ہو گئی۔ کیونکہ پہلے طلاق جائز تھی جسکی وجہ سے کڑھار و اجبی
 میں فی الجملہ خفست ہو سکتی تھی۔ اب طلاق بھی جائز نہیں ہے۔ جتنی شرعی عورتیں ہوں اپنے ہی
 پاس رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ان فریسیوں کا جو زمانہ مسیح کے واسطے آئے تھے۔ سوال طلاق ہی کی بجائے
 تھا کثرت و اجبی کے۔ روایات اور انہوں نے کی نسبت کی اول گفتگو تھی دیکھو۔ (متی ۱۵ باب ۳) اور
 فریسی اسکی زمانہ کے لیے اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کیا وہ ہے کہ مرد ہر ایک سبب سے
 اپنی جو رو کو طلاق دے۔ اس کے جواب میں مسیح نے فرمایا۔ اور سمجھا یا کہ عورت کو بے سبب محض
 میاشی کی خاطر طلاق نہیں دینی چاہیے۔ اس لیے کہ شروع میں خالق نے ایک ہی مرد اور ایک ہی
 عورت بنائی۔ اور کہہ کر اس لیے کہ مرد اپنے مان باب کو چھوڑے اور اپنی جو رو سے مل جائے اور وہ
 دونوں ایک تن ہوں گے۔ پس جسے خدا نے جوڑا انسان نہ توڑے۔ مسیح کے اس جواب سے اور

زمینوں کے سوال سے اُس کے سوا اور کوئی تجربہ منقطع نہیں ہوتا کہ مسیح نے عورت مرد کو ایک تن ہو کر رہنے کا حکم دیا ہے اور محبت و یگانہ بست رکھنے کے لیے مائل نہ فرمایا اور طلاق کی ممانعت کی۔
اس سے ایک ہی جو رد کرنے یا کثرت ازواجی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہے زمینوں نے مسیح سے طلاق ہی کا مسئلہ پوچھا اور اسی کا مسیح نے جواب دیا پس مسیح کی اس گفتگو اور طرز کلام کو کثرت ازواجی کی ممانعت یا عدم ممانعت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

کوئی صاحبان الفاظ سے کہ خالق نے شروع میں ایک ہی مرد اور ایک مرد کیلئے یکے کے ساتھ ایک دوسرا نہ تھا جن سے یہ الفاظ محض کمال حما و رجحانیت کی تاکید کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ کو ایک زور دے رکھنے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جواب کو سوال سے تعلق نہیں لے گا۔ سوال قطع طلاق کی بابت ہے نہ کثرت ازواج کی نسبت۔

اور حضرت مسیح کے اس قول سے کہ شروع میں ایسا نہ تھا یہ مقصود نہیں ہے کہ شروع سے کثرت ازواجی نہ تھی۔ بخانی سرائیس کے واسطے روا رکھے گئے اور اب منوع ہو گئے۔ بلکہ حضرت مسیح کے اس قول کا یہ مطلب ہے کہ شروع سے طلاق نہ تھی۔ کیونکہ اگر یہ سمجھا جاوے کہ شروع سے کثرت ازواجی نہ تھی تو یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم اسحاق وغیرہ سب کثیر ازواج تھے پس شروع سے ایسا نہ تھا۔ ان الفاظ کو کثرت ازواجی کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

اور سخت دلی کے الفاظ بھی محض طلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ زمینوں نے حضرت مسیح سے یہ بھی کہا تھا کہ پھر موتے نے کیوں حکم دیا۔ کہ طلاق نامہ اسے دیکر چھوڑ دے۔ انہوں نے سخت موتے کے مجوزہ طلاق کی حکمت پوچھی تھی تو اسی کا جواب حضرت مسیح نے دیا کہ تمہاری سخت دلی کے سبب تم کو جو رد و چھوڑ دینے کی جازت دی۔ پر شروع سے ایسا نہ تھا۔ یعنی زوالِ ریت سے پیشتر طلاق نہ تھا۔ تم کو فقط تمہاری سخت دلی و فسادِ قلبی کے سبب سے طلاق کی جازت ہوئی کیونکہ تم عورتوں سے حسنِ باشرت و حسنِ سلوک نہیں کرتے۔ پس کثرت ازواجی سخت دلی کا سبب نہیں بلکہ طلاق سخت دلی کا نتیجہ ہے۔

پھر زمین نے کثرت ازواجی کی ممانعت نہیں کی طلاق کو البتہ منع کر دیا تو اس سے کثرت ازواجی کو اور وسعت ہو گئی نہ کہ کچھ ممانعت ہو اور اس پر ایک اور دلیل ہے۔ کہ گو یہ سخت ہو جو کسی خاص قانون کے زیادہ جو بیان نہیں کرتے مگر اور بہت سے عیسائی فرقہ قند و ازواج کو جائز رکھتے ہیں جیسے امریکی میں فرقہ مارین اور بہت سے عیسائی بادشاہ عیسائی پادری جو روین کرتے ہیں۔

اگر کثرت ازدواج کو ترجیح دے روک دیا جائے تو وہ پورے رسولؐ کے خطہ میں بھی قید نہ لگائے کہ۔
 ایک کا گھبران پادری ہے عیسایک جو روکا شوہر۔ ہرگز کار۔ صاحب قیر شاہ۔ مسافر و مسافر
 (نظام دس۔ باب۔ ہے التام جو اور ایک ہی جو روکنا ہو دیکھیں (ابن) کیونکہ مسیح نے
 ایک سے زیادہ جو رو دیں۔ مگر سے روک دیا ہو تا تو ایک جو رو کی قید کی کیا حاجت تھی
 جس اس سے ایک احمق سے احمق ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اس ملک کا نصف سے طلاق
 سے کثرت ازدواج کو ہرگز نہیں روکا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں کئی جو رو دیں کرنے کا
 عام رو دن تھا۔ جی تو اس قانون کے غور کرنے کی ضرورت ہوئی۔

زمانہ سلف میں قوم میلاد اور اہل بابل اور اہل مشرق اور اہل غار میں کوئی تعداد ازدواج کی مقرر
 نہ تھی اس زمانہ میں بھی برہمنوں کا جائز نہ دیکھی ہے کہ جتنی بیویاں چاہیں کریں۔ تاہم زمانہ میں یہود
 کے قانون میں ازدواج کی تعداد شوہر کی استطاعت پر موقوف تھی۔ یعنی بیویوں کو نفقہ دے
 سکا ہو یعنی کر سکتا ہے ملاحظہ ہو کہ ڈورینگ صفحہ ۴۵ جلد ۱ اور اگرچہ وہ انہیں نے نصیحت کی ہے
 کہ ایک بی بی سے زیادہ نہ کرنا چاہیے لیکن فرد قراطیہ نے اسے اختلاف رائے کر کے ازدواج کی
 تعداد مقرر کرنے کے جواز کو تسلیم نہیں کیا۔ زمانہ سلف میں اہل قفس سے زیادہ تو کوئی قوم مذہب
 و شایہ نہ ملے گی ان میں بھی زوجہ ایک مال تجارت قابل لا انتقال وراثت میں بھی جاتی تھی اور وصیت
 کے ذریعہ سے بھی اس کا انتقال ہو سکتا تھا اور زوجہ ایک بلا بھی جاتی تھی جبکہ ہونا نظام غلامی کا
 اور افزائی نسل کے لیے ضرور تھا ملاحظہ ہو تورات صاحب کی تاریخ یہود و مشرکین جلد ۲ صفحہ ۲۳۳
 و ۲۳۴۔ اور اسٹیکلوٹید یا معنون (مکمل) ہر باشندہ افسس کا جائز تھا کہ جتنی بیویاں چاہے کرے
 یہاں تک کہ دناستیز سوخ یونانی نے فرو و باہات سے لکھا ہے کہ ہاری قوم میں تین عورتیں
 ہیں ان میں سے دوسری عورتیں شرعی یا نیم شرعی بیان ہو سکتی ہیں۔ دوسری میں بھی تعداد زوج
 کا رسم کم و بیش اس کا ایک جاری رہا ہے جبکہ قوانین مسطینین قیصر میں حرام کر دیا گیا کہ تعداد زوج
 قانون دیوانی میں حرام کر دیا گیا مگر اس کا نصف کا اثر لوگوں کے اخلاقی خیالات پر کچھ نہیں ہوا اور
 یہ رسم اس وقت تک عمل میں لایا گیا جب تک نظام جدید تمدن میں اس کی حاجت نہ رہی ملاحظہ ہو
 تاریخ کتب جلد ۲ صفحہ ۲۰۶) یہاں تا بی بی کے سوا اور سب بیویاں بڑی خرابی سے رہتی تھیں وہ کچھ
 حقوق نہ رکھتی تھیں اور قانون میں ان کا کچھ حفظ نہ کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنے متلون مزاج شوہروں کی
 گتیری کیا کرتی تھیں اور ان کی اولاد حرامی کہلاتی تھی۔ ترک پادری سے بالکل عروم اور کم ذات و بد قوم

مجی جاتی تھیں۔ سینٹ اگسٹائن جن کو عیسائی ایک بڑا پیشوا سمجھتے ہیں اور جنہوں نے لم دین مسیحی
 انگلستان میں جاری کیا وہ بھی متعدد ازولن کو مصیبت نہیں قرار دیتے بلکہ فراتے ہیں تعدد ازولن
 اس ملک میں گناہ نہیں جہاں وہ ایک آئین یا قانون ہو گیا ہو۔ اور اہم صاحب سمجھتے ہیں کہ
 سلطان جرمنی سو لہویں صدی عیسوی تک دوسری اور تیسری شادی کو پہلی شادی کے ساتھ
 جائز سمجھتے تھے جس صورت میں کہ اولاد نہ ملتی ہو یا اور کوئی ایسا سبب ہو۔
 پس جبکہ کثرت ازواج کا آغاز دنیا سے پہلے حال رہا اور انجیل میں بھی اس کی مخالفت نہ ہوئی اور
 تمام قوموں میں بھی مسلم ہے۔ غالب اس رسم مبارک پر وہی شخص اعتراض کر سکتا ہے جو دین و
 ایمان سے خارج اور انبیائے اسی کی سنت سے بڑا ہے۔ اور کثرت ازولن ہمارے ہی نبی کی
 سنت نہیں بلکہ سنت نبیائے سابق ہے۔

کثرت ازولن کی رسم تمام مذاہب تمام اقوام میں مروج رہی مگر سوائے اسلام کے اس رسم کو
 احسن طریق پر اپنے مذہب میں کسی نے شامل نہیں کیا۔ نہ اس رسم قدیم میں کسی نے اصلاح و تبدیلی
 کی۔ یہ اسلام ہی کا حصہ تھا کہ اس نے اس رسم میں نہایت عمدہ اصلاح کی جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔
 یعنی اسلام نے پہلے تو اس رسم کو گناہ قرار دیا اور بعد دیکھا۔ یعنی اشد ضرورت کی حالت میں
 بھی چار سے زیادہ عورتوں کا رکھنا حرام و ناجائز قرار دیا۔ اور پھر چار عورتوں پر بھی عدل و انصاف
 کی ایسی پابندی لگائی کہ سوائے اشد ترین ضرورت کے کوئی شخص اس پر عمل کرنے کی جرئت نہیں کر سکتا
 اس میں شہدائے قرآن مجید ہیں۔ چار عورتوں تک کرنا جائز قرار دیا ہے مگر اس کے
 پہلے نہیں ہیں کہ تہم فرض و واجب ہے کہ ضرور دو یا تین یا چار کر دیکھا جائے ہونا مرد و عورت
 اور مصلحت و مقصدائے وقت کے موافق اس پر عمل کرنا امر و نہی ہے اگر بصورت عدم ضرورت ایک ہی
 جو درہر ہمیشہ کے لیے کوئی اختیار کرے اور اس رسم پر عمل نہ کرے تو ہرگز گناہ گار نہیں کیونکہ یہ امر
 اباحتی ہے نہ وجہی۔ اگر ایک بھی ذکرے تب بھی کوئی حرام کام نہیں ہے۔ ان اختلاف ضرور
 ہے کہ اگر کسی عیسائی وغیرہ کو در جو کثرت ازولن کو حرام سمجھتا ہے کسی ضرورت و لاو وغیرہ کی وجہ
 سے دوسرا نکاح کرنا پڑے تو اسکی شریعت میں اسکا کوئی طعن نہیں۔ مگر اسلام میں اسکا خلاف
 موجود ہے۔ دنیا میں صد ہا چیزیں حلال و مشروع ہیں مگر اس کے پہلے نہیں کہ ان سب چیزوں کو
 ضرور استعمال میں لاوے۔ اسی طرح سے بشرط ضرورت و مقصدائے حالت تعدد ازولن کی جائزیت
 اسلام میں ضرور ہے مگر ضروری احکام میں سے ہرگز نہیں۔ یہ رسم اسلام کے پہلے ہی جسے ضرور

کے ساتھ بڑے اعتدالیوں کے ساتھ جاری تھے اسلام نے اس رسم کو جاری نہیں کیا۔ بلکہ اسلام نے جو کچھ اس رسم میں کیا وہ یہ کیا کہ ہر طرح سے رخصت بنان میں پہلے رسم تعدد ازواج کو محدود کیا۔ اور تعدد دکر نیگے بعد عدل کی شرط بھی ضروری لگائی کہ چٹکل کوئی آدمی نکاح ثانی کی طرف کر سکتا ہے اور عجز خاص خاص ضرورتوں کے اس رسم کو خوشی سے کم کوئی اختیار کر سکتا ہے۔ پہلے یہ سب کہ اس بارہ میں بھی حقدور دنیا پر قرآن مجید کا احسان ہے اور کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی انصاف و عدالت کا بھاری بوجھ گردن پر رکھ کر عام طور پر تو ایک ہی بیوی کا حکم دیا۔ لیکن چونکہ قانون قدرت ایسا ہی ہے کہ بعض وقت انسان کو اولاد کی خواہش اور بیوی کے عجز ہونے کے سبب سے بیوی کے دائی یا برونے کی وجہ سے یا بیوی کی ایسی بیماری کے عارضہ کی وجہ سے جس میں باختر ہرگز ممکن نہیں۔ جیسے بعض صورتیں خروج رحم کی ہیں یا بیوی کا زمانہ پیری جلد آنے کی وجہ سے یا اس کے جلد جلد حل ہونے سے یا ایک مرد کے نہایت قوی شہوت ہوئے کو جو سے تاکہ وہ صحت و عفت کو قیام کے۔ فطرتاً و سوری بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اعتدال و تعدد کے جواز کے لیے حکم دیا اور ساتھ ہی عدل کی شرط لگا دی۔ تو یہ انسان کی حالت پر رحم ہے نہ وہ فطرتی ضرورتوں کے پیش آنے سے اسے مکت کے تدارک سے محروم نہ رہے۔ پس ہم جسے زور دیتے ہیں کہ قرآن شریف نے تعدد ازواج کو بڑھایا!! ہرگز نہیں۔ بلکہ جہان تک ممکن ہو مٹایا اور محکم کر یک را اعتدال پر لایا۔

بمخلو اسباب تعدد ازواج کے بعض ایسے اسباب ہیں جو خاص طبقہ کے اشخاص سے متعلق ہیں۔ اور ان کے بیان سے معلوم ہو گا کہ بعض ممالک میں ضرورت نے کتنا اس رسم کو قائم کر دیا ہے۔ یورپ کے فاضلوں نے بھی اس تعدد ازواج کے اسباب کو دیکھ کر اس کی ضرورت کو قبول کیا ہے۔

مصنف موسیو ہلی اپنی کتاب "مشرقی اقوام مزدوری جینیہ" میں کاشتکاروں کے تعدد ازواج کی ضرورت کو دیکھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ نہ فقط رسم ضرورت کی وجہ سے قائم ہوتی ہے بلکہ خود زمین جو حضرات اس کے اپنے خوبرو کو با صراحت دوسری شادی پر آمادہ کرتی ہیں وہ جو مکہ خاندان میں بڑی بیٹی کی بسمت کم سن شادی کرتے ہیں انکی پہلی بیویاں کئی اولاد میں جتنے کے بعد صحت ہی جلد بڑھتا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ خود جوان رہتے ہیں ایسی صورت میں خود انکی بیویاں انھیں دوسری شادی پر آمادہ کرتی ہیں اولاد دوسری شادی کی اجازت دیتی ہیں۔

البتہ اس امر سے تعجب ہونا ہے کہ کوئی حکومت خود اپنی رضا مندی سے یوکر سوچ کے کسی اور ادارہ
 ہوتی ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے ان طبقات میں خانداری کا سارا کام مستند
 حکایت وہ کون بنو خود و عورتوں ہی کو کرنا پڑتا ہے جو نکاح کا شکار وہن میں عورت گزین نہیں
 بیچ سکتی ہے اپنے فرض کے اور کرنے میں مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ مدد خود و عورتوں
 سے مل سکتی ہے یا لونڈیوں سے۔ عزیروا فرما بائنا نصین مدد دینے کے لیے کم ملتے ہیں۔ اور قد بائنا
 اور کربہ حسب غار کے تصرف میں آجاتی ہیں جس سے انہیں اور مگر بیویوں میں رقابت پیدا
 ہو جاتی ہے۔ پس آسانی خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایسی صورت میں بی بی بی بی جس کی عورتوں ہی
 اور فرض خانداری پر مدد ہے جن خود ہی اپنے شوہر کو نکاح دیتی ہیں اور کوئی اور
 ایسی مصنف لکھتا ہے کہ عورتوں کا تعداد ازدواج کے ہر سبب سے کہ مشرق میں کو بیٹھ گھراؤ اور
 ہونے کی ہوس ہوتی ہے ان کی نظروں میں لاد لہ ہونے سے زیادہ کوئی مصیبت انسان کے لیے
 نہیں جو سکتی چند شے ہونے پر ہی، لگے ہمیشہ غلامی زبدا واد کی رہتی ہے اور اس ایک فرض
 کے حاصل کرنے کو وہ یکے بعد دیگرے متعدد بیویوں سے شادی کرتے ہیں اس محقق نے یہ بھی
 لکھا ہے کہ اس قسم کے تعدد ازدواج میں بیویوں میں باہم کسی طرح کی رقابت یا عداوت نہیں ہوتی
 اور ہر سبب سے بے رعب کے تعصبات کی وجہ سے یہی حال معلوم ہوتا ہے لیکن بعض اس وجہ سے
 اسی گمان رسوم کو ہم اپنے ہی خیالات کے مطابق جانتے ہیں۔ اور انکو ان اقوام کی نظر سے نہیں
 دیکھتے جن میں یہ رسم جاری ہیں۔ کسی تعصب کو دور کرنے یا پیدا کرنے کے لیے ایک زمانہ و زمانہ
 چاہیے اور یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس مشرقی تعدد ازدواج کی رسم کے مطلق ہیں اپنے خیالات کو
 مستند رہنے کی ضرورت ہے علی الخصوص جب ہم اس قدیم زمانہ پر نظر ڈالیں جس میں ایک ہی
 عورت کل خاندان کی بی بی ہوتی ہے۔ یا اسی زمانہ کی بعض اقوام کو دیکھیں جن میں آن بی ایک
 عورت کی بھانجیوں کی بی بی ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح سے، رسوم بدل گئے اس طرح عدم تعدد ازدواج
 بدل کر تعدد جائز ہونا چاہیے۔

ادنان ڈیوینورٹ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب میں ایک سے زیادہ
 بیویاں کرنے کا قدیم سے رواج تھا۔ آپ کے احکام میں جتنے آنحضرت کی تعلیم نے کثرت نکاح
 کے طریق پر حائل مشرق میں بہت رواج پایا تھا کہ کر دیا جیسے گناہا۔ وہ لوگ حلالہ کثرت ازدواج
 کے اپنی رشتہ دار عورتوں سے بھی غریب ہو کر رہ گئے۔ مگر آپ کی تعلیم سے وہ تین یا کل عورتوں

ہو گئیں کوئی آدمی ایسا نہیں جو قرآن شریف کو پڑھے اور اس کے دل پر خوف کا اثر نہ ہو حقیقت میں
 یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے مذہب اور دنیاوی کاموں سے بیکاری کرے اور پھر اس کے مذہب میں بالکل کامیابی
 ہو جائے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اس مذہب کے مسائل کی کتنی ہی زیادہ تر اس کی کامیابی کا باعث ہوتی ہے۔
 اور پھر صفحہ ۲۲ میں لکھتے ہیں۔ مشرق میں بہت سے مکمل کر کے کی رسم حضرت ابراہیم کے
 وقت سے چلی آتی تھی اور یہ بات انجیل کے صفحوں سے ثابت ہے کہ یہ رسم انجیل کے زمانہ میں
 بھی پوری خیالی نہیں کی گئی۔

ایسا ہی "دیرو فیرو" اس صاحب اسلامی تعلیم کے اعتدال کی تعریف کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ
 جب میرا مذہب کچھ دین اور نام غلط دین پر خیال کی جاوے تو شاید ایک فلاسفر
 دین اسلام کی خوبی اور صفائی اور عقائد اور سادگی اور اس کی بناوٹ سے پاک ہونا دیکھ کر
 آہ کہے بغیر نہ رہے۔

"دیرو گین" صاحب "ابنی تاریخ" میں لکھتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں یہودیوں میں جو روین کرنے کی
 کوئی حد نہ تھی سوار جو بیوں نے بنی داؤن کو بھیجے لیے مسلح کر دیا تھا۔ ایسا ہی عرب میں بھی
 ہوا تھا جس جو دن رکھتے تھے اور ان کے خواتین عادت یہاں تک بگڑ گئی تھی کہ میراث کے لئے کچھ
 باپ کی ملکوت عورتیں بھی باہر لے جاتے تھے۔ اور تمام عورتیں ملا کسی خیمہ کے مردوں کے وستان
 خواہشوں کے لئے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے
 پرست تھے ایک ایک عورت کے کئی حصے ہوتے تھے۔

اور ہندوستان کی قدیم رسم کی طرح یہ رسم بھی بے شک جاری تھی کہ جب اپنی معمولی عادت کے بعد
 غسل سے فارغ ہوتی تو بخت عبادت ہر اسکو کھانا کھانے شخص کو طہاریت اور غسل کے آثار ظاہر ہونے
 تک بڑی احتیاط کے ساتھ چلنے پھرنے کے لئے گناہ کش رہنا اور اس سے یہ غرض ہوتی کہ بچہ شریف و نجیب
 شخص کے جسم سے پیدا ہو۔

اور اس سے بڑھ کر یہ رسم تھی کہ چند آدمی جو ستار میں دس سے کم ہوتے اکٹھے ہو کر باری باری یکے بعد
 کے پاس جاتے اور اس سے ہم بستری ہوتے۔

اور پھر لکھا ہے کہ حضرت نے ان سب فرماہوں کو دور کر دیا۔ اور کھانہ کو ایک معاہدہ قرار دیا اور
 ہر ایک فرما کو دور کر دیا اور تشریح کر دی کہ کن کن عورتوں کو عقد میں لانا چاہیے اور کس تک۔
 اور وہ عورتوں کے لئے جو عقل و اخلاق کے برخلاف نہیں۔ اور جب ہم عرب جاہلیت کی کثرت

اندول اور اس طرز سلوک کا خیال کرتے ہیں جو وہ اپنی عورتوں کے ساتھ کرتے تھے اور پھر اس حالت پر غور کرتے ہیں جو اسلام کے طفیل سے ان کو حاصل ہوئی۔ تو ہمارا دل ایک فخر و تہنیت سے بھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ نہ اس کے دل پر اس قسم کا تصرف کہ جس نے ان شہوت پرستوں کی حالتوں کو بالکل بھیر دیا ہے نہ وہ ربانی تصرف تھا۔

اور ”ایزک ٹیلر صاحب“ نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت بحث کرتے ہوئے قہر و برہن کے حجت گائریس کے اوپر اپنی رائے منجیل بیان کی۔

”تعداد اندول ایک بڑی حق مسئلہ ہے۔ موسیٰ نے اسکو نہیں روکا۔ اور داؤد جب کا دل خدا کا ساتھ اسکو عمل میں لایا۔ اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے۔ محکمہ خداوندی کی بجا اجازت کو محدود کر دیا۔ تعداد اندول کے سبب مسلمانوں میں بدکاری کم ہے۔ بلکہ خیر دار ہونا چاہیے کہ شاید ایک برائی کو بوقت دور کرنے میں ہم اسکی جگہ ایک س سے زیادہ برائی برائی قائم کر دیں۔“

”مشترک لائبل“ جو اس زمانہ کے دنیا میں ایک نہایت مشہور شخص ہے اپنی کتاب ”ہیزو زائٹڈ ورشپ“ کے ٹیکر دوم میں لکھتے ہیں: ”کہ اسلام کی سیل الی شہوات کی نسبت بہت تقریریں اور تحریریں ہوتی ہیں اور یہاں عزائمات نفاذ کی حد سے جرح کر دین وہ حالتیں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جسکی پر داغی بنی عربی نے دی وہ خاص انکی ایجاد نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہ یہ کہ انکو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرح سے بلکہ کئی پہلو سے ”مشربان ڈیو پورٹ صاحب“ مانیٹنگو کی رائے بون نقل کرتے ہیں کہ گرم ملکوں میں عورتیں (۱۰ یا ۱۲ سال کی عمر میں نکاح کرنے کے لائق ہو جاتی ہیں۔ پس ان ملکوں میں عین اور نکاح کے لائق جوانی کو یا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے (۲۰) برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہے۔ پس اس لیے ایک قدرتی بات ہے کہ ان ملکوں میں جب کہ کوئی قانون منع نہ ہو تو انسان ایک جو رو کو طلاق دیکر دوسری کرے اور تعداد اندول کا قاعدہ جاری کیا جاوے۔“

”مشربٹنگس صاحب“ لکھتے ہیں کہ علم قوانین انسانی اور علم طبیعات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسے دریافت کیے ہیں جو تعداد اندول کے واسطے بطور ایک عذر کے تصور ہو سکتے ہیں اور گو اہم شمالی ملکوں کے مرد و عورتوں کے سے مزاج کے جائز اندول سے متعلق نہیں ہو سکتے۔ مگر بنی اسماعیل سے جو گرم و گیتان کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ بستر ذیابہ اوسلی صاحب کے مجموعہ متضمن حالات ایشیا صفحہ ۱۰۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے
 ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دو نوزد یعنی مرد و عورت میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو
 یورپ کی آب و ہوا میں نہیں جہاں دو نوزد برابر اور بدستج عالم خفیفی کو پھوپھتے ہیں۔ مگر
 ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہ باسٹ حاصل ہوئی کہ خفیفی میں بھی قوی اور طاقتور ہوتے ہیں مگر
 یہ باسٹ سچ ہے تو بایں اسلام کے لیے اس بات کی کہ ان خون نے تعدد از ولج کی جائزت ہی کی
 ایک بڑی وجہ یہی ہے۔

اور عقلی طور پر تعدد از ولج کا ثبوت حث بل سے ہر
 (۱) خدا نے مرد میں قوت بہ نسبت عورت کے زیادہ رکھی ہے فطرتی امر اس بات کا مقتضی ہے
 کہ مرد کو ایک سے زیادہ نکل کی جائزت دی جائے۔
 دلیل ہماری دعویٰ پر یہ ہے کہ "ڈاکٹر نیکلر کے ذہن کے جو سپروڈس جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ طبع چھاپہ
 میں لکھا ہے یہ کہ مرد کو قابلیت نطفہ دینے کی سو برس کی عمر تک ہے۔
 اور "ڈاکٹر کرنگ" نے (۷۸) سال کی عمر لکھی ہے۔
 اور "ڈکلیئر" نے (۷۰) برس کی عمر سے (۷۵) تک۔
 اور "ڈکلیئر" نے (۸۲) سال۔

بیان کی کتاب "ڈیکل جو سپروڈس ص ۳۱۰ پر کیس نے (۹۰) سال کی عمر تحریر کی ہے۔
 عجب نہیں یہ اختلاف بہ سبب اختلاف بلاد اقلیم کے ہوں۔ اور ممکن ہے زیادہ سانی میں اس سے
 زیادہ عمر تک مرد کے نطفہ میں قوت پکڑنے کی ہو۔

تخالف عورت کے کراسکو حاملہ ہونا۔ درودہ۔ کی زنا اٹھانا۔ دودھ پلانے کا توبہ۔ حیض و ہستی امن
 کا درود۔ یہ سب اُسکی قوت کو کھاتے ہیں اسی وجہ سے بنا برترحم مکتبہ کی نے پچاس سال۔
 خواہ پچیس سال اور ہمارے بئی کے قول سے قریشی عورت میں (۶۰) سال کی عمر سے زیادہ
 اسپرنگ کا رہ نہیں نکلا ہے۔ اور اسی عمر میں اس کا خون حیض بند ہو جاتا ہے۔ اور جب خون
 حیض بند ہوگا پھر عورت کو مرد کی خواہش باقی نہیں رہتی اور نہ عورت میں بارور ہونے کی
 صلاحیت رہتی ہے بل اس عمر میں ہم بھری مرد کی بہ خیال صلاح ہوتے نطفہ کے بیکار ہے
 اور بنا برحقین حال پندرہ سال بعد اس کے کہ نرسن مرد کے بھی قابل ہم بھری نہیں پس جبکہ سو برس عمر
 کے عورت (۴۵) سال قابل ہم بھری کے ہیں۔

اس سال (۳۵) سال میں دو بھی موانع ہیں۔

۱۔ زمانہ حمل و زمانہ دودھ پلانے کا بچہ کے سے ۲۹ ماہ زمانہ حمل اور اکیس ماہ دودھ پلانے کے برابر شریعت محمدی جلا (۳۳) ماہ ہونے کا حصلہ و فصالہ فلثون شہل ۱۴ اور اگر اس زمانہ رضاعت کو زائد کچھا جاوے تو اقل بارہ مہینہ میں جب کہ دانت بچہ کے نکل آویں تو اس حساب سے بھی (۲۰) ماہ ہوتے۔

یہ زمانہ بھی مختار بہت کے واسطے بنانا مناسب ہے۔ پہلے کہ زمانہ حمل میں نطفہ مناسیح ہو گا اور وہ زمانہ جس میں بچہ دو دھ پیتا ہے۔ اگر ہم بستی سے نطفہ نہر گیا تو اس شیر خوار بچہ کو ضرور بھونکے گا اور خود مرصف بھی پیدا کر دے ہو جائی جس کے احتمال سقاط کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر نطفہ نہ قائم ہوا تو بیکار ہو گا۔

آپ کو یہ خیال اس مقام پر ہو گا کہ دوسری عورت سے دودھ پلویا جاوے تو یہ عزیمت پھر تہہ نہیں اس خیال کے چند جواب ہیں۔

(الاحت) یہ کہ ہر شخص کو مقدورست نہیں ہے کہ وہ رکھے

(ب) وہ جو کہ دودھ پلانے کی واسطے مقرر کیا وے۔ تو آخر اس کے بھی جتنے کے دن ہیں وہ کیوں اولاد سے محروم کر دیا وے جو خرابی اپنے بچہ کے دودھ پلانے میں متصور ہے وہی دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانے میں۔ اور دوسرے عیب خدا کے بیان ایک ہی عزیمت ہے جن میں اس صورت میں زہر، گران امرض سے بچے تو مر صفیئے دیئے ان تکلیف میں مبتلا ہوگی۔ (ج) اگر ان عورتوں کو جو خود دودھ نہیں پلاتی ہیں اور وہ اب رکھ کر بچوں کی پرورش کراتی ہیں دیکھا گیا ہے کہ ایک بچہ جن کو کوفرا غیب ہوئی اور دوسرے حمل کا سامنا ہو۔ چند بار حمل جلد بچہ ہونے سے پھر ان کو یہ ضعف و اضمحلال و انواع انواع قسم کے امراض و شکایات ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بہت کم سنی میں وہ ناقابل ولاد و ناقابل بہتری ہو جاتے ہیں۔

بہر حال بفرض کر دے کسی عورت کے دس بچہ ہوئے اور سب نہ رہے۔

پھر چونکہ ہر مرتبہ ولاد سے دودھ پلانے میں لا اقل اکیس ماہ صرف ہونے تو اس حساب سے (۳۵) سال عورت کی ہم بستی کے ایام باقی رہے تھے اس مدت قاطبہ میں سے (۲۱) ماہ یعنی (۱۴) سال (۵۶) مہینہ کرنے سے (۲۴) سال (۶۹) ماہ قاطبہ ہم بستی کے رہے۔

(۲۳) اس ستائیس سال چھ ماہ میں ایام حیض کے سے کم فی ماہ (۳) یوم اور زیادہ سے زیادہ فی ماہ دس یوم۔ اور یہی عورت قابل ہم بستری کے نہیں جس کا ثبوت آئندہ ہم بیان کریں گے۔ بہر حال اگر فی ماہ دس یوم حیض کے فرض کرو تو (۲۴۔ سال۔ ۱۰ ماہ) میں سے فی سال ایک سے تیس روز کے واسطے سے ۲۴ = ۳۰ = ۳۳ یوم یعنی نو سال دو ماہ ہوئے اب وہ سال ۱۰۰۰ میں بیکار رہے ستائیس سال کے قابل ہم بستری کے باقی رہے۔

اور اگر فی ماہ تین یوم حیض کے رکھو پھر بھی دو سال اور نو ماہ ساڑھے ستائیس سے حکم۔ چوبیس سال اور نو ماہ قابل ہم بستری رہے۔

پس عورت چوبیس سال اور نو ماہ قابل ہم بستری رہی۔ اور مرد کو سو برس میں چند سال ایام قابلی منہا کر کے پچاسی سال تک قوت نطفہ قائم کرنے کی رہی پس مرد کو عورت سے رگنی سے بھی زیادہ قوت ہے۔ اور اگر ایام حیض کی مدت فی ماہ دس یوم قرار دیں تو مرد کی قابلیت کی مدت چوبیس سے بھی زیادہ ہوئی۔ اس بنا پر اگر شریعت نے مرد کے واسطے چار عورتیں اور عورت کے واسطے ایک ہی مرد جو زکیا تو کیا بے انصافی ہے۔ یہ حکم اس حدیث سے بھل ہوا ہے۔ اب خیال تو فرمائیے کہ مرد کی قابلیت کی سیاد پچاسی سال اور عورت کی قابلیت کی مدت اٹھارہ سال چار ماہ اگر اس اٹھارہ سال چار ماہ کو پچاسی میں مجرے دین تو جیسا آٹھ سال اٹھارہ ماہ مرد بیکار محض رہا۔ اتنی مدت تک مفت نطفہ اس کا صلاح ہوا۔ اور یہ کیسے ظلم کی انتہی۔ (۲۴) فطرت یعنی قانون الہی (خبر) نے سلسلہ توالد و تناسل حیوانات کا نمونہ زیادہ کے ذریعہ سے براہ عادت رکھا ہے۔ بہر حال زن و مرد کا پیدا کرنا خود وہ ہونا کسی طریقہ سے فرض کر دینا اس سے توالد اور بقا نسل ہے جو امرایم ہے۔ اور توالد و تناسل کی زیادہ مقدار کی ضرورت و سوج سے ہے کہ خاندان کے اسباب نسل و بارگاہیوں "گزیدہ حشرات" قصاص و خود کشی وغیرہ ایسے حادثات ہیں کہ اگر کثرت سلسلہ توالد جاری نہ رہے تو چند سال میں نوع انسان کا بے بھی نہ رہے۔ اسی وجہ سے جو نسل مجرہ قطع نسل ہے براہ فطرت جرم سنگین قرار دیا ہے۔ اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام نے بھی پوری سزا ایسے فعل کی جو زندگی مشہور کو نامرد بنانا عورت کو باطل کو دنیا۔ فعل کا اسقاط کر دینا وغیرہ بلکہ رحم سے باہر مرد کو اپنی منی کا گرتا خواہ جلق و تہجد جو قبیح طریقہ انزال کا ہے یہ بھی بانیان شریعت نے جرم اور گناہ کبیرہ فرمادیا ہے۔ پھر جب زن و مرد کے باہمی تعلق کی اصلی غرض بقائے نسل تہری اور بقائے نسل کا یہ حال ہے کہ مرد اپنی عورتیں کرے

جنہی زیادہ اولاد بھی ہو سکتی ہے۔ اور عورت دس شوہر کر کے بھی ایک بچے سے زیادہ نہیں
 جن سکتی، یہی سے حکمت اتنی اسکی مقتضی ہوئی کہ مرد کو اس نے کئی عورتوں کے واسطے اور عورت
 کو ایک ہی شوہر کے واسطے پیدا کیا۔ اور جبکہ مرد اگر توالہ و شاسل ہے تو اگر ترک تعدد کرے گا
 تو موجب ہوگا ظلم توالد کا۔ اور یہ صلاح نوحی کے خلاف ہے، اور ظلم ہے۔ اور ظلم حکمت اخلاق
 کی بڑی بدتر سے و ترصفت ہے۔

(۴) خدا نے اپنے مخلوق سے کوئی دو چیز بن مساوی نہیں پیدا کیں اس قیاس کے مطابق مرد
 و عورت کی حالت میں بھی تفاوت ہے۔ یعنی یا مرد و عورت سے فضل ہو گا یا عورت مرد سے
 افضل ہوگی۔ اور چونکہ مرد کی فضیلت ہر حال میں اور ہر آسمانی کتاب سے ثابت ہے۔ اسلئے
 مرد وہ ہے کہ مرد بہت سی خدمت کرنے والوں کا حق ہو نہ اس کے خلاف عورت۔ انجیل میں ہے
 کہ کوئی آدمی دو خاوندوں کی خدمت نہیں کر سکتا (متی ۲۳) مگر ایک خداوند بہت سے
 خادموں سے خدمت لے سکتا ہے۔

۱۔ حکمت اخلاق میں علاج امراض روحانی کا یہ لکھا ہے کہ جس مرض میں مبتلا ہو۔ اور جس
 چیز سے قائل ہو اسی میں جہاد کرنے سے اکثر وہ مرض نازل ہو جاتا ہے۔ پس بخدا امر میں علاجی
 مرض حسد ہے۔ کہ جو بہت غلیظ ہے اور بیخ و سرخید دیگر امراض کا ہے۔ اور مرض حسد اکثر شوخ و
 عارض ہو، کرتا ہے خصوصاً سوتیلی کا حسد پس شریعت نے کثرت ازدواج کو معین کر کے عورتوں کی
 خلائی درستی کر دی اور رفتہ رفتہ عادی ہونے ہوتے عورتوں سے یہ مرض دفع ہو گیا چنانچہ اس
 گروہ کی عورتیں جن میں کثرت ازدواج کا بہت رسم ہے۔ کم حسد کرتی ہیں۔ بلکہ اکثر میں مادہ حسد
 اس بالکل باقی نہیں رہتا ہے۔

۲۔ اگر یہ اعتراض کر دے کہ مرد میں بھی مادہ وقاحت بھرا ہوا ہے کیوں نہ عورت کیواسطے اولین شوہر چھوڑ
 کر کے اس مادہ وقاحت کو دفع کیا جائے۔

جواب اسکا یہ ہے۔ کہ مرد کا عورت پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ سو اسلئے کہ عورت کے دو شوہر نہیں
 سبب مد مضرت ہیں۔

(اعت) دو حاکمون کے برابر سے حکومت ایک حکوم پر نہیں ہو سکتی اور یہ امر موجب فساد
 بنا ہے۔

(ب) ایک عورت دو مردوں کی مگرادی نہیں کر سکتی ہے۔ بلکہ ایک عورت ایک ہی گھر کی پوری

مگر داری نہیں کر سکتی جو وقت کفر خط و لاد کی ہو اور کارہ بار مگر کا ترقی پر ہو۔

روح آشوبہ و ن کے متعدد ہونے میں معاملات و داشت میں نقص عظیم ہو جاتا بلکہ کیسے ہی فیصلہ ہو سکتا
اور یہ مذہبات جو سکھاکر کون اولاد کس شوہر کے لفظ سے ہے اور جب یہ مذہبات ہو تو متروکہ پر ہی
میں مابین اولاد تقسیم نہ کر کے محال ہوتی۔

پس شریعت اسلام نے عورتوں کے ناجائز حصہ کو مرد پر تعدد از دلج کو جائز کر کے رد کیا اور
مرد میں قدرتی مادہ و ثابت نے عورتوں کو اس بد فعلی سے بچایا یہ حسین نہایت خرمیان عقلی و اخلاقی تھیں
۶۶ قوم کی ترقی اور مذہب کی ترقی کا تعدد از دلج پر بہت بڑا اثر ہے ایک شخص تعدد
از دلج سے بہت سی اولاد میں ہم بھونچا کر ایک قوم بنا سکتا ہے سی طرح سے ایک مذہب والا
کسی غیر ملک میں بہت سے ازواج کر کے ایک کالی تعدد اپنے مذہب میں بڑھا سکتا ہے۔

۷۷ بہ نظر اصول قدرتی اصلاح امور خانگی کے لیے کبھی ہم کو دو خواہ زیادہ زوجہ کی ضرورت
ہوتی ہے اور اس کے نظائر گھنے میں طول قریہ کا خوف ہے۔ اگرچہ یہ ضرورت شاذ و اتفاقی ہے
مگر چونکہ قانون انعام ایسا عام و کار ہے کہ دائمی اور اکثری اور اتفاقی سب صورتوں کو شامل
ہو سکتا اور مابا مصالح اب اللہ جیسے جہد و تم کو خوش آئند اور پسندیدہ ہو دو۔ اور تین۔ اور چار
نکاح کہیں کر کسی کی پوز ہو سکتا ہو تو اسکی خانگی حالت پر نظر کیجیے تو معلوم ہو کہ کس قدر فسادات
خاندان میں اور نزاع امور ریاست و غیرہ میں نہتے ہیں۔ کہ ریاست کا سرمایہ اور جائداد
خانہ دہی پر زہ پر زہ ہو جاتی ہے۔ عورت کی بدستگیری سے تمام مہر جاہ و بر باد ہو جاتا ہے
کوئی ان جنگلیوں کے دل سے پوچھے جسکو ہماری عورتیں بہ تندی معلوم ہوتی ہیں۔ اور پورانی
نیلیم یافتہ عورتوں سے قطعی نفرت رکھتے ہیں اسی وجہ سے کھڑاؤں میں کے یزیدوں کو ملا کر اپنے
مگر کا نظم و نیر عجز کرتے ہیں تو اب فرمائیے جو لوگ اس مرد کے خاندان میں کہ زوجہ ایسی ہو کہ جو
جفرایا۔ حکیمانہ۔ لاجب۔ بلکہ قانون یا اس کہنے پر سزا یافتہ ہو جی اور کلکاری کے منصب کو
انعام دے سکیں عباد کی آدمی محنت ٹاسکے صبح و شام ٹمپر سوار ہو کر سربازار کھڑے۔ تو پھر
وہ کیونکر اپنے فن کی عورت سے بر کر سکتے ہیں۔

پھر اب وہ فرمادیں کہ وہ اپنی پہلی پھر بیوی پر تنہا کیوں کر انکار سکتے ہیں پھر اس کے کہ یا تو
تھوڑی دیر کے واسطے ہے معتقد ویر و سنت اسلام کے بن جاوین یا دھڑا دھڑا کرنا
شرعی کر دین۔

۱) کچھ خشک نشین کے مخلوقیت میں گوشتاہی اختلاف ہو مگر ایک نسبت ان میں ضرور ہے بعض استعمال میں لایا ہوا ہے اور بعض قابل استعمال میں ہے جان چیرین جانداروں کے استعمال کو پیدا ہوتی ہیں جانداروں میں حیوانات کو دیکھا جاوے تو اس میں خشک نشین کہ سب حیوانات حضرت انسان ہی کی خدمت کو پیدا ہوئے ہیں حیوانات سے بڑھ کر خود انسان کی صفوں (مرد و عورت) میں بھی یہ نسبت ہے۔ بیشک مرد استعمال میں لانے والا اور عورت قابل استعمال ہے جس کے ثبوت میں فطری - عرفی - مذہبی - شواہد موجود ہیں۔ پہلے فطری شواہد سنو۔ (۱) غرض از دون میں مرد مستعمل اور عورت مستعمل ہے کیونکہ جب تک مرد جلع کرنا نہ چاہے عورت اس سے جبر نہیں کر سکتی ہاں اگر مرد جبر چاہے تو ممکن ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرد استعمال میں لانے والا ہے۔

۲) جب اگر جماع و استعمال مرد کو عطا ہوا ہے نہ عورت کو۔

۳) (۱) اول دیکھو پرورش میں مان کا تکلیف شاذ اٹھانا حالانکہ وہ نطفہ مرد کا ہے اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ عورت مثل ایک مرد درکے ہے۔

دلائل عرفی

(۱) عموماً شادی کر کے خاوند عورت کو اپنے گھر کے حاکم بنا دیتے ہیں ہوتا کہ عورت مرد کو باہر لادے۔

(۲) بازاروں میں عورتوں کا زمانہ کے لیے رہیں ہو کر بیٹھنا اور مردوں سے عورتوں کیکرنا کرانا کافی ثبوت ہے کہ عورت بھی من گراں شیاؤ خریدنے کے ہے۔

(۳) عورت کا محل کی تکفین اٹھانا بجز عی بنا ہر مذہب کے یہ کاپ کی نسل سے ہوتا کافی دلیل ہے۔

(دلائل مذہبی)

(۱) اہل سنت و جماعت کی صورت کی صورت غلط ہے اور مرد و عورت کی صورت غلط ہے اور عورت کی صورت غلط ہے۔

(۲) سب ہم داروں کی پیدائش ہے۔

(۳) منوچہر غم اور غم دونوں میں غم بڑا ہے سب جانداروں کی پیدائش غم کے شان سے جانی جاتی ہے۔

(۴) (۱) اظہار کے لینے کے لیے عورت سے بیوگ کرنا۔

(۲) حتیٰ میں عورتوں کو مردوں کی تائید داری کرنے کا حکم ہے۔

ان خواہد سے صاف معلوم ہو کہ جویت مرد کے لئے بمنزلہ خادمہ کے ہے یہی مسئلہ جوہر کے
میں اس قدرتی نسبت کے بتلانے کو ضد کی قدرتی کتاب کی یہ ہدایت ہے ۱۲ لوجہ جالی قدامت
علی النساء بما فضل الله بعضہن علی بعض و بما الفقوا یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہے
دو وجہوں سے ایک تو قدرتی فضیلت سے جو خدا نے مردوں کو دی ہے دوسرے ہوجہ
کہ مرد اپنا مالی بخر خرچ کرتا ہے۔

پس ان وجوہ سے ثابت ہو کہ ایک مسئلہ کو جنہی مسئلہ کی ضرورت ہو یا ایک حاکم کو جنہی محکوم
کی ضرورت ہو عقل ضرورت کی امانت دینے کی کلفت کے ایک محکوم دو عاکون کی حکومت اور
ایک قابلِ استعمال شے دو استعمال میں لانے والے کے استعمال میں ایک وقت میں نہیں آ سکتی۔
کسی ضرورت تعدد و ازولن کی بہ سبب اختلاف مزاج طبعی زن و مرد کے ہوتی ہے مثلاً مساحت
رحم زن و ازناسل مرد میں مطابقت نہ ہو اس لیے کہ توافق انزال مرد و زن جو استقرار و اعتدال کی شرط
ضروری ہے۔ بدون مساحت و استواء براہِ تجربہ و دلیل عقلی محال ہے۔ یا موافقت شکل عروق و
رحم و ازناں مرد۔ خواہ شکل استوائی اگر اس میں بھی موافقت نہ ہوگی تو موجب یزائے دخول ہوگی۔
یا مکرر رتی کا ہونا جو مانعِ جماعت ہوتا ہے۔ یا بانجو ہونا عورت کا ان امراض وغیرہ میں مبتلا
ہونا عورت کا کہ جن میں اکثر الامراض ہیں۔ ایسی صورت میں اگر شریعت ہم کو دوسرے عقد کی
اجازت نہ دیتی تو ضرعی ظلم ہے۔

اس مقام پر پھر صاحب کا ایک اور اعتراض مسکوع ہو چکا ہے کہ۔ ہذا یہ مرد شماری یا مراثیت
ہو اسے کہ مردوں کا شمار دنیا میں عورتوں سے ہمیشہ سے زیادہ رہتا ہے اور عکس همین یہ ہے
کہ مردوں میں جو یہ تعب سفر فتنی اور تری اور جنگ و جدل کے ابواب زیادہ واقع ہوتے ہیں
اسی زیادتی کے مقابلہ میں عورت نے شمار کا زائد رکھا ہے تو جب مردوں کا شمار عورتوں سے
زیادہ شمار تو اب شریعت سلام میں ایک مرد کے چار یا بیویان برابر تمام عالم کے خلاف
ہے یہ کسی شریعت ہے کہ جسکی پابندی سے ایک حصہ مرد بے زن کے رہے جاتے ہیں اور
باغرض اگر عورت مرد برابر ہی ہوں جب بھی کیے نہ کر سکتی ہے کہ ایک مرد چار یا دو جائین کر لیں اور
کوئی مرد بیکار رہے زدیہ کار ہے قد داس وقت میں مناسب ہوتا جب مردم شماری میں عورت کا
تعداد مرد سے متجاوز گئی ہوتی۔

پہلا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ پھر صاحب کی کیا دلیل سخت پر اس مردم شماری کی ہے یہ وہی وہی

کی نسبت ہمارا کلام نہیں ہے ممکن ہے اون ملکوں میں صبح صبح جاتے ہوتے ہوں۔ مگر ایسا تو
 افریقہ یا بعض ہندوستان کی مردم شماری تو یقیناً غلط ہے آپ اگر تائید یہ بھی ہم چاہنا چاہتے
 دیکھتے ہیں تو ہم کو نہ صرف اس مردم شماری کے ایمان لے آئیں بلکہ آپ کہیں گے افسوس
 ہونے پر کیا دلیل ہے۔

اب سنئے بہت سے تجربہ و مشاہدہ ہمارے اس پر دال ہیں (۱) یہ کہ دیہات و قریات میں
 جنگلی و پاسی جو فوائد مردم شماری سے بالکل جاہل و ناواقف ہیں یہی مردم شماری کرنیوالے
 ہوتے ہیں۔ اکثر ان کو ہزاروں طرح کے شہادت اپنے من کے لائق ہوتے ہیں جتنے وہ ضرور
 پوشیدہ کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آوے تو کسی قریہ یا دیہات کی آپ خفیہ مردم شماری
 کا امتحان کر لیجیے۔ (۲) مردم شماری کرنے والے اکثر بیکار و ملاجرت کام کرنے والے
 ہوتے ہیں اور انکو زیادہ تجسس و دور و دھوپ کی ضرورت ہی کیا ہے جو گھر گھر جا کر ٹیکہ بستہ
 لگا سکیں۔ تمہیں یاد پرانی اکثر مردم شماری اپنے حلقوں کی کر لیتے ہیں جو غیر صحیح بھی ہوتی
 (۳) بہتے خود دیکھا ہے بوقت مردم شماری اکثر جاہل لوگ اپنے گھر کے زن و مرد کی تعداد
 پوری ہوئی اور نظر بد کے خیال سے نہیں بتاتے۔ (۴) یہ بھی شہید ہوا ہے کہ بعض کسب و
 مردم شماری کو غیر مفید و بھل خیال کر کے انرا ہنسنے چارے کے چلنے بلکہ اس سے بھی زیادہ بتا دیتے
 ہیں۔ (۵) یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ ایک محلہ کی مردم شماری ہونے کے بعد اور درج رجسٹر
 ہونے کے بعد مرد و عورت اپنے عزیز و اقارب دوست و احباب کے مکان پر جا رہے ہیں
 وہاں دوبارہ درج رجسٹر ہو جاتے ہیں اگرچہ مردم شماری کرنے والے فی الجملہ اسکا خیال ہی
 کرتے ہیں۔ مگر وہ خیال غیر مفید ہوتا ہے۔ غرض جو لوگ تعینات مردم شماری پر ہو چکے ہیں
 وہ خوب اس مردم شماری کی غلطی سے آگاہ ہیں گے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ حورتوں اور بچوں
 کی مردم شماری میں زیادہ تر ایسے امور کا اندیشہ ہوتا ہے اور انکی تعداد و تخمینہ بالکل غلط ہوتا ہے
 کیونکہ یہ لوگ گھر کے بیٹھے والے ہیں انکی تعداد سے اکثر بیرونی اشخاص نااہل ہوتے ہیں مثلاً
 مردوں کے انکی تعداد کا جاننا اور جانچنا زیادہ دشوار نہیں ہے کیونکہ وہ باہر نکلنے بیٹھنے والے
 ہیں اکثر لوگ اونے واقف ہوتے ہیں یہ کم پوشیدہ رہ سکتے ہیں میں انکی مردم شماری میں زیادہ
 غلطی کا احتمال نہیں ہوتا۔ پس نچرل صاحب کی عقل و دانش سے کمال تعجب ہے کہ وہ اس
 مردم شماری کے اعتبار کو انتظام عالم جاری فرماتے ہیں۔

دوسرا جواب اس شبہ کا یہ تقدیر صحت مردم شماری یہ ہے کہ بہت سے فرقہ ایسے ہیں جنہیں
تقدیر کیا ایک بھی زوجہ نہیں کرتے۔ جیسے دیہان و ناکھلہ جنہا جو یہود و نصاریٰ و ہنود
و سنہین ہر فرقہ میں ہیں۔ یا محتاج و تنگ دست بے معاش لوگ اکثر ایسے ہیں جو خوف بے سہارا
عقد کرنے سے محروم ہیں۔ یا غنٹ و خواجہ سرا یا غلام و جلق کے نوکر۔ یا قدرتی نامرد و غیرہ
یہ لوگ کہ نہیں ہیں بلکہ ہمیشہ سے انکی تقدیر بہت ہوگی۔ پس غلط عقاید ہیں جو عورتیں شمار میں آونگی
و وہ سب بلا شوہر رہیں گی لہذا قانون انکی نے تقدیر ازواج کو جائز کر دیا تاکہ وہ بے شوہر کے
عورتیں اس مصیبت سے نکل سکیں اور بیکار نہ رہیں۔

تیسرا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ خالق عالم جس نے مرد و نکو عورتوں سے زیادہ پیدا کیا وہ اس
امر سے بھی ضرور واقف ہے کہ دنیا میں تقدیر ازواج کی رسم قائم کیے والی قومیں کم ہیں نسبت
اون اقوام کے جو ایک ہی پر انکشاف کرتے ہیں اور انہیں وہ بھی داخل ہیں جو بالکل کوئی عقد
نہیں کرتے۔ پس ممکن ہے کہ خاص اون قبیلوں میں جن میں تقدیر ازواج جائز ہے کافی طور پر
پیدائش عورت کی بھی ہوتی ہو۔ چنانچہ تجربہ ہمارا اشارہ ہے کہ جن اقوام میں تقدیر کا رسم ہے
وہ کبھی حصول تقدیر میں مجبور نہیں ہوتے اور یہ کبھی نہیں یکساں کہ کوئی شخص دو چار عقد کرنے کا
عقد رکھتا ہو اور اسکو عورتیں ممکن نہ ہوں اور اس مجبوری سے وہ ترک تقدیر کیے بغیر قی
اصول سے زن و مرد کے تقدیر میں کمی اور بیشی ہمیشہ اسی مقدار سے رکھی ہے کہ مسلسل
اتحاد نوع میں بوجہ توازن و تناسل کے خرابی نہ پیدا ہو۔ ہم تحقیق نہیں کر سکتے کہ وجہ اسکی کیا ہے
اور کس قاعدہ سے یہ انتظام جاری ہے لیکن تجربہ اور مشاہدہ ہمارے اس پر دلالت ہیں۔

چوتھا جواب زمانہ جاہلیت جو زمانہ آخرت بھی کہلاتا ہے تمام تائخین اس وقت کے حالات میں
ہم پر ظاہر کر رہی ہیں کہ عرب کی وحشی قومیں لڑکی کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تھے۔ قیس شیبانی تم کا
مکانہ و سوختلے اس امر پر دال ہے جسکا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔ اور یہ بھی اس زمانہ کی تاریخ
دیکھنے سے بخوبی ثابت ہے کہ قاعدہ ازواج اس وقت میں بالکل نامرد و طوطا مذہب تھا کوئی تقدیر
معتد نہ تھی۔ یعنی ایک شخص بیسویں عورتیں رکھ سکتا تھا۔ اب فرمایا ہے جبکہ پیدائش نسوان کا مسلسل
عمل سے روکا جو اتحاد و سوخت میں اون عروں کو اس قدر عورتیں کہانے ایسر آتی تھیں پانچواں
جواب۔ اخبار اپر س لندن میں ایک مضمون بعنوان دو عورتوں کے مقابلہ میں مرد و نکاحا
عظیم شائع ہوا ہے جسے ضمن میں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ شادی کس عمر میں کرنی مناسب ہے

صحیح جواب تو اس سوال کا یہی ہو سکتا ہے کہ عورت کے لیے یہ مناسب ہے کہ جس وقت اسکو
معتدل خاوند ملے گا سو قلعے فوراً شادی کر لے ورنہ وہ کنواری ہی رہے گی۔ یہ مشورہ بتایا
مستحکم دلائل پر مبنی ہے اب آجکل وہ زمانہ نہیں ہے کہ عورتیں جہان بنان کر کے اپنے واسطے
خاوند تجویز کریں کیونکہ اگر اس وقت ممالک متحد کی تمام مردم شماری کرنے پر مستعد ہو جائیں تو
۱۲۵۳۹۰۰ عورتوں کو شادی کی جانب سے مایوس ہو کر اپنی زندگی تنہائی میں گذران دینی ہوگی
اعد و مندرجہ ذیل درج کر کے یہ خیال کیا گیا ہے کہ تمام مرد و عورتیں بن بیاہی ہیں لیکن مجدد
۱۰۰۰۰۰۰۔۲۰ لڑکوں و مردوں کے اس ملک میں صرف ۲۵۰۰۰۰۰ مرد بیاہے ہوئے ہیں
اور ۱۱۰۰۰۰۰ لڑکے ہیں۔ بن بیاہے مردوں کا صحیح شمار ۵۳۴۲۴۹۱۲۔ اور بن بیاہی
عورتوں کا شمار ۴۴۴۲۴۹۱۲ ہے پس اگر بن بیاہے مردوں کی شادی کر دی جاوے
تو عورتیں ۴۴۴۲۴۹۱۲ عورتیں بن بیاہی بنیں گی اور انکو خاوند ملنے میں نہ روپیہ بردہ گا
نہ الفت کام آوے گی۔ اشتے۔ تو اب فرمائیے ۴۴۴۲۴۹۱۲ عورتوں کا بیاہ کیونکہ ممکن ہے ہر ایک کے
کہ نقد و ازواج کی رسم کو جاری کریں۔

الغرض یہ تو فائدہ نقد و ازواج کے تھے۔ اب اس رسم کے ترک کرنے سے جو نقصانات ہیں انہیں
بھی واقف ہونا چاہیے۔

وہ انگلستان میں اس رسم کے ترک ہونے کے نقصانوں میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ
بیشمار عورتیں غیر منکوحہ رہ کر دو گنا و غلیم۔ یعنی زنا۔ اور اس کے چھپانے کے قتل اولاد
و اطفال میں کثرت سے مبتلا ہو رہی ہیں۔

چنانچہ ایرش ناٹش مورخہ ۲۱۔ اگست ۱۸۷۸ء میں معلوم ہوا انگلینڈ خاص میں بحساب
تین ہزار سال نہ بچے بے گناہ قتل ہوتے ہیں کیونکہ دس برس میں تیس ہزار بچے قتل ہوئے
کیونکہ چھوٹی چھوٹی قبروں سے بھرے ہیں مگر تین ہزار انہیں سے بے دفن و گفن ہو چکے ہیں۔
بعضی گرجا گھر و زمین بعض اہلکونین۔ بعض مکان کی چھت میں۔ بعض خالی قبرستانوں میں
بعض کاغذات کے صندوق میں۔ بعض نالوں میں گھر کا کوڑا پھینکے کے مکانوں میں۔ چند تو زمین
مکانوں کی نیو میں۔ ریل گاڑی میں لٹکتا ہوا ہیں۔ ریلوے گھر میں جہاں اسباب
رکھا جاتا ہے پوٹلی میں بندھے ہوئے کاغذ میں پھنسے ہوئے۔ اور راہوں میں۔ چند تو زمین
شخصی شخصی لاشیں۔ پاخانوں میں۔ گھوٹے کیے ہوئے۔ نابہ انہیں۔ طبعی میں معلوم نہیں کہ

کتنے بے گناہ بچے مقتول غرقون میں اور دریاؤں میں ڈبوئے گئے کہ جنکا نشان بھی نہیں مل سکتا
ایک سال لندن میں جو پایہ تخت انگلستان ہے فقط اس کے کوچوں میں (۴۸) لاکھ تھے ننھے ننھے
بچوں کی بڑی ملیں۔ یہاں دست سی ایسی عورتیں اور بعض مرد بھی ہیں جو دیکھنے میں بچلے آدمی
ہیں اور کچا پیشہ یہ ہے کہ بچوں کو ماؤں سے لیکر اپنے گھروں میں پالنے کو لاتے ہیں اور بھوک
جو پیاس یا استعمال زہر وغیرہ سے بچوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ بعض حرام کاروائیوں میں بچوں کو
(۶۰۰۰) لاکھ قتالوں کی نذر بخوشی کرتی ہیں..... اگرچہ ہزاروں اسطر سے قتل ہوتے
ہیں تب بھی وہ غلط حرام جو زندہ ہیں نقداد میں میثاق ہیں۔ یہ جو حال لکھا گیا فقط انگلستان کا تھا
اسکاٹ لینڈ، ویلز، گرینڈ اس سے ملحدہ ہیں ورنہ فقط یورپ میں مجھے یاد ہے کہ ایک سال
حدادہ لاد کا تھی ۱۸۷۱ اور ولڈ الزا تھی (ازادہ اخبار نولکسور نمبر ۲۲ جلد ۳ مطبوعہ
۱۸۷۱ نمبر ۱۸۷۱)۔

مقدس پولوس کی ترغیب سے مسایون کے مقدس قادرون نے جب گسائیون کی
روشن ختیاہ کی تو تالاب صاف کر لیکے وقت ان بزرگ پادریوں کی یہ کرامت ظاہر ہوئی
کہ انکے بھرم رہنے کی وجہ سے چھ ہزار عوامی بچوں کی کھوپڑیاں اوسمیں سے نکلیں۔ جو اونچوں نے
مغفرت اخفای زنا اوس تالاب میں ڈال دیں تھیں۔ اور معلوم نہیں کہ زیر زمین کتنے ایسے بے گناہ
دفن کئے گئے ہونگے۔ پس عدم نقداد ازواج باعث ظلم و انظلام ہے اور بنا پر ہدایت
قرآن مجید بعد حضرت ابراہیم جو انبیاء گذرے ملت ابراہیمی کرتے اور خشا ملت ابراہیم کا
نقدادہ اناج ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کے چھوٹے بیٹے اسحاق کی اولاد میں سے حضرت موسیٰ
نے جو ایک مدت کے بعد اوسی ملت کو ترویج فرمایا اور سمون کی بیج کنی کے صاف و سترا
کر دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ کو انسانی نسب سے جو کہ اسحاقی تھے یہ ضرورت پڑی کہ اپنے وقت کی
مصلحتوں کے بموجب اوس طریقہ کی ترمیم کریں اور روہون سے اوسے صاف و سترا کریں
اور ہیون کے غلط اجتہاد و سننے تو اسطرح سے جناب رسالت اور حضرت امیر ملیہ سلام
اور آئمہ معصومین کو حضرت اسمعیل کی اولاد سے تھے کہ جو بڑے بیٹے حضرت ابراہیم کے تھے
زمانہ قدرت میں پھر اوس پرانی ملت کی ترمیم حسب مصلحت وقت و حکم الہی کر کے اوسے غلط
روایوں اور اجتہادوں سے یہود و نصارا کے پاک کر کے ٹھیک ٹھیک مرکز پر بنادیا مافوق
اصلی تعلیم خلیل خلیل کے اور بموجب کلیات حکمت ناموسی و حکمت اخلاق کے پس حقیقت

شریعت موسوی و شریعت عیسوی۔ و شریعت محمدی صلعم ایک ہے ملت ابراہیمی میں فرق اتنا ہے کہ تعلیم اسلام نظام عدل پر ہے مثل شریعت حضرت موسیٰ کے بخلاف شریعت حضرت عیسیٰ کے کہ وہ نظام جب پر تھے جیسا کہ ان کے حکموں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کے آگے دوسرا گال بھی جھکا دے کہ اور پتھر مار لو اور جو بیکاری پکڑے کہ اس بھر لجاوے تو دھوکہ اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ اور تعین گالیان دے تو اس سے دعائیں دو۔ اسی نظام جب کی بنا پر عورت کا خیال کر کے نقد ازواج کو اگر اچھا سمجھا ہو تو عجب نہیں حالانکہ مانعت میری عقل میں بھی نہیں ہے۔

بکریم حضرت عقلی ہے انہیں دو نظاموں پر ساری خدائی کے انتظاموں کا پس تعلیم حکمت یا مذہب کی ان دو طریقوں سے خارج ہو وہ نیکسال باہر ہے اور عاقلوں کی پابندی کے قابل انہیں اب رہا اختلاف اس میں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں ترجیح کسے ہے اخلاقی حکیموں میں مشہور یہ ہے کہ بہتر نظام جب ہے اور یہ افتخار سچے عیسوی مذہب کے واسطے کافی ہے۔ اور تحقیق اسلام یہ کہ جب حیوانی جائز نہیں اور جب انسانی مستلزم عدل ہے پس شریعت محمدی کے نظام عدل پر ہونے کی وجہ سے نظام جب پر بھی ہوئے اور اسلام نے طریقہ جمع کا ان دونوں نظاموں میں یہ اختیار کیا کہ آدمی کو اپنے ذاتی معاملہ میں غیر سے واجب بھر تو عدل کا برتاؤ ہے اور بہتر طرح دینا اور محاف کرنا جب کے نظام پر اور دو غیر ذہنین فیصلہ کرنا مندرجہ عدل کے نظام پر مگر یہ کہ وہ دونوں خود نظام جب پر آپس میں ملاپ کر لیں۔ اور یہ طریقہ جمع کا حضرت علیہ السلام کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کے مشہور افادات میں پس کثرت ازواج کا مدار نظام عدل پر ہے جو طریقہ موسوی و ملت ابراہیمی سے مطابق ہے اور اسی نظام عدل کی بنا پر احکام قصاص میراث وغیرہ جاری ہوتے ہیں۔ اور ان سے نظام عدل کی بنا پر شریعت نے ہلکویہ بتایا ہے کہ کن طور تو ان سے ہلکویہ نکاح نہ چاہیے اور کس سے نکاح دوست ہے۔

اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ رسم نقد ازواج اسلام میں نظام عدل پر ہے۔

نقد ازواج از روی نظام عدل

اسلام نے محض اس رسم نقد ازواج کو پہلے سے چلے آتے تھے قبول کرنے پر ان کا نہیں کیا بلکہ اسے مشرقی عورتوں کی حالت پر بہت کچھ مفید اثر ڈالا۔ عورتوں کی حالت پر سلام کے

ان کو دریافت کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ قبل از اسلام اونکی کیا حالت تھی جو زبان اور
 عورتوں کے ساتھ قبل از اسلام ہوتا تھا اور کاپتہ میں قرآن کے بعض احکام نواہی سے ملتا ہے
 وہ اب مسلمانوں تعاری میں۔ اور بیٹا اور بنین۔ اور بھوپیان۔ اور خالائین۔ اور بھتیجیان۔
 اور بھانجیان۔ اور دایان جنھوں نے نکو و دودھ پلایا ہے۔ اور دودھ شریک بنین۔ اور
 تعاری میں۔ (یہ سب تمہر حرام ہیں۔ اور جن بی بیوں کے ساتھ تم صحبت داری کر چکے
 ہو اونکی لڑکیاں۔ (یعنی مادر جلو) جو (غالبا) تعاری کو دین میں پرورش پاتی ہیں (تمہر
 حرام ہیں) لیکن اگر جن بی بیوں کے ساتھ تمہر صحبت داری نہ کی ہو تو (مادر جلو) کیوں سے
 نکاح کر لینے سے تمہر گناہ نہیں اور (تعاری میں بی بی) (صلبی) بیٹوں کی بیبیاں
 (بھی تمہر حرام ہیں) اور دوسروں کا۔ ایک ساتھ نکاح میں رکھنا (بھی تمہر حرام ہے) (سورہ
 نسا، آیت ۲۴)۔

ان احکام نواہی میں معلوم ہو گا کہ ان اقوام کے لیے ان احکام کی ضرورت ہو سے اون کا
 اخلاق کیا تھا۔ لیکن اسے جب یہ امر ہمارے مد نظر ہے کہ زمانہ قدیم میں کل اقوام سمیٹے جاتے
 تھے اور ایسے ہی تھے تو ہم اعراب جاہلیت کو زیادہ سخت نظروں سے نہیں دیکھ سکتے وہ احکام
 نواہی۔ جو قرابت کی کتاب (اخبار) کے اخبار وین باب کی چھٹی آیت سے، اخبار وین آیت
 تک درج ہیں کہ ان احکام کے ناسخ ہیں اور اسے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اون سے قبل کی
 حالت اخلاقی نہایت ہی اتر رہی تھی۔

خدا نے بیشک تعدد ازواج کی اجازت دی مگر سانسٹی یہ بھی کہہ دیا کہ۔

اگر تم کو اس بات کا خوف ہو۔ کہ کئی بی بیوں میں برابری نہ کر سکو تو اس صورت میں ایک ہی
 بی بی پر کفایت کرو۔ یا جو زندگی تمہارے قبضہ میں ہو اوپر قناعت کرو۔ تا منصف نہ ہوتا کہ سے
 لینے کے لیے۔ یہ تدبیر زیادہ حرق وین مصلحت ہے۔ ہرگز پورا پورا عدل مساوات کلی محبت
 اور دلی الفت اور مباشرت وغیرہ میں محالات سے ہے۔ بعض حالتوں میں عورت کو کوئی مفروضہ
 ہوتی ہیں اور بعض اوقات مرد کو کوئی مجبوریاں اور عدل حقیقی ناممکنات میں سے ہے۔ اس لیے

محقق علم انسان سے مختلف فیصلہ کی بنا پر نہیں زیادہ تزیین کا محاذ رکھا گیا ہے کل اول اقوام کو
 جنھوں نے دنیا فحشا ملک عربستان اور ایشیائے کوچک میں پود و پاش کی ہے پیچھے رہے۔ یہود
 نصیبتہ جہانی۔ شامی۔ باہلی۔ امیری کو ایک خاندان میں شامل کر دیا ہے اور اس کا نام خاندان سمیٹتی رکھا ہے تاکہ

بچہ پر ہو تو خداوند کریم بخور الرحیم ہے۔ ناواقفی کی حالت میں جو زیادتی ہوگی معاف کر دی جائیگی
 اعدا اگر میان بی بی میں اصلاح کی صورت کوئی نہ ہے۔ اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں
 تو خدا اپنے خزانہ غیب سے دونوں کو بے نیاز کر دے گا۔ خدا کے ہرمان بڑی گنجائش ہے
 اور اس کی تہ پر بڑی حکم ہے۔ اب نظر انصاف کرو کہ تعدد ازواج کا حکم بنا پر نظام عدل کے
 کیا چاہا ہوا معقول ہوا ہے۔

مستحق

جبکہ تعدد ازواج جائز ہے تو اب تعدد کی حقیقت پر بحث لازم ہے۔ تعدد نکاح کی ایک قسم ہے
 جس میں ایجاب قبول باہر، عدہ لازم ہے۔ تعدد نکاح میعاد ہی ہے۔ جس طرح سے اولاد منکوحہ
 وارث ہے اپنے ماں باپ کی اسی طرح سے اولاد متوہ کی بھی وارث ہوتی ہے۔ لیکن وجہ
 مستور البتہ وراثت نہ پاوے گی۔ یہ سب باقیں حرام چھپنے کے واسطے کی گئی ہیں۔ اور اس بقعہ
 ازواج میں یہ سن ہے کہ مثلاً کوئی مسافر ہے یا فوجی ہے جس کا قیام ایک وقت خاص تک اس
 مقام پر ہے تو وہ زوجہ دائمی کیونکر کر سکتا ہے۔ یا وہ عورت واسطے دوام کے راضی نہ ہو۔
 یا مرد کو ضرر یا سفر میں ہمیشہ کے واسطے قدرت تکفل دائمی نہ ہو۔ اور نہ کس نے میں اندیشہ حد و شہ
 امر غرض خطرناک کا ہو۔ یا حرام کاری کا اندیشہ جو ان سے ضرورتوں سے تحفظ حرام کاری سے
 کرایا گیا اور اجازت ازواج واسطے ایک مدت خاص کے بھی دی اور اسیکو مشہد کہتے ہیں
 بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ اونہوں نے آدم مرگ نکاح نہیں کیا بلکہ ایک ہی عورت سے
 چند بار تعدد میں اتنی مدت معین کی جو ہر مرتبہ واسطے کافی رہے۔ بچے ایسے ہیں کہ جنہوں نے
 ایک ہی نکاح کر لیا اب انکو ضرورت دیا میں زواجوں کی ہے اونہوں نے اس خیال سے
 کہ نکاح میں زحمت بہت ہے عدالت بھی برابر شکل سے ہوگی لہذا اپنی ضرورت کو اونہوں نے
 مشہد کر کے رفع کیا۔ بہر حال مسلمان جو کچھ کہتے ہیں پابندی شریعت کے ساتھ اور حرام کاری سے
 ضرور بچتے ہیں۔ بھلا کسی اور قوم کو بھی ذریعہ آسان سے حرام کاری سے بچنا نصیب ہوا ہے۔

اسلئے یہ شبہ کہ متوہ بھی اسلئے اس کے ساتھ عدالت کے برتاؤ دیکھیں ہرگز غلط ہے۔ ظلم و سوت ہوتا جبکہ عورت کی
 ناراضی ہوتی اور جب عورت سے کہہ دیا کہ وہ راز چھپے دیکھا جائیگا جو زوجہ منکوحہ کے ساتھ جو تاہم اور لوہ پڑا ہوا
 بھی ہو تو ظلم نہ ہوگا۔ دیکھو کہ مراد عدالت کون ہے یہ کہ جو حقوق جنکا کوئی منکوحہ دائمی کے ساتھ لازم ہو کر وہ متوہ
 سے تمام نہیں جیسے شبہ باقی میں مساوات یا میراث کا استیفاء یا نفقہ المٹانا وغیرہ سب امور رضامندی سے ہیں ۱۶ مشہد

اگر کوئی بچا ہے تو امراض خطرناک یا مصائب و تکلیفات میں مبتلا ہو کر۔ اس زمانہ میں یورپ کی جدید روشنی سے ایک فوجی فرقہ (ریکروٹ) ایسا پیدا ہوا ہے کہ ہمیشہ دور دورہ از ملکوں میں پھرتے رہتا ہے۔ وہ فوجی تعلیم سے فارغ ہونے پر اپنی عورتوں کو اپنے وارث چھوڑنا اور ان کی عزت ہنگامہ دارہ نہیں کرتی ہیں وہ نکاح سے باز رہتے ہیں۔ پھر باوقار و عین مادیہ رجولیت نہیں ہے۔ اور ہے تو حرام کاری کرتے ہوئے اگر حرام کاری سے بچتے ہوئے تو کسی نفس کشی کی مصیبت جھیلنا پڑتی ہوگی۔ پھر کیا اگر وہ اس مبارک رسم سے فیضیاب ہوتے تو ان مصائب میں مبتلا ہونے پر گز نہیں۔ ۹۔ حریمت اسلام نے حرام کاری و حفاظت جو اختیار کو بھلا امور پر مقدم رکھتا ہے اور اس رسم کو جاری فرما کر اسکے واسطے ہی احکام و قیود مقرر کر دیے ہیں۔ اور چونکہ خواہش ہم بستری کی ایک فطری شے ہے پس اسکے واسطے جائز طریقہ مقرر نہ کئے جاتے تو کیونکر وہ ناجائز طریقوں سے بچ سکتا عورت ہر ماہ میں اندھ نور و زبکارتا قابل مباشرت ہو جاتی ہے اس زمانہ قابلیت میں اگر دوسری عورت نہ ہو تو مرد کی خواہش کیونکر رفع ہو سکتی ہے ایام حمل سے تا ولادت و تا ایام رضعت و سال چھ ماہ کامل ناقابل مباشرت رہتی ہے جو بہت دراز زمانہ ہے اور یہ امر عقلاً و حکماً و از روئے تجربہ اعظم من لشمس ہے کہ ایام حیض و ایام حمل میں خلقت کامل نہ ہو جانے سے اور ایام رضاعت میں مباشرت جنین و عورت دونوں کے لیے سخت مضر ہے بلکہ زہر ہے۔ جیسا کہ مفصلاً سابقاً بیان کیا۔ اب ان ایام ناقابلیت میں بچا رہم و کیونکر خواہش نفسانی پوری کرے پس اس چند روزہ ناقابلیت زن کے واسطے دائمی تعلقی کسی سے پیدا کرنا اور نکاح کرنا ایک بار عظیم کاسرہ لینا ہے بعض ایسے مفلس نادار عین کہ دائمی تعلق پر قادر نہیں ہیں وہ بچا ہے کیا کریں لہذا یہ چند روزہ کسی عورت سے تعلق جائز کر کے اپنی خواہش کو رفع کرنا اور حرام کاری سے بچنا عین عدل و انصاف ہے۔

والله اعلم بالصواب

بارہ

شریعت اسلام نے بے قسری قسم کی عورت جو مرد کیواسے جائز کی ہے وہ نوٹ کی ہے۔ جو عیسائی حضرات مسلمانوں کی بحث سے حضرات اہل سنت سے سنا کر مفسرین میں ہے۔ اسی بحث کو حضرات اہل سنت صدر اسلام میں (جب ان کے نزدیک بھی متعدّد جائز تھا) منطبق کر رہے اور حضرات متبعہ اب بھی جواز کے قابل ہیں اور ان کے واسطے جو ان کے مصلح و فواید اس زمانہ میں بھی سی ہوں گے۔

گرتے ہیں کہ مذہب اسلام نے اجازت دی ہے کہ لونڈیوں کے کام میں خورتیں کوئی چلیں گھر میں
 والے۔ اس میں اور زندگی بازی میں کچھ فرق نہیں ہے۔
 جس فرائض میں لائق تفتیح وہ امر ہیں۔

ان بیودیوں میں جو لوندی رکے کارواج عقائد مذہب عیسائی نے اوستی نسبت کیا کاروفی کی
 اسلام میں لونڈیوں کے کام کے متعلق حکم کرنے سے معترض اپنے مذہب کو لازماً اس سے خالی
 قرار دیتا ہے اگر کوئی شخص انجیل کے نقل نقل پڑھے تو وہ ضرور یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس مذہب میں
 یہودی شریعت میں یہ رواج بہت ترقی پر تھا اور انجیلوں میں اسکی مانفت کا اشارہ نہ تھا نہیں
 اور بالفرض یہ بھی تو احکام تو ریت کی منجھ کا انجیل کو اختیار ہی کیا ہے اس بنا پر غمخسرو
 انجیل نے اسکو تسلیم رکھا ہے پھر اسلام پر اعتراض کیوں ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ یہودی شریعت
 میں لونڈی کو بطور بیوی کے رکھنا تعدد ازواج کی ایک صورت تھی اور ان دونوں صورتوں میں
 مذہب عیسائی ہرگز مانع نہیں ہوا فدا کی حضرت مسیح نے کسی نہیں روکا اور اس امر کی کفلی کلی
 مستحبات ملتی ہے کہ لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں ڈال لینا عیسائیوں میں رائج رہا ہے۔
 علامہ ہوانسکو میٹر پارٹیکامین لونڈیوں پر مضمون لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ پوپوں کے
 خطوط کے بعض فقرے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعلقات کی اونھوں نے
 اجازت بھی دی تھی اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف عیسائی میں اس امر کا رواج رہا
 بلکہ ان کے مقدس پوپوں نے بھی اسکو جائز قرار دیا ہے اور اجازت دی ہے۔ پھر وہی
 مضمون لکھتے ہیں کہ پوپ ڈیوڈ ویلی کو نسل اول کا جلسہ جو شنگھو میں ہوا تھا قاعدہ ہندو
 یہ ہے کہ جو شخص ایک سالہ امن بیوی کی موجودگی میں لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے اسکو
 خارج کیا جاوے گا۔ لیکن اگر وہ لونڈی بیوی کی طرح اسکی خدمت کرے اور ایک ہی
 عورت جسکو لونڈی کھا جاتا ہے اسکے پاس جو تو پھر اسکو خارج نہیں کیا جاوے گا۔ یہ طریقہ
 صرف عوام الناس کے لئے ہے جائزہ نقل بلکہ پادری جیسا کہ نکاح کرنے کی اجازت تھی اونکو
 کسی ایسی طرح لونڈی گھر میں ڈال لینے کی اجازت تھی۔ اس کے بعد جو کونسلین جو میل و مٹھوں
 وندی کا نام یہ کارحوہ تون پر بھی بولا ہے جو گھر میں ڈال رکھی جاتی ہیں لکھ

اور جن جس طریق سے اسلام نے لونڈیوں کے ساتھ دلی جائز رکھی ہے اس میں اور زندگی
 بازی میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ بیشک لونڈیوں کو گھر میں ڈالنا یہ نکاح کی ایک خاص صورت تھی

تھاری عورتیں (قدرتی تعلق کی جہت سے) تمھاری کمیتیاں ہیں (یعنی نسل انسانی کے تولد کا محل) تم اپنی کمیتی میں جب یا جس طرح چاہے آؤ (آگے سے یا پیچھے سے جو آسن ہو نہ یہ کہ ہر زین و غل کرو) مساس کرو بوس و کنار کرو محبت آمیز باتیں کرو۔ مگر شہوت رانی کی غرض سے نہیں بلکہ (قد موالہ نفس کمر) یہ تمام فعل اسے طریق سے کرو کہ آئندہ کیواسطے ہر قسم کی خیر و برکت کا موجب ہو۔ اور ایسے وقت مباشرت کرو جس سے صلاح اور تندرست اولاد کے پیدا ہونے کا یقین ہو اور اولاد کی جسمی اور دینی حالت عمدہ سے محسوس ہو۔

ما وافقوا اللہ۔ (اور مباشرت میں افراط و تفریط کرنے اور اس بارہ میں حد اعتدال سے بڑھنے میں اور خلاف وضع فطری یا سور کے ارتکاب سے جس میں اولاد کے پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ محض حیوانی کی طرح شہوت رانی ہے) ان باتوں میں خدا کے دُرو اور جان لے کہ یقیناً تمھیں اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے۔ اور ساری بداعتدالیوں اور خلاف وضع فطری کاموں سے باز پرس چھوڑنا ہے اور اسے نئی جو لوگ خدا کے کلام پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے ہدایتوں کے موافق کام کرتے ہیں، انکو شہرت دیدے کہ خدا انکو، اولاد صالحہ عطا فرما دے اور دنیا و دین میں انکے کام آنے کی اور حسن عاقبت کا موجب ہوگی۔

اب نہیں معلوم آیت پر اعتراض کیا ہے اور غلام کا حکم کس مقام سے نکلتا ہے۔ عقلی فائدہ بھی حلال کا اس میں متصور نہیں بلکہ ضرر کا خیال ہے اس لیے کہ ہر سوراخ کا ایک ہی پیر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ عضو مرد و فرج عورت میں ایک خاص طرعی قدرتی نرمی و گرمی ہوتی ہے کہ وہ صدمہ یا بیماریوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور وہ مخصوص عضو لئے عورت و مرد کے ہے یہی وجہ ہے کہ کثرت لواط یا جنسی سے مخصوص عضو ایسے گناہ گاروں کے لیے مضلل ہو جاتے ہیں اور رگیں بجا کی ہیں کہ وہ بیکار ہو جاتے ہیں اور کبھی رطوبت آجاتی ہے اور طبیعت متوجہ دفع نہیں رہتی اور یہ باعث نامردی کا ہوتا ہے اور اسوجہ سے ابتدائیں اگر لواطی و بھلوق و غیرہ بچکلیت ایک آدمی یا عورت سے تعلق کر کے دیر تک تامل کریں تو ہبا پ سے مخصوص زن کے مرد کے عضو مخصوص کو ایک سینک پہنچتی ہے کہ وہی علاج ایسے نامردی کا ابتدائیں ہو جاتا ہے اور ایسی ہی مصلحتوں سے خدا نے لواط کو حرام کیا ہے اور خلق کو بھی ملکہ بعض اخبار اہل حدیث یہاں تک تاکید ہے کہ گویا او سے اپنی مادر سے نہ نکلیا۔

اور شاید یہ کہنا یہ ہے اس کے کہ قطعاً ایک جسمانی جزو ہے مان باپ کا اور سگی اولاد میں

دورہ جزائے بائعہ وغیرہ میں بھی شریک ہے تو جب اوٹنے اپنے ہاتھ وغیرہ سے ایسی حرکت کی
 تو گویا مان یا پ سے بے ادبی کی پس یہ آیت سلسلہ عقانی فلاسفہ سے بھری ہوئی ہے اور
 اسکے لفظ عقد میں ہدایت اور فطرت پر چلنے کا ارشاد ہے اس آیت نے اپنے مفہوم میں سوا سے
 طریقہ مخصوصہ مباشرت کے اور طبعی امتناع کے موقع پر اور ایک اعتدال کے ساتھ جیکر اولاد
 پیدا ہونیکا خیال ہو باقی تمام خلاف وضع فطرے امور اور افراط و تفریط کثرت جماع اور ایک
 قسم کی شہوت پرستی و بدکاری و بدافعالی سے منع کر دیا ہے اور یہ حرمت، کا لفظ استعمال
 کر کے تمام بداعتدالیوں بدافعالیوں کو قانون قدرت وائین فطرت کے خلاف ثابت کر کے
 بنی نوع انسان کو ہزاروں قسم کے دکھوں اور بیماریوں سے نجات کا راستہ بتا دیا ہے
 کیونکہ حرمت کا لفظ جسکے معنی کھیتی کے ہیں صرف زمین کے او سے مخصوص قطعہ پر بولا جاتا
 ہے جسکو ہر ایک قسم کے خس و خاشاک سے پاک و صاف کر کے محض زراعت کے لیے
 تیار کیا جاتا ہے اور اسکی غیر ریزی کر کے خلی کی پیدائش کی امید کی جاتی ہے۔ دوسرے
 کسی قطعہ زمین پر جس میں یہ صفات نہ ہوں ہندی زبان میں بھی کھیتی کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا
 چنانچہ تقاسیر میں معنی تحررت، کے لکھے ہیں » انحرث الارض المیتة للزراعة «
 حرث کے معنی وہ قطعہ زمین ہے جو زراعت کے لیے تیار کی گئی ہو اور۔ لسان کمر
 حرث لکھ اسے محل ذر عکم لدولہ ما یعنی اولاد کے پیدا ہونے کا محل ہیں۔
 پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب خدا نے اس آریہ شریف میں عورت کو کھیتی سے مشغول
 دی ہے اور کھیتی وہی ہے جو ان کے پیداوار آگ کے دوسری زمین شور اور غیرہ
 جہان کسی قسم کی پیداوار نہیں ہو سکتی کھیتی نہیں کہلاوے گی۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ
 خدا نے اس آیت کے ذریعہ سے بحر اس عضو مخصوص کے جو بیج نسل انسانی قرار دیا گیا ہے
 دوسرے ہر ایک قسم کے ناجائز حرکت سے بنی نوع انسان کو روک دیا ہے۔ کیونکہ طبی
 فی الدبر عورات سے اخلام، حماست فی المیض وغیرہ دیگر جھنڈا سطر کے افعال خلاف
 وضع فطری ہیں وہ حرث، کے مفہوم میں نہیں آسکتے بلکہ اس لفظ حرث کے اختیار کیے بغیر ہی فطرت
 سمجھنا چاہیے کیونکہ اس کے رحم بھی بیج نسل انسانی نہیں رہتے بلکہ زمین شور کے حکم میں
 ہیں اور جگہ لفظ ارض، بجائے در حرث، کے استعمال نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ
 عورتیں تمہاری زمین ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ وہ تمہاری کھیتی ہیں۔ تاکہ کسی شخص کو خلاف وضع

ظہری امور کا گمان بھی نہ ہو سکے اور اگرچہ ایک لحاظ سے حوث (کیتے) بھی زمین پر ہیں اور جس قدر اقسام کے قطعات زمین، مٹی، لٹیم، مٹا، سخت، و شور ہوئے ہیں وہ سب ہی خفیت کے لحاظ سے زمین ہی ہیں مگر وہ حوث، صرف اسے قطع کو کہتے ہیں۔ جو حوث کے قابل اور زراعت کے لیے مخصوص ہو ہیں دیکھو کہ ایک لفظ حوث، کے اختیار کرنے میں خدا نے کس قدر فلاسفی بھری ہے۔ کہ جس سے سب امور خلافت وضع فطری بالکل کا فور ہو گئی، حرث، کا لفظ فقط اس قطع زمین پر بولا جاتا ہے جو صرف پیداوار کے لیے مخصوص کیا جاوے اور خدا نے ہستیار کے طور پر یہ لفظ استعمال کر کے عورتوں کے ساتھ حقیقی اور غیر ملکی تعلق کو ظاہر کر دیا جس سے تمام خلافت وضع فطری امور بالکل اوڑھ گئے تو اس سے خلافت فطرت اور خلافت مفہوم، حرث، کے کچھ اور مطلب سمجھ لینا اول دہر کی بد ذاتی یا پھر قوی ہے۔ اس سے حرثی لفظ نے ہر ایک قسم کی بدکاری۔ خلافت فطرت، طوطا، مشیت نرنی، انڈی ہڈی وغیرہ کی راہ بند کر دی۔ اور انسان کو ہر قسم کی شوگردن سے بچایا۔ نہ کہ اولیٰ الحقائقہ اعتراض کرتے ہو۔

اس آیت میں خدا نے انسان کو خلق، اور زنا سے بھی منع کر دیا ہے اس لیے کہ اس قسم کی عادت سے انسان کا مٹی جیسا پیش بہائم ہمیشہ کے لیے بے جان و بیکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی عادت والے لوگ اگر اولاد سے مایوس ہی گذر جاتے ہیں اور قدرت نے انہیں خوب سزا دی ہے۔ مگر کسی شخص کی اولاد ہو جی تو کمزور، دائم المرض، جو دنیا سے جلد گذر جاتے ہیں، اور اگر یہ بھی تو مان، اب اور دیگر عزیزوں کے لیے ہمیشہ مصیبت کا موجب بنتی ہے۔ خلق اور زنا آئندہ انسان کی جزا و کیڑے والی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے حدیث میں فرمایا ہے (انہو یخوضون) زنا باز کو او کیڑے دیتا ہے۔ خلق اور زنا کی عادت انسان کا بیچ (نطفہ) اس قابل چھوڑتی ہی نہیں۔ جو حرث کے نتیجہ کا مورث ہو سکے۔ پس خدا نے ضمناً ان عادات بد سے بھی بچنے کے لیے ارشاد فرما دیا۔ اس حرث، کی لفظ میں کل باقین موجود ہیں۔ اس لیے کہ حرث، ہے میں بیج بونا، حرث کی حفاظت، احتیاط، نگہداشت، پیدا ہونے تک اور پھر اس کی عمر کی اور صلاحیت کا خیال رکھنا حرث پر فرض ہوتا ہے۔ اور جس بیج سے ایسے ایسے بڑے لوگوں اور نیک آدمیوں کے اجسام پیدا ہوتے ہیں ایسے بیج کو برے کھیت میں بونا۔

یہ غریب بیچ اچھے قیمت میں ڈلوانا گناہ عظیم ہے جس طرح عمدہ گھیتی کا پیدا کرنا بہت کچھ کسان کی خاص تدابیر و احتیاط پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح نالائق اولاد پیدا کرنا بھی تدبیر خاص مان باپ کے اختیار میں ہے اور وہ اس وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ ہمیشہ افعال اس قسم کے رکھیں جس قسم کی اولاد پیدا کر سکی وہ خواہش رکھتے ہیں اور ان کی خواہش کا اثر بہت کچھ اس وقت تک کہ بچہ شکم مادر سے برآمد نہیں ہوتا بچہ پر پڑتا ہے۔ عورت میں قسم کا دبیان کرتی ہے اور اسی قسم کی اولاد پیدا ہوتی ہے اس واسطے نیک اولاد پیدا کرنے کے لیے عورت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ مان باپ کی یہ تمام احتیاطیں اور تدبیریں جو اچھے اولاد پیدا کر سکیے لیے کام میں لانی جاتی ہیں اس وقت کارآمد ہو سکتی ہیں جب اس بات کا خیال رکھیں کہ عورت کا رحم ایک گھیتی ہے۔ اور قانون قدرت کے موافق ایک گھیتی کی حفاظت و احتیاط نہایت ضروری ہے اس کے موافق ہے ہمیشہ اسے کھاد دینی چاہیے اور اس کی کیمیائی اجزاء کے حسب حال غذا میں پہنچانی چاہیے۔ مثلاً پاشی اور قلیل اشیاء سے پرہیز کرانا چاہیے۔ یہ سب احتیاطیں اور تدابیر لفظ و حوث کے مفہوم میں داخل ہیں اور کوئی بات قانون قدرت و حکمت یا طب یا ویدک کی رو سے ایسی بیان نہیں کی جاسکتی۔ جلفظ و حوث کے مفہوم میں داخل نہ ہو سکتی ہو۔ پس خدا کے کلام کی یہ کس قدر خوبی ہے کہ جو اس نے ایک ہی لفظ میں تمام قوانین حکمت و طب سمجھ دی اور ایسا منجز و مدلل طور پر زناشوی کے تعلق کو بیان فرمادیا کہ اس سے عمدہ اور بہتر تمام دنیا کے حکما و فلاسفوں کی مجال نہیں جو بیان کر سکیں۔

خدا نے جلفظ و حوث، کاسیان استعمال فرمایا ہے تو اس میں انسان کو کثرت جماع سے بھی ایک طرح پر منع کیا ہے۔ اور ایسے وقتوں میں اور ایسے ڈھنگوں سے باز رکھا ہے جبکہ گھیتی اور گنے کا گمان ہو۔ اور اس قسم کے کام سے منع کر دیا ہے جبکہ اولاد تندرست و صالح نہ پیدا ہو سکے۔ کثرت جماع سے انسان کی نئی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اور نہ وہ حوث، میں گنے سے کچھ فائدہ کی امید ہو سکتی ہے۔ پس اس لفظ کے استعمال سے خدا نے کثرت جماع کی بھی ممانعت کر دی ہے یہی ذرا احتیاط کی پیدا ہونی کی بہت کم کی امید ہوتی ہے۔ اور اگرچہ بھی تو صحیح و سالم قوی الاعضا اور خواہش کے موافق نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ خدا نے فرمایا ہے وہ وقد موکلفکم و افقوا اللہ، جماع ایسی حالتوں میں کرو جو خیر و برکت کا موجب اور ایسے پہل سے شرم ہوں۔ وہ واعلموا انکم مملوۃ قویہ، اور جان لو کہ تم کو خدا سے ملنا ہے اگر قوانین قدرت و آئین

ظہرت توڑ دے تو خدا تک ہے ضرور نہ غم ادا ہے گا اور ضرور اسکی سزا جگہ تو گئے۔ خدا نے کثرت جماع سے منع کر کے صرف تین حالتوں میں اعتدال کے ساتھ جماع کا حکم دیا جو یہ حوث، کا نتیجہ پورا کر سکیں۔ بے رشتی سے اور دیگر اوقات میں اور فضول طور پر جبکہ بیج اکارت جاوے غمناک ہوا سے منع کر دیا ہے۔

واضح ہو کہ قول جہا کے موافق حصول القاح کامل کسے لے۔ موافق ایام حیض آنے کے دو دن پہلے میں اور انقطاع حیض سے ایک دو دن تک بعد میں۔ اگر جماع حیض آنے سے دو تین دن پہلے کیا گیا ہو تو اسکو دین چومر کی منی کے کثرت سے غیر دین داخل ہو کر وہاں بیضہ کے ورود کا انتظام کرتے ہیں اور اپنی قوت کے مطابق (۲۰) (۳۰) (۴۰) دن تک وہاں زمرہ رہ سکتے ہیں اور بیضہ کو وہاں گزرتے وقت القاح کرتے ہیں اور اس قسم کا القاح زیادہ محسن اور طبعی گنا جاتا ہے۔ ایسا ہی انقطاع حیض کے بعد ایک دو دن کے عرصہ میں مقاربت کرتے سے حصول القاح واقع ہوتا ہے پس ایسی حالت میں جماع کرنا اولاد صلح کے پیدا ہونے کا۔ جب ہے اور ایسے میں جماع کرنا فقط حوث کے مفہوم کے اندر داخل ہو سکتا ہے۔

لفظ حوث کے مفہوم کی تکمیل کے لیے قوانین مباشرت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے جماع کے لیے بہترین وقت اور حالت وہ ہے کہ جب مرد و عورت دو فون پوری پوری صحت کی حالت میں ہوں۔ تا جہانی وہ باطنی و مصلح و سالم اور ہر قسم کے فسادات اور ضعف سے پاک ہوں۔ کھانے کے بعد اسقدر عرصہ گزر چکا ہو کہ معدہ کا عمل باطنہ قریب الختم ہو یعنی کھانے کے بعد قریب تین گھنٹہ گزر چکے ہوں۔ نہ معدہ بالکل خالی ہو۔ غم و الم کسی قسم کا نہ ہو۔ شہوت خود بخود بلا کسی خیالی کے تیزی اور جوشانی پر ہو۔

حیض کی حالت میں جماع کرنا خطرناک اور باعث حدوث امراض سوزاک وغیرہ کا ہے جب تخم بند ہو کر سفیدی کا آنا ہی موقوف ہو جاوے اور یہ وقت جماع کرنا مفید ہے اسوجہ سے حیض میں جماع قطعی حرام ہے خدا فرماتا ہے یمنعوا نطف من الحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء فی الحيض حتی یطهرن، یہ امر بخوبی عیسے ہے کہ اصل نشاء جماع کا بقا سے نسل ہے اور خاص قدرت کا نشاء جماع سے ہی ہے جبکہ نشاء جماع کا یہی ہے تو اسے یہ دیکھنا لازم ہے کہ تفرار عمل کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ سب سے یکسو وقت جماع کا نتیجہ عمل ہو سکتا ہے اگرچہ اسکا بیان بہت طولانی سے مگر بطور اختصار یہ ہے کہ موافق تحقیقات جدیدہ جو امر کہ بعد شہاد

اور ثبوت کامل تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بعد اختتام حیض تقریباً دس روز تک بیضہ بھری خارج ہوتا ہے پس بعد حیض جماع کیا جائے اور حیوانات منی مرد کے بیضہ سے ملتی ہیں تو نتیجہ حاصل ہوتا ہے بغیر اس صورت کے حمل قرار نہیں پاسکتا ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ صورت ہر وقت قابل جماع نہیں ہے کیونکہ جب ہر وقت فساد جماع حاصل ہونا ناممکن ہو مقصد انصاف یہ ہے کہ اس وقت جماع نہ کیا جاوے اور وہ اوقات حمل و صلت حیض ہے بخلاف مرد کے کہ اس میں ہر وقت اس امر کی صلاحیت ہے کہ عورت کو حاملہ کرے ہر حال ایسے حالات میں جماع نہ کیا جاوے۔

اب ہم ناظرین کے سامنے ایک نظریہ پیش کرتے ہیں۔

جب حیوانات عالم کے افراد پر نظر کرتے ہیں تو انسان کو اس فرد حیوانی میں پاتے ہیں کہ جو جانہستان سے دودھ پلاتے ہیں اونکی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ یہ جانور سوائے وقت معینہ کے نر کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی اور یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جس وقت بیضہ تیار ہو کر قابل لقاح ہوتا ہے تو اس وقت اونکو سب فساد قدرت خواہش جماع ہوتی ہے جس خواہش کے ذریعہ وہ بعد جفت ہونے کے بار آور ہوتی ہیں لیکن بعد القاح پھر اگر نر اس سے جفت ہونا چاہے تو وہ ہرگز اسکو اپنے پاس نہیں آنے دیتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جماع کے لیے ایک وقت خاص معین ہے اس کے خلاف جائز نہیں بطرح عورت کو بھی اس وقت خواہش ہوتی ہے جبکہ بیضہ بھری خارج ہوتا ہے اور بعد گزرنے ان ایام کے پھر اگر جماع کیا جاوے تو مہلک اقبال بعض محققین زمانہ حال اگر رحم حالت اصلی پر ہے تو اس قدر حمل ناممکن ہے۔

بیان مذکورہ بالا سے غالباً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ جماع کا فساد کیا ہے اور وقت استقرار حمل کو تسلیم ہے۔ اب اس امر کا ثابت کرنا ضرور نہیں کہ حالت حمل میں جماع نہ کیا جاوے اس لیے کہ فساد جماع جب پورا ہو گیا تو پھر جماع ایک فعل مثبت ثابت ہو گا ملاوہ اسکے حالت حمل میں جماع سے استفادہ جنین و دیگر امراض کا جانین کے لئے اندیشہ ہے یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ عورت کو خطہ جماع اور انزال مثل مرد کے نہیں ہوتا نہ مادہ منی عورت کے ٹھکانے میں ہے۔ خارج ہوتا ہو یہ امر اپنے مقام پر خوبی ثابت ہے۔ بخلاف لذت کی وجہ یہ ہے کہ جب جماع واقع ہوتا ہے اور عرصہ تک قائم رہتا ہے تو جس طرح کہ مرد کو ہر وقت انزال تشجات شہوانیہ ہوتے ہیں اس طرح عورت کو بھی تشجات شہوانیہ ہوتے ہیں اور جس طرح مرد کو ان تشجات شہوانیہ سے

خطوط حامل ہوتا ہے اس طرح عورت کو بھی۔ اور سطر سے مردان تشجات کے بعد حمل سے متفسر ہو جاتا ہے اسی طرح عورت بھی۔ اور سطر سے مرد کو بعد ان تشجات کے ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور سطر سے عورت کو بھی اسلئے کہ حمل سے نظام عصبی میں سخت تحریک ہوتی ہے جس سے نظام عصبی کو صدمہ ہو چکر ضعف لاحق ہوتا ہے یہی حال عورت کا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ مرد کی سنی بھی خابج ہوتی ہے در عورت کے صرف تشجات شہوانیہ ہو کر رہ جاتے ہیں جس سے غلط غلط حامل ہوتا ہے۔ گاہے ایک رطوبت ہسل سے خارج بھی ہوتی ہے لیکن اس رطوبت میں بعد متعلق علم کیسا وی وجود بین ثابت ہو اگر اجزا امی نہیں ہیں پس ممکن ہے کہ حالت حمل میں جب جماع واقع ہو تو تشجات شہوانیہ عورت میں پیدا کر کے حمل کو اس سے جس سے صدمہ یا خطر متصور ہیں علاوہ اسکے حاملہ سبب حمل کے خود ہی ضعیف ہوتی ہے کیونکہ بہت بڑا حصہ خون اور دیگر رطوبات اسلئے کا پر در شش جنین میں صرف ہوتا ہے پس ایسی حالت میں جماع کرنا اور بھی حاملہ کو کمزور کرتا ہے کیونکہ اطباء جماع کو محمل روح کہتے ہیں اور زیادہ بہت کہ ضعف موجب اسقاط جنین ہے علاوہ اسکے یہ امر بھی لائق ملاحظہ ہے کہ حاملہ کو حالت حمل میں بالکل خواہش جماع نہیں ہوتی اس حالت میں مفرد مرد سے بہ رغبت پیش نہ آوے گی اور یہ امر موجب نقصان شہوت ہو گا چنانچہ اطباء نے منہلاً اسباب ضعف باہ کے اسکو بھی لکھا ہے کہ بوقت جماع عورت مرد سے بہ رغبت پیش نہ آوے اور اسوجہ سے اٹھانے نا بالضا اور عارضہ اور حاملہ سے جماع کرنے کو منع کیا ہے خصوصاً ابتدائے مینو قہن اور آخری تین مینو قہن جماع کرنا زیادہ تر باعث اسقاط جنین ہے اور اسی حکمت سے حاملہ اور نا بالضا سے حریت میں بھی جماع کرنے کی ممانعت لکھی ہے۔

حافظہ عورت سے جماع کرنے میں علاوہ اکثر امراض کے جنکو ہم آئندہ بیان کرتے ہیں یہی امر کافی ہے کہ اس حالت میں جماع کرنے سے عورت کو بجز تکلیف کے کسی قسم کا طحاصل نہیں ہوتا اور اکثر بسبب عدم توہمی مفعولہ اکثر نامردی لاحق ہوتی ہے چنانچہ اکثر ایسے مریض دیکھے گئے ہیں۔ علاوہ اسکے رطوبت حیض سے سوزش و ورم احلیل پیدا ہوتا ہے۔ گاہے دلکب کیا ہے کہ ورم احلیل اتین تک پہنچ کر باعث فتق و ورم پیشتین ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ بھی یہ ہوا ہے کہ ورم پیشتین خود خواہ نہ زیر علاج رفع ہوا تو پیشتہ اسقدر چھوٹے ہو گئے کہ جنگلی مقدار قریب قریب مرگے ہو چکے تھے جس سے نامردی لاحق پیدا ہو کر ہمیشہ کے لیے

و نیلے گھو یا ہر چند علاج ہو تا ہے اور پہلی بھی لگائی جاتی ہے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ علاوہ اسکے اور بھی امراض لاحق ہو سکتے ہیں جنکے بیان سے طول ہو گا عورتوں کے واسطے بھی اکثر اوقات خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ حالت حیض میں استلائی دم ہوتا ہے پس جماع سے ایسا ممکن ہے کہ صدمہ ہو پھر خون بکثرت جاری ہو جسکا نتیجہ موت تک ممکن ہے اور کم سے کم اتنا ممکن ہے کہ ورم مزمن یا ساخت رحم پر صدمہ ہو پھر ناجستہ عورت کا خیمہ ہونا بھی ممکن ہے۔ اور بسا اوقات اتنا نہ دیر ہوتا ہے کہ عورت، ایسے امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ جس سے ہمیشہ بوقت جماع بلکہ بدون جماع تکلیف و درد میں مبتلا رہے۔ اور بھی امراض ممکن ہیں مثلاً حیض کا معمولی وقت پر نہ آنا حیض کا کمی کے ساتھ آنا۔ حیض کا زیادتی کے ساتھ آنا حیض کا درد کے ساتھ آنا۔ وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ بالا پر نظر کر کے انسان کے خیال میں پورے طور سے آ سکتا ہے کہ حالت حیض میں حمل سے کیا کیا مضر ترین چیزیں مل سکتی ہیں جنہیں بعض قابل علاج اور بعض ناقابل علاج ہوتے ہیں اکثر زخم پر جاتے ہیں اور اس سے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اعضائے اندرونی سے نکل جاویں مگر ان بیانات کے لیے ایک کتاب طولانی درکار ہے۔

ماہرین فن طب ہر مضمون میں ہے اسید جہ سے شریعت سے حکم امتناعی دیا اور بعد اس حکم متناعی کے بھی اگر کوئی شخص مرتکب جماع ایسی حالت میں ہو تو اوپر ایک قسم کا جرمانہ مقرر ہوا جو کفارہ کے نام سے ہے (اعتراف)۔ اس آیت میں عورت کو کہتی کہا ہے کہیتی کسانوں اور زمینداروں کی ملکیت ہوتی ہے عورتوں کو ملکیت کہا گیا ہے۔

(جواب) کہیتی سے ملکیت کا اچھا ثبوت پیدا کیا اب کہیتی کہنے سے یہ مطلب ہے کہ جو کام کہیتی سے کیا جاتا ہے وہی کام اس سے بھی پیدا اور اس طریقہ سے غم۔ بڑی کرہ کہ جیسی تم چاہو بیٹے جو طریقہ کہ پیداوار کے لیے مفید ہو۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کی ملکیت میں تم خود کاشت کرو کسی ملازم یا اپنے وار سے کاشت نہ کرو یا یہ نوک مالک گھر بیٹھا رہے اس کے پسہ دار شکی اور ملازم چار غسرو اس کی کہیتی میں خوب ہل چلا میں اپنی قوت سے اس کے پیچھے اور سیراب کریں اپنا ہی بیج بوئیں اور جیب پیداوار تیار ہو تو کہیت والے کے اندر کریں (مذکورہ) اور یہ قدم والا دفعہ ہے کہ

میں ہی فرمایا ہے

(حقوق نہوان)

ہم نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مسلمان عورتوں کو مردوں سے کمتر و جہ میں خیال کرتے ہیں

اور یہ بتایم کرتے ہیں کہ عورتوں میں روح نہیں اور وہ بہشت میں نہیں داخل ہو سکتیں۔ یہ ایسے
 لہوستان واقعات ہیں جو بالکل جاہل مکلفے والوں کے قلم سے نکلے ہیں محمدی طریق تمدن میں عورتوں کا
 درجہ یورپ اور امریکہ کی عورتوں سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور اہل ازمہ متوسطہ کے سردار اگرچہ
 عیسائی تھے مگر تو کھانا مطلق پاس نہیں کرتے تھے۔ مگر عربوں نے عیسائیوں کو عورتوں کا
 کھانا دیکھا یا ہمایہ زمانہ قدیم کے امر اور جنگجو اتنے بہت ہی بری طرح سے پیش آتے تھے
 مثلاً گائے ان کی لہرن کی تاریخ نامے معلوم ہوتا ہے کہ (شالین) کے بعد میں عورتوں کے
 ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا۔ اور خود یہ شالین وہ لوگ تھے جو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا تھا۔ شالین نے ایک دن
 بہن کے ساتھ مباحثہ میں اوپر چلایا اسکے بال کپڑے کے اوپر خوب مارا۔ اور اپنے گویے کے
 داستان سے اسکے تین دانت توڑ ڈالے البتہ اس کا تھا پانی میں خود اسکے بھی دو چار گھونٹے
 لگے ہمایہ اس زمانہ کا کوئی گازیبان۔ بھی کسی عورت کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گا۔
 اور نبل اسکے زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان و حیوان کے درمیان میں ایک قسم کی مخلوق
 سمجھی جاتی تھیں جس کا مصرف محض ترقی نسل اور مرد و عورتی خدمت تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک
 بد فیسی خیال کی جاتی تھی اور ان کو زندہ دفن کر دینے کا حق اور بی طرح حاصل تھا۔ جیسے تبت کے
 معمول کو پنی بن ڈوب دینے کا۔ یہ ہولناک رسم قبیلہ قریش اور قبیلہ کندہ میں جاری تھا۔
 اور اسکے ساتھی بوسم قبیح بھی تھا کہ عرب مثل قدیم اور اقوام کے بچوں کی قربانیاں اپنے معبودوں پر
 قربان کرتے تھے۔ موسیٰ کو سان دی برہمان، نے آنحضرت معلوم اور قبس شیخ غنی خیم کے مکالمہ
 نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا خیال لڑکیوں کے ہائے میں کیا تھا۔ آنحضرت اور قوت
 ایک لڑکی کو زافون پر بٹھائے کھلا رہے تھے۔
 قبس نے پوچھا: یہ کس جانور کا چوبہ ہے جسے آپ کھلا رہے ہیں ؟

اسلام ازمنہ متوسطہ یا ازمنہ مظہر یورپ کی تاریخ میں وہ زمانہ ہے جس میں عربی نقصات اور کمزوری
 مظالم کیوجہ سے تاخلف ایک اتر حالت میں تھی اور ہر قسم کی ترقی رکھی ہوئے تھی یہ زمانہ ۶۰۰
 سے ۱۰۰۰ تک مسوب ہے اور اسکے بعد بھی یورپ موجودہ ترقی کی بے نشہ الثانیہ کہتے ہیں ابتدا میں ہے ۱۲
 سے ۱۵۰۰ تک میں ہمارے بزرگ مغز انس کا مشہور بادشاہ اور ضرب کا شامشاہ تھا اسکے ملک نہایت
 وسیع تھا اور اس کا علاقہ تک پہنچ گیا تھا۔ ملادہ ملک گیری کے شالین نے ملوم و نہیب کی ترقی میں بڑی کوشش
 کی اور نہایت ترقی اور مذہبی قوانین کے مجروحہ شاہیہ کے سال ولادت ۱۰۰۰ سال وفات ۱۲۰۰

آنحضرت نے جواب دیا ہے یہ میرا کچھ ہے۔

قیس نے کہا ہے باوجود عظیم میری بہت ایسی ترکیبان جوئیں لیکن میں نے ادب کو زندہ دین
 کر دیا کیونکہ میں نے کھلایا ہے آنحضرت نے فرمایا اسے بد بخت معلوم ہوتا ہے خدا نے میرے دلیں
 کسی قسم کی محبت انسانی نہیں پیدا کی۔ تو ایک نعمت عظیم ہے جو انسان کو دی گئی ہے محمد جو
 عرب میں بھی اور ان یہود میں بھی جو جزیرہ اربعہ عرب میں سکونت پذیر تھے عورتوں کی حالت
 انکسوں ناک تھی۔ جہاں زن باکرہ اپنے باپ کے گھر میں کنیزی کی حالت میں رہتی تھی (ملاحظہ
 تو ریت گنتی اور اگر وہ نابالغ ہوتی تھی تو اسکے باپ کو اسکی بیوی ڈالنے کا اختیار تھا اور اسکا
 باپ اور باپ کی وفات کے بعد اسکا بھائی جو چاہتا تھا اسکے ساتھ سلوک کرتا تھا۔
 جو کسی خاص صورت سکھائی بالکل محبوب لایٹ تھی۔

عورت مشرکین عرب میں صرف ایک جائیداد منقولہ سمجھی جاتی تھی اور اپنے باپ یا شوہر کی
 ملکیت کا ایک بڑا اثمن تصور کیا جاتی تھی۔ اور شوہر کی سیماں مثل اور میرہ کر کے اسکی بیٹی
 یا بیٹوں کی بطور ترہہ پوری ملتی تھیں۔ اسوجہ سے سوتیلی ماؤں کی شادی اکثر سوتیلے
 بیٹوں کے ساتھ ہوتی تھی اور جیسے یہ رسم قبیح اسلام میں حرام کر دیا گیا تو اسکا نام تو یہ تھا
 محاح المقت ر کھا گیا یعنی بیانی کا محاح۔

اسی طرح قانون انگلستان میں محاح کے بعد بہت سے احکام میں عورت کی ذات سب سے
 قائم نہیں رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستملک ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ
 نہیں کر سکتی اور اسکی ذاتی جائیداد جو قبل محاح سے حاصل ہو وہ بھی شوہر کی ملک میں ہو جاتی
 ہے اور اسے اختیار ہوتا ہے کہ جیسے چاہے اسے صرف کر دے عورت کو اتنا بھی حق
 نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنے ذات خاص سے ضروریات خریدے۔ یا منگوا بیچے
 گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر رسم انگلستان میں اسکے تعمیل کے پانے
 کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ عورت کو مالش کر کے کا حکم ہے مگر کچھ منہی صورتیں
 نکالی گئی ہیں مرد یہ راہ دھونڈتا رہتا ہے کہ سیطرہ میری عورت زمانہ میں چھوڑے اور طلاق
 مانے۔ اور یہ عزت مرد کی ملکیت کی خواہان ہوتی ہے۔ اپنی حاجت قسائی مجب
 زمانہ کے پورے نہیں کر سکتی۔ اسوجہ سے وہ اپنی کلاں والی بجز زمانہ کے نہیں کر سکتا
 دیکھ کے نزدیک کسی لڑکین کو یا لڑکیوں سے ملنے سے منع ہے وقت کے قابل۔

(۱) منوجی مہاراج فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت صرٹ لڑکیاں پیدا کرتی ہو تو گیارہویں سال مرد و سری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لیوں۔

اگر لڑکیاں اولاد اور وارث سمجھی جاتی اور کسی قابل پوتین تو زینہ اولاد کے لیے نیوگ کا یوں حکم ہوتا۔

(۲) ہر ویدین لکھا ہے کہ اگر عورت بزربان چوڑاوسکی اصلاح و غیرہ نہ کرے۔ نہ درگزر کرے بلکہ فوراً بونا ہو کر کسی دوسری عورت سے شلق کرے۔ اس کے حقوق پر کچھ بھی خیال نہ کرے اور پھر یہ کہ نیوگ اور بواہ صرٹ اولاد کے لیے ہی ہے اور کچھ حقوق و تعلقات نہیں ہیں۔

(۳) اور منوجی کے دھرم شناسر میں لکھا ہے کہ بد فعلی عورتوں کی جلی عادت ہے۔ اس واسطے کہ دیکھنے والا یوں ہر خاموش ہو رہے کہ اس عورت کے سر پر مین اگر نطفہ قرار پا گیا تو اس کا ختم اس کو پاک کرے اور اگر نطفہ نے قرار نہیں پکڑا تو حیض کا خون آئے ہی وہ آپ ہی پاک ہو جاوے گی۔ گویا عورتوں کی حفت و عصمت کچھ خیال ہی نہیں کی گئی۔

(۴) رات دن عورتوں کو شوہر و غیرہ کے وسیلے سے اختیار کرنا مناسب ہے جو عورت شہیون میں لگی ہے او سکوا اختیار میں رکھنا چاہئے (منو ۱)۔
(۵) لڑکپن میں باپ اور جوانی میں شوہر اور بڑا ہے مین جیسا عورت کی حفاظت کرے گیو نکہ عورتیں خود مختار ہونے کے قابل نہیں ہیں (منو ۲)۔

(۶) تھوڑی صحبت سے بھی عورتوں کی حفاظت کرنے چاہیے عورتیں غیر محفوظ رہنے سے دونوں کل (خاندان شوہر و خاندان والد) کو بچ بچا جاتی ہیں (منو ۳)۔

(۷) جس قسم کے مرد کا استعمال عورت کرتی ہے ویسا ہی بیٹا پیدا کرتی ہے اس لیے اولاد پاک ہو سکے لیے حتی المقدور عورت کی حفاظت کرنی چاہیے (منو ۴)۔

مخلافات اسکے ہمارے مذہب میں عورتوں کے حقوق کو مثل مردوں کے قرار دیا ہے اسلام نے حقوق نسوان کیسے مصنفانہ حکیمانہ اور فطرت نسوان کے موافق قائم کی ہیں جس کے برابر دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔

قرآن مجید میں خدا نے صاف فرمادیا ہے کہ میں عمل صالح میں ذکر ادا نشی

اور کیا طریقہ ہے۔ آپ جانتے ہیں لباس کیا چیز ہے انسان کے لیے باعث زیب و زینت
 عزت و جلال کا موجب۔ انسان کی زیب و زینت سب لباس سے ہے۔ اس
 استعارہ میں جس میں خدا نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس بنایا ہے۔ ایک دوسرے کی
 عزت و حرمت زیب و زینت حقوق و غیرہ سب آگئے۔ کیونکہ ساری دنیا لباس کو اپنے
 لیے زینت عزت و حرمت اور اظہار جاہ و جلال کا باعث خیال کرتی ہے۔ اور کوئی شخص
 بغیر لباس کے نکلا پھر انہیں چاہتا بغیر لباس کے کچھ اسکی عزت نہیں ہوتی اور لباس سے
 جس طرح جسمانی راحت و آسائش ہے اسی طرح عورت کو مرد سے اور مرد کو عورت سے
 راحت و آرام ہونا چاہیے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ خدا نے سورہ روم میں عورت
 و مرد کے اخلاص کو اپنی رحمت و قدرت کا نشان بیان فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے۔
 وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ يَخْلُقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا فِيهَا وَجَعَلَ مِّنْكُمْ مَّوَدَّةَ وَحْشٍ
 اَنْ تَفِي ذَلِكُمْ اٰيَاتٍ لِّعُوْمَرِ يَتَفَكَّرُونَ اور خدا کی قدرت کے نشاں میں یہ ہے
 کہ اس نے تمہیں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں تاکہ تم اسے چھین حاصل کرو۔ اور اس نے
 تمہارے درمیان اخلاص محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس بیان میں اور لوگوں کے
 لیے جو خدا کی آیات میں فکر کرتے ہیں ایک بڑا نشان قدرت ہے کہ کس طرح بیگانے
 مرد اور بیگانی عورتیں بھلا اخلاص پیدا کر دیتا ہے۔

اور اس سے زیادہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی رو سے عورت اپنے مال کی جدا مالک مترار
 پائی ہے۔ اور مرد و جدا۔ قرض داری میں مرد کے عورت کا مال قرض نہیں ہو سکتا ہے
 اور نہ عورت کے قرض میں مرد کا ہر ایک ملحدہ ملحدہ اپنی جائیداد کا مالک ہے عورت
 جدا تجارت کر سکتی ہے۔ زراعت کر سکتی۔ اپنے مال کو جس طرح چاہے بڑھا سکتی ہے
 جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا يَجْلِيٰ لَكُم مِّنْ اَمْوَالِكُمْ اَلَا تَتَذَكَّرُونَ
 مرد و عورت کے لیے اور علیٰ کمال کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اور علیٰ کمال کا حصہ ہے
 کمال کا مالک ہے اور عورت اپنی کمال کی۔ اور پھر عورت ہر جگہ برابر میراث میں ترکہ
 کی وارث قرار دی گئی ہے اور لاؤ کے ساتھ اسکو بھی حصہ ملتا ہے۔ ہاں جو گھر کے
 مالک حاکم اور اعلیٰ سیاست ہونے کے مردوں کو عورتوں پر ایک قسم کی ترجیح ہے۔
 اور جو عورت کے حکم سے اس کا خاوند کی فرمانبرداری کرے۔ جو ہر ایک مذہب میں ضروری

اور فطرت کے موافق ہے کیونکہ دو شخص گھر کے حاکم اور مالک نہیں ہو سکتے۔ مرد اگر گھر کا بادشاہ ہے تو عورت اس کی وزیر۔ لیکن حقوق معاشرت میں دونوں مساوی ہیں۔ البتہ مرد کا معاشرتی تہن کی قدر عورت سے زیادہ درجہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے: وَلِلرَّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ مِّمَّا كَسَبُوا (مردوں کو عورتوں پر ایک قسم کا درجہ ضرور ہے انھیں میں بھی ایسا ہی عورتوں کو مردوں کی تابعداری کرنے کا حکم ہے اور مرد کو عورت کی تابعداری کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ صرف بہت کرنا حکم ہے دیکھو (منی ۳۳) اس طرح مردوں کو تعلیم دینے کا حکم ہے مگر عورتوں کو حکم دینا (امنی ۳۳)۔
(انتظام نس ۳۳) علاوہ اسکے آجکل عورتوں کو مردوں کے برابر رکھنے کا بہت زور لایا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی قدرتی قواعدت و درہنہ نہیں ہو سکتا۔ مرد عورت کو پیادہ کر جان چکا لیجاوے۔ عورت مرد کو جان چاہے نہیں لیجا سکتی۔ مرد عورت کو خفہ دینے کیو یہ ہے اور ہر حاکم ہے اور حق برتری رکھتا ہے۔ عورت کے لیے ایسا نہیں ہے۔

یہ خدا فرماتا ہے: وَلَعَنَ مِثْلَ الدَّيِّ عَلَيْهِمْ بِالْمَعْرُوفِ فَالْصَّالِحَاتِ قَانَنَاتٍ حَافِظَاتٍ لِلْغَيْبِ، ایس نیک بخت بیباں خاوند کا حکم مانتی ہیں اور مردوں کے پیشتر سمجھ گھر کی رکھوالی اور انتظام کرتی ہیں۔ اور اپنی عصمت کو تقاسمی ہیں عورت کے حقوق کی نگہداشت کی اسلام میں یہاں تک تاکید ہے کہ وفات کے وقت تک بھی اس بارہ میں آنحضرت برابر تاکید فرماتے رہے عورت کے حقوق و امتیاز و اختصاص کی اس سے بڑھ کر دیل کیا ہوگی کہ جناب رسول خدا کی نسل عورت یعنی جناب فاطمہ سے ہوئی ہے۔ یہ بھی خدا کی ایک حکمت تھی۔ عرب میں اسلام سے پیشتر عورت کی بڑی خرابی تھی۔ اس کے حقوق وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔ اسلام نے پہلے مرد و عورت کے یکساں حقوق معین اور ان کی تعمیل و رض کی اور عیسیٰ طور پر عورتوں کی عزت و حرمت کا یہ نمونہ دکھلایا کہ جناب رسول خدا کی نسل میں ایک عورت کے بطن سے قائم کی۔ تاکہ تمام دنیا کو معلوم ہو جاوے کہ مسلمانوں میں عورتوں کے حقوق و عزت مرد کے کسی صورت میں کم نہیں سمجھے جاتے۔ یہاں تک کہ حضرت سرور کائنات کی نسل سادات ہے ایک عورت یعنی حضرت فاطمہ زہرا سے ہوئی ہے۔

خدا نے قرآن مجید میں عمران کی بیوی کی نذر میں عورت ہی کو قبول کیا۔ اور حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے بھالے لڑکے کے قبول فرما کر دنیا کی

مور تو ہزار چین لیا جیسا کہ وہ فرما گیا ہے: "فَتَقْبَلَهَا بِمَا بَقِيَ مِنْ حَسَنِ مَا خَلَقَ" اور اسی ہی قبولیت کے ساتھ جن لیاٹ وان اللہ اصطفاک و طهر لہ و اصطفاک علیہ نسأء العالمین، خدا نے حضرت مریم کو برگزیدہ اور مقدس ٹھہرایا اور جہان کی عورتوں میں جن لیا۔

اور پھر یہ کہ سورت تحریم میں مسلمان مردوں کے لیے حضرت آسیہ اور حضرت مریم کو مثال بیان کیا ہے۔ اور ایک نمونہ ٹھہرا کر ادنیٰ تقلید کا حکم دیا۔ اس سے بڑھ کر اثر بہت انصافیت عورات کی اور کیا ہوگی۔

اور آنحضرت کا یہ قول: "یہ نہیں چھوڑ لینے اپنے بعد کوئی فتنہ جو زیادہ ضرر پہنچانے والا ہو مردوں کو عورتوں سے" اس سے عورت کی حقارت مقصود نہیں بلکہ مردوں کو ادنیٰ سچا اطاعت اور زیادہ اختلاط سے جو بیداری کی حد تک پہنچا کر انسان کے لیے موجب فتنہ ہو جاوے۔ ڈرایا گیا ہے۔ اور تمثیلاً اس کے فریفتہ کرینے کے اثر کی نسبت ایسا کہا گیا ہے۔ "یعنی ادنیٰ فریفتگی کا اثر ایک فتنہ ہے جس سے کئی مصیبتیں برپا ہوتی ہیں یہ ایک تمثیل ہے نہ معارف۔ صرف اس کے نتیجہ اور اثر سے نقلی ہے مثال و حکمت میں کسی نے کو اس کے اثر وغیرہ کے لحاظ سے فتنہ وغیرہ کدینا یہ کوئی اعتراض کا موجب نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ نے خود تمثیل نہیں لوگوں کو سوراٹنا۔ بندر بنایا ہے۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فی الواقع انسان سورا یا بندر یا کتا ہے صرف اس کے طبائع کی خاصیت یا اثر کے لحاظ سے ایسا کہہ یا گیا ہے۔ اس سطر سے حضرت رسول کریمؐ نے عورت کو ناجائز شیطانی شیطان کے پھندے۔ فرمایا ہے تو اس سے بھی ادنیٰ فریفتگی کے اثر کو ان الفاظ سے استعارہ کیا ہے۔ کہ جسطرح انسان کو مکر و حیلت کے پھندے میں پھنسا ہے اس سطر سے عورت کو نکاح میں ایک قسم کا جادو ہے جس میں انسان پھنس کر نہ دنیا کا رہتا ہے نہ دین کا۔ پس انسان کو مور تو ہزار فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور عورت اور گھر اور گھوڑے میں نحوست کا ہونا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اس کے سنی بھی ہیں کہ اگر گھوڑا اثر برکسش۔ بد لگام لجاوے۔ یا عورت نافرمان سخت مزاج نکل آوے۔ یا گھر کی ہوا صحت کے خلاف ہو یا اور کوئی بدی ہو۔ پس یہ حکم اذ قیل ہے اس سے عورت کا بالعموم نحوست جو ناگمان پایا گیا۔

اور عورتوں کا زیادہ گنہگار یاد و زخمی ہونا۔ یہ ایک امر واقعی ہے کہ وہ اکثر خاوندگی نافرمانی اور ناشکری کرتی ہیں۔ پس ایک امر واقع کے بیان کرنے سے کسی غرتہ کی توہین مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اوکو متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہا جا چکا ہے کہ انسان بڑا سرکش ہے بشرطِ اخطا کار ہے تو اس سے اس کی توہین مقصود نہیں ہوتی بلکہ ایک امر واقعی کا اظہار اور سرکشی و گناہ سے انداز ہے یا نسیبیل میں عورت کو گنہگار ضرور کہا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ آدم نے آپ نہیں کھایا پر عورت فریب کھلے کے گناہ میں کہنے (مطابقت) اور پھر عورت کی تحقیر میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ اس کے پیٹ سے کھلنے والے انسان کو بھی ناپاک اور ناراست باز کہا گیا ہے جیسا کہ (ایوب علیہ السلام) میں لکھا ہے کہ انسان کون ہے جو پاک ہو سکے اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیا ہے کہ صادق ٹھہرے اور عورت کی نجاست اور ناپاکی میں یہاں تک غلو کیا گیا ہے کہ ارشاد ہوا کہ انسان ہے جو ناپاک سے پاک نکالے۔

شرع محمدی میں عورت کی حیثیت انگلستان کی عورتوں کی حالت سے بہتر و برتر ہے جب تک وہ ناکتھار رہتی ہے اپنے ماں باپ کے گھر میں رہتی ہے اور جب تک نابالغ رہتی ہے کی قدر اپنے باپ کے یا اس کے قائم مقام کے اختیار میں رہتی ہے جو میں وہ بالغ ہو جاتی ہے تمام حقوق شرعی اس کو حاصل ہو جاتے ہیں جو بالغ و رشید انسان کو ملنے چاہئیں وہ اپنے بھائی کے ساتھ ماں باپ کے ترکہ میں حصہ لاتی ہے اور اگر چھوٹے اور بیٹے کے حصہ میں فرق ہے مگر یہ فرق بھائی اور بیٹے کے حالات کا منصفانہ لحاظ کر کے رکھا گیا ہے۔ شادی کے بعد بھی اس کی شخصیت میں کچھ فرق نہیں آتا اور وہ ایک جدا گانہ مجبوظہ شریعت کی باقی رہتی ہے اور اس کا وجود اس کے شوہر کے وجود کے ساتھ امتیختہ نہیں ہو جاتا اس کا مال اس کے شوہر کا مال نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا مال اسی کا رہتا ہے اور وہ ایک ذاتی حق اپنی ملکیت میں رکھتی ہے۔ وہ اپنے قرضدار و غیر ملانیہ عدالت میں نالش کر سکتی ہے اور کسی دلی کو شریک کرنے یا اپنے شوہر کے نام سے نالش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جب وہ اپنے باپ کے گھر سے اپنے شوہر کے مکان میں جا چکی ہے تب بھی اس کو سب حقوق مضرعی وہی حاصل رہتے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ تمام مولا جبکہ حقوق جو ایک عورت اور زوجہ کو حاصل ہونے چاہئیں اس کو صرف عورت و اہل حق کے

روسے میں حال میں جب کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ نص قرآن کے بموجب حاصل ہیں۔ وہ اپنی جائداد کو بلا اجازت شوہر منتقل کر سکتی ہے اور وصیت کر سکتی ہے۔ وہ اور ونکی جائداد کی منتقلہ اور وصیہ مقرر ہو سکتی ہے اور اوقات کی متولیہ بھی مقرر ہو سکتی ہے۔

معاہدہ نکاح سے مرد کو عورت کی ذات پر اس سے زیادہ اختیار نہیں حاصل ہو جاتا جتنا شرع میں لکھا ہے اور اس کے مال و اسباب پر تو مطلق اختیار حاصل نہیں ہوتا زوہ مجہد نے اپنے شوہر کے گھر میں ان سب حقوق پر قابض رہتی ہے جو شرع سے اس کو بطور ایک ذخیرہ میری شریک موسائٹی کے عطا فرمائے ہیں۔ اس پر جدا گانہ اور بلا شرکت غیر ناش ہو سکتی ہے۔ وہ بلا واسطے امین یا ولی جائداد لے سکتی ہے اور ایک خاص حق اپنے شوہر کی جائداد میں رکھتی ہے جو قبل وقوع نکاح ملے ہو جاتا ہے اس کے حقوق مادری کا تسلیم ہونا خاص خاص بیچون یا قاضیوں کے نازک خراجی پر موقوف نہیں ہے وہ اپنی شوہر سے معاہدہ کر کے در صورت خلافت ورزی معاہدہ اس پر ناش کر سکتی ہے جو کہ وہ اپنی محنت و مشقت سے کماتی ہے اس کو اس کا فضول خرچ شوہر اور اولاد نہیں لے سکتا اور نہ کوئی بصرہ و سنگدل شوہر بلا خوف سزا اپنی زور جو کو زد و کوب کر سکتا ہے ایک مورخ کا قول ہے: البتہ ممکن ہے کہ ایسا نہیں بھی امریکہ کی طرح پوشیدہ ظلم ہوتا ہو مگر مسلمان شوہر کو اپنی زوجہ پر زیادتی کرنے کا حکم شرع محمدی میں کہیں نہیں لکھا ہے اگر وہ گناہ کرتا ہے تو اس کو گناہ سمجھ کر تائب اور اپنے ولیمین عذاب آخرت سے ڈرتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے عزم پر کوئی ظلم کرتا ہے گو وہ ظلم کیا ہے خفیف ہو تو وہ خوب جانتا ہے کہ مظلوم کا انتقام لینے کے لیے قاضی صاحب موجود ہیں (پہنر تھم ڈکسن صاحب کا تاریخ امریکا ملاحظہ ہو) یہی مورخ پھر لکھتے ہیں: ہمارے عام قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے اختیار میں بالکل آجاتی ہے یہاں تک کہ جو عورت شادی کے وقت کر جائین نوجوان اور حسین اور متمول آتی تھی وہ عورت اپنے شوہر کی جو رجسٹر سے جسکے مکافات قانوناً کچھ نہیں ہو سکتے چند سال کے بعد گرجا سے دلیل و خوار خفیت و زار اور فلس ہو کر نکلتی ہے تمام تاریخ اسلام قیامت تک اون لوگوں کی تلمذ و پیروی کو موجود ہے جو کہتے ہیں کہ شرع محمدی میں عورت پر نہایت سختی ہے قرآن مجید نے عورت کی حالت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ اور شرعی قانون سازی کی

تاریخ میں مود و عورت میں مساوات کا اصول اول مرتبہ تسلیم کر لیا گیا ہے اور عمل میں لایا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے ۴۴ عورتوں کو اپنے شوہروں سے ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے جیسا اونکے شوہروں کو اوکے ساتھ کرنا چاہیے (سورہ بقرہ آیت ۲۲۸) اس آیت کریمہ کی تائید خود رسول خدا نے اس خطبہ طبع میں فرمائی ہے جو حجۃ الودع کے بعد اپنے جبل عرفات میں فرمایا تھا۔ آپ فرماتے ہیں ایسا الناس تمہارے حقوق تمہاری بی بیوں پر ہیں اور تمہاری بی بیوں کے حقوق تمہارے شوہروں پر ہیں اس ارشاد کے مطابق شوہر و زوجہ میں مساوات تمام تعلقات و اشتغالات خانگی کا اصل اصول قرار دیا گیا ہے اور طرفین کو تاکید کی گئی ہے کہ تعلق زوجیت میں ایک دوسرے سے وفاداری کو سے اور بیوفائی کے نتائج شوہر و زوجہ دونوں کے حق میں ایک ہی رکھے گئے ہیں مرد اور عورت دونوں کو حنف اور پاک دامن کا حکم ہے شوہر پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کو نفقہ دے زوجہ کے نفقہ میں ہر چیز داخل ہے جو اوکے گزارہ اور راحت سے متعلق ہے کھانا کپڑا مکان وغیرہ اور یہ سب زوجہ کے خاندانی مرتبہ کے موافق مہیا کرنا چاہیے۔ ہاں البتہ جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر کو بغیر کسی سبب معقول کے چھوڑ دے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ رہے گی اور اگر شوہر کی زاید بدسلوکی سے گھر کو چھوڑا ہو تب بھی وہ نفقہ کی مستحق رہے گی یا حج واجب کے واسطے شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو تب بھی نفقہ کی مستحق ہے شوہر کی ذمہ داری نفقہ دینے کی کل مدت عدہ میں بھی باقی رہتی ہے شوہر و زوجہ کی سکونت کے بارے میں بھی شریعت اسلام و مہیون کے قوانین پر کوئی سبقت لیگئے ہے۔ یہودی شریعت میں جو عورت اپنے خاوند کے ہمراہ جانے سے انکار کرتی تھی جہاں کہیں وہ اسکو بھانا چاہتا تھا تو اس عورت کا ہر ساقط ہو جانا تھا اور جو چیز وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے لائی تھی وہ ضبط ہو جاتا تھا اور اس کے تمام حقوق شرعی زائل ہو جاتے تھے رومی نے قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے ہمراہ بلند چلی جاتی تھی اور نہ راہی جہاں انکار نہ رکھتی تھی یہی اصول اس زمانہ کے قانون انگلستان میں لکھ لیا گیا ہے۔

مجموعہ قوانین نپولین (۱۸۰۴ء) میں لکھا ہے کہ عورت پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہا کرے اور جہاں وہ رہنا چاہے اسے ہمراہ چلی جاوے اس سے

یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چاہے وہ مقام کیسا ہی مخدوش ہو عورت مجال انکار نہیں رکھتی ہے۔
گھر میں محمدی مین اکثر اصولوں میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اس کے خاوند نے جو مقام
سکونت پسند کیا ہو اس پر اعتراض نہ کرے غرض کہ اسلام میں جس قدر حقوق نسوان کا لحاظ ہے
کسی شریعت و ملت میں نہیں ہے۔ ان البتہ وہ مساوات جس کے لیے آپ حضرات پجری
جان پر کھیلے ہوئے ہیں اور جس مساوات کی حمایت میں سرگرم ہیں وہ آپ ہی مبارک
ہو اسلام ہرگز اوس مساوات کو جائز نہیں رکھتا اور بالکل بے حیائی اور بد مذہبی
اور بد غیرتی سمجھا ہے۔ پردہ کی آزادی مثل مردوں کے۔ یہ آپ ہی کو مبارک ہو
خداوند کی تم مسلمانوں کو ہمیشہ اس سے محفوظ رکھے آمین ختم آمین۔

(۵۵)

پردہ کے دستور کی برائیاں بہت کچھ کہنی جاتی ہیں جس کے سبب سے عورتیں مردوں کی
بجائست سے خارج ہو گئیں۔ اور بہت کچھ خیالی گھوڑ دوڑ اسلامی عورتوں کی اس
غم انگیز حال پر کی گئی ہے۔ اور بہت سے اعتراض ہوتے ہیں جن کو ہم بیان کرتے
ہیں (پیدا اعتراض) عورت مردوں افراد انسانی ہیں۔ اور انسانی آزادی میں
دو وزن مساوی ہیں۔ پھر کیا وجہ خلاف انصاف مرد کو پردہ سے آزاد کیا جاوے
اور عورت قید کی جاوے۔

(جواب) ہرگز مرد پردہ سے آزاد نہیں بلکہ جس طرح سے خورق کو مرد و نسو پردہ کا حکم ہے
اوسی طرح سے مردوں کو عورتوں سے۔ مرد و زن و مرد پردہ میں مساوی ہیں عورت
و مرد دونوں کی آزادی عقل صحیح رکھتی ہے پس اب نہ خلاف انصاف ہو گا نہ خلاف
عدل۔ عام اس سے کہ پردہ میں حسن ہو یا قبح ہو وزن و مرد و دونوں اس حکم میں
مساوی ہیں۔ مگر مرد کو کس معیشت و پرورش اہل و عیال کی وجہ سے خانہ نشینی
ناممکن ہے اس بنا پر اس کو آزاد کیا گیا ہے اور عورت کو خانہ نشین بنایا ہاں جو عورت
لاوارث ہیں اور کوئی شخص اوں کا بھروسہ نہیں ہے کہ کاروبار و انکسائٹ و دشت
سے کرے اوس وقت ان عورتوں کو عقل و شریعت اجازت دیتی ہے کہ مثل مردوں کے
باہر نکلیں لیکن پردہ ضرور نظر رہے یہ شریعت کا حکم ہے جس میں مرد و زن برابر ہیں
اب اگر عورت کی روٹی کھانا پسند ہو اور گھر میں ٹیکہ سکو اور تمام دنیا کے مرد

پردہ نشین بن جائیں تو اس وقت عورت کو اجازت ہے کہ وہ خود بازار و زمین پھرے اور جاموں
 اس وقت مردوں کے متعلق ہیں اور تو انجام دے۔ عورت تو نکاح بازار و زمین پھرنا منع نہیں ہے
 بلکہ یہ ہے کہ عورت و مردین پردہ ہو اور یہ نہیں ممکن ہے پورے طور پر مگر جی کہ ایک ان
 دو نہیں۔ یہ خانہ نشین بنایا جاوے۔

اور چونکہ مرد کا خانہ نشین ہونا ناممکن ہے اور عورت کا کسب معیشت کر کے مرد کو واجب التفات
 بنانا امر کی ناسلم اور خدات عقل ہے اسوجہ سے شریعت نے اور نیز عقل نے مرد کو آزاد بنایا اور
 عورت کو پردہ نشین ثابت ہوا اسے دعوے کا بھندہ جو ہے۔

(۱) انسان فطرت متغی اسی کی ہے کہ وہ دوڑا دوڑا پھرے قیام و سکون اور کئی جبلت میں
 نہیں ہے۔ بہ طوفان صہرت نوح کے انسان کی حالت کو نظر کر اگر خواہ خواہ کس طرح سے
 دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور ایک دم ایک مقام پر کسی کو قیام نہ تھا۔ اس سے بھی قطع نظر کہ مطلق
 حیوان پر نظر کرو جسکی ایک نوع انسان ہے۔ جملہ حیوانات کو کہیں قرا نہیں ہوتا۔ پس
 مقتضی طبیعت بشری یہی ہے کہ وہ کہیں تسلی سے نہ بیٹھے۔ بشریت میں اگرچہ زن و مرد
 مساوی ہیں لیکن مرد میں برہنیت عورت کے یہ مادہ زیادہ ہے فطرتاً اسواہیک مرد
 میں تولید خون زیادہ ہوتی ہے۔ اور عورت میں اگرچہ تولید خون مثل مرد کے ہونا تسلی
 کر لیں لیکن عورت کا خون جیسے نفاس کے ذریعہ سے خارج ہوتا رہتا ہے کچھ کی ساخت
 میں صرف ہوتا ہے بشر بنکرستان سے خارج ہوتا ہے۔ بخلاف مرد کے۔ اسکے جسم میں
 جس قدر تولید ہوتی ہے اسکے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد سخت
 و درشت متحمل و بہ طاقت بہ نسبت عورت کے ہوتا ہے بلکہ بہر حال افراط خون از دیام
 حرارت کا موجب ہے اور ترقی حرارت سے تلون طبع کا جو تا بھی خلاف عقل نہیں اور
 یہ تلون طبع تسلی کے ساتھ انسان کو ایک جگہ مقیم رہنے کا مانع ہے۔ پس جب مرد کی
 فطرت مقتضی پھرنے پھرانے کی تھی تو اس کو خانہ نشین بنانا اس پر نہایت ظلم ہے اور ہرگز
 یہ عقل خانہ نشینی کا نہیں بخلاف عورت کے۔ اسوجہ سے خدا نے اس تلون طبعی کے مرد کے وہ
 اچھے اچھے کام لیے جو باہر کل مینہ اور جل پھرے متعلق ہیں۔

(۲) عورت کا حاملہ ہونا لڑکا جنماد وہ بلا نا اولاد کا پالنا خانگی انتظام کرنا اور کسب معیشت
 کی بھی تکلیف و التماس اور پھر ظلم ہے اور ہرگز عورت ان صحتوں میں مبتلا ہو کر صحیح و عالم

نہیں رہ سکتے ضرور اسکی ہلاکت کا خطرہ ہے اور قطع نظر اس کے ایک وقت یہ امور جمع بھی نہیں ہو سکتے زچائیت کی حالت میں خواہ مخواہ مرد کو گھر سے نکلنا پڑے گا۔ پھر پہلے ہی سے مرد کیوں نہ مایہ نکلایا جاوے۔

(۳۴) خدا ارشاد فرماتا ہے **یَا أَيُّهَا الرِّجَالُ قُوا مَوَانَ عَلَى النِّسَاءِ** مردوں کو نفرت سے عورتوں پر صاحب اختیار پیدا کیا ہے۔ مرد کو اپنی قوت و توانائی سے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے کہ کر لاوے اور مال بچوں عورتوں پر تقسیم کرنے اور جس قدر چاہے اپنے واسطے بندھنے کرے۔ عورت اگر کہانے دھمانے کے واسطے ہوتی تو وہ ہرگز یہ نہ کر سکتے کہ مرد کو یا تھوڑا تڑا کر چین کیا کرتا اور عورت پر بیکار محض مغلّس و نادار رہ جاتی یا یہ کہ میرا مرد کو گناہ چھوڑتی پھر مرد کو نکلنا پڑتا۔ اور یہ امور اسوجہ سے ہوئے کہ مرد بہ نسبت عورت سے زیادہ قوی و شخص صاحب قوت و اختیار ہو گا وہی ملکیت کے واسطے زیادہ بہتر ہے۔ قوی بھی ضعیف کی نسبت نہ سنے گا پس مرد عورت کا محکمہ بہتر نہیں رہ سکتا۔ خیر میں نے نتیجہ جو ہماری عورت ہی کی کمالی عادت ہوگی کہ جس طرح اسے اس سب سے زیادہ اور خیر سے زیادہ بہتری کام لیتا ہے اسی طرح صبح ہوتے ہی عورت کی بیکانی ہوتی اور سب معیشت و کاروبار کے واسطے مثل بیلوئے جوتی جاتیں جو موجب اسکی ہلاکت کا ہوتا۔ کیا انصاف و عدل ہے خدا سے پاک کاکڑاؤ نے عورت ضعیف البیان کے لیے مرد کو سفر فرما کر سب معیشت کے واسطے سفر کیا یہ مصلحت خداوند کریم کی لائق صلوات ہے **اللہم صلی علی محمد و آل محمد۔**

(۳۵) مرد کے خاندان میں جو نے اور عورت کے نکلنے سے انتظام عالم میں برہمی پہناتی ایسے کہ بہت سے امور میں کہ جو مرد ہی کے شایان اور عورت کے اختیار سے باہر ہیں مثل جنگ و بیکار تعمیر عمارات عمالی وغیرہ اور اکثر ایسے امور میں جن میں عقل کامل اور قوت و ماعی پوری صبح کرتی پڑتی ہے۔ جو کہ عورت میں اصول علم، فیسو لوجی، اور وہ فریالوجی کے رو سے بہ نسبت مردوں کے بہت کم ہے لہذا حکمیت انکی سی کی مقتضی ہوتی کہ مرد چونکہ درشت اور طاقت و ذراہ و نظر اعضا سے جسمانی و قواسم نفسانی کامل تر ہے۔ لہذا اسکو سخت کام سپرد کیا جاتا ہے اور خانگی امور کا بند و بست عورت کریں اور جو کام گھر کے بیٹھنے سے انجام پاتے ہیں وہ عورت سے

متعلق ہوں مثل پردہ نشین لطفال اوکی نگرانی تا زمانہ صغریٰ یہ اصول کیا عدالت سے عبور ہے
 (۵) فطرت عورت کی مقتضی نہیں کہ وہ اون کا سونکوا انجام دے سکے جو مرد کے ہاتھ سے ہوتے
 ہیں۔ اس زمانہ کو جانے دو خلقت انسان کے وقت سے نظر کرو۔ عورت بھی مثل مرد کے
 انسان ہے مگر ہمیشہ سے یہ ناقابل اون امور کے ہے جو مرد کی قابلیت سے ظہور میں آتی ہیں
 مگر عورت میں بھی مثل آپ کے مادہ ترقی و قابلیت ظہری ہوتی تو کیا آپ اسکو روک بھی سکتے
 تھے ابتدائے آفرینش انسان سے اس وقت تک بہت زمانہ ترقی کا گذر رہا ہے۔ جس طرح سے
 خدا موجود کی طبیعت میں کار و کسب معاش کی امنگ پیدا ہو گئی اس طرح سے عورت کی فطرت
 بھی اگر اسکی مقتضی ہوتی تو پہلے ہی سے مثل مرد کے وہ بھی کہاؤ اور کارکن ہوتی۔ اس وقت
 آپ کو سکتے ہیں کہ شریعت اسلام نے عورت کو پردہ بٹھلایا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب کوئی شریعت
 ہو تو روکنے والی یعنی اس وقت بتائے کہ عورت عادتاً مرد کو کما کر کھلاتی پارتی تھی۔ یا مرد عورت
 کو۔ ہمیشہ سے مرد قوام اور مرد پرست عورت کا سمجھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فطری
 مقصد ہے جسکو ہماری شریعت نے حکم دیکر ظاہر فرما دیا۔ مرد پر عورت کا نان و نفقہ واجب ہے کہ
 اسکو عورت کا کارندہ قرار دیا۔ دیکھیے ہمیشہ سے مادہ ترقی و قابلیت ذاتی جسقدر مرد میں ہے
 اور کما عشر عشر بھی عورت میں نہیں ہے جس کام کو دنیا میں آپ پیش کریں اور میں ہم مرد کی
 قابلیت کو بیان کر کے دکھانے کو موجود میں ایک اسی امر کو دیکھے ہر ملت و مذہب میں
 ہاویان قوم و ریفا مرد مصلحان و داعیان مرد سے گذرے ہیں عورت اس امر میں
 بھی ناقابل رہی ہے۔ پس جسکی فطرت ناقابل ہو کیونکر آپ اسکو مرد سے زیادہ متاثر
 بنا سکتے ہیں سہ ہر گز راہر کار سے ساختہ۔

اب اگر آپ پردہ کی ضرورت پوچھتے ہیں تو اسکو ہم آیندہ ان کریں گے۔

(دوسرا اعتراض) پردہ پردہ ہے کہ حفظان صحت کے قاعدہ سے عورت ہو غوری کی زیادہ
 محتاج ہے ایسے کہ یہ نسبت مرد کے زیادہ نازک ہے۔

(جواب) یہ ہے کہ محتاج ہو غوری وہ ہے کہ دن بھر کسب معیشت میں تعب اور محال ہے
 محتاج ہے شاق ہے گھر اگر کثرت کار و بار ہے دل تنگ اگر مکاتیش میں بی۔ اب چون کہ
 خالی ہے اور کوئی کام اسکو نہیں رہا ہے تو یہ سب بات تفریح اسکے لیے ضروری ہے
 عورت کو ہرگز اسقدر کار و بار نہیں جس سے وہ طاقت و تعب میں مبتلا ہو اور اسے ضرورت

ہوا غوری کی ہو۔ کیا ہماری ہندوستانی عورت سے کچھ زیادہ آپکی یونانی سیاح جوڑیں
 وقت درست ہوتی ہیں ہرگز نہیں باوجود اس گوشہ نشینی کے کوئی صحت میں خرابی نہیں ہوتی
 ہے کیونکہ وہ عادی گوشہ نشینی کی ہیں۔ باوجودیکہ ہم صاحبہ مسیح دشنام ٹھہر خواہ لفظ و لاتی
 کا شئی پر اور کبھی بانی سیکل پر سیر و سپانا کرتی ہیں غذا میں اون گوشہ نشینوں کا استعمال ہے
 جو سب گوشہ نشینوں میں قوی تر ہوتا ہے شراب کا بھی استعمال ہوتا ہے۔ باوجود ان سب
 خطرات صحت کے فرق برتنے کی پھر بھی کیسے برکتوں سے یورپین زیادہ مسیح و توانا نہیں
 ہوتی ہیں اسی نئے تہذیب یافتہ لوگوں نے ہندوستانی عورت کو گاؤ گجراتی کا لقب
 حلا کیا ہے۔ آپ ہی انصاف کریں کہ کئی میں کہیں قوت و توانائی میں گاؤ گجراتی کا مقابلہ
 کر سکتی ہیں ہرگز نہیں بلکہ کچھ کمزور و کمزور ہے ہرگز عورت کو حفظان صحت میں سیر و سپانے
 کی ضرورت نہیں ہے اور کسی مرض کے علاج میں انحصار اسی سیر و سپانے پر ہوتا ہے اور
 کے ساتھ وقت ضرورت اور نئے واسطے بھی منع نہیں ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ عادت جسکو
 حکیم طبیعت تائید کرتے ہیں۔ جبکہ عورت کو ابتدا سے عمر سے عادت نشینی کی عادت ڈالی جاوے
 اور گھر میں پردہ سے رہنے کی وہ عادی اور غور جو ہا رہے جب سے وہ ہوش سنبھالیں گجرتین
 رہنا اور پردہ کرنا دل و دماغ عقل اور خیال اعضاء بدن سب اسکے متاق ہو جاتا ہیں
 اپنے کو بھی ہمیشہ خانہ نشین دیکھیں۔ ان میں خالہ پھر بھی اور تمام نسب کو بھی
 پابند اسی رسم کا پادین تو اگرچہ براہ فطرت خانہ نشینی ایک ناگوار بھی ہے
 مگر عادت کے دو سہری طبیعت پسند اگر دینے سے اور نکو پردہ نشینی ہرگز
 ناگوار نہ ہوگی بلکہ اسکے خلاف بے پردگی کمال ناگوار ہوگی اور ترک
 عادت بہت بظرف و مدد حفظان صحت و تائید اسیان پیدا ہوتی ہیں وہ بے پردگی اور ہوا غوری میں
 پیدا ہوئی ہے والعمادہ طبیعت تائید عادت کے خلاف ہر امر میں نقصان و منفرت
 ہی دیکھو بعض فلاسفہ تو اسی کے قائل ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے سب عادت ہی سے
 ہوتا ہے۔ دراصل نہ گناہ ہے نہ میثا ہے نہ ضرر دار نہ بد مزہ۔ نہ بوجہ خوشبو کچھ نہیں
 سب کا عار عادت پر ہے۔ اگرچہ یہ قول بالکل خلاف عقل ہے تاہم عادت سے ضرر و
 آثار بدل جاتے ہیں پس نیکی ہماری عورت کو پردہ داری کی کمال عادت ہے اور ضرر و آثار
 نہ فوٹ سے میں عادی ہند میں بکری کو بھی کہتے ہیں۔

خائیشینی سے کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی بلکہ خواہ مخواہی موجب نقصان ہوگی اور خلافت
قاعدہ حفظانِ صحت۔

(مفسر اعتراض) تدبیر خانہ داری اور حکمت منزل محتاجِ تجربہ پر ہے اور تجربہ بدون سیر و
سیاحت کے ناممکن ہے۔ پس پردہ نشینی سے کاروبارِ خاکی میں بہتری ہوتی ہے۔
(جواب) یہ ہے کہ عورتوں سے گھر کا وہ کام متعلق نہیں ہوتا ہے۔ جس میں زیادہ تجربہ کی ضرورت
مثلاً مردوں کے ہو۔ کھانا۔ پکانا۔ سینا۔ پرونا۔ مرد کے مال کی حفاظت۔ بچوں کا پالنا
یہی کام اسلامی عورتوں سے متعلق ہیں۔ ان کاموں میں ہرگز زیادہ تجربہ کاری کی ضرورت
نہیں ہے۔ ہم امورِ خاکی میں پردہ نشین عورت کو ایسا واقف و ماہر دیکھتے ہیں اور
اگر کوئی بھی عورت کی صحبت سے ایسی آگاہی اپنے امور میں ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت
سیر سیاحت کی باقی نہیں رہتی اور کسی امر میں خلافِ تجربہ کوئی امر عورت سے ظہور میں آتا ہے
تو ایک تجربہ کار استاد اپنے گھر کا مالک (مرد) ہر وقت اس کو تعلیم دے سکتا ہے اور اپنی
دور و دراز کے تجربوں پر گھر بیٹھے عورت کو مطلع کر سکتا ہے پس ہرگز عورت کو بغرضِ تجربہ
سیر و سیاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

(جو تھا اعتراض) پردہ نشینی یا کد امنی کو عورت کے رد کرتی ہے اس لیے کہ انسان جس بات سے
روکا جاتا ہے اس سے کرنے پر زیادہ حریص ہوتا ہے۔

(جواب) یہ عجیب بات ہے اگر یہ کلیہ ہے تو فطرت کو ہرگز یہ لازم نہیں کہ کوئی قانون
جرم سے روکنے کے واسطے مقرر کرے۔ مگر یہاں مرد و عورت کو وہ غلط و سیکھ سے
عامِ خلافت کو کسی بری بات سے روکنا چاہیے۔ تمام قوانینِ ملی و اخلاقی و طبی خود کیا
جو جاویدین۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اصلاح کا قانون اس واسطے ہے کہ وہ خواہشِ حیوانی
اور جرمِ حیا کو روکے۔ بلکہ یہ بھی خیال کرنا لازم ہے کہ جس طرح آدمی ازراہِ جہالت جس
امر سے منع کیا جاوے اور پھر حریص ہوتا ہے اسی طرح سے فطرتی امر انسان کا یہ ہے
کہ امنی ہیودی اور عزت کی جو بات ہو اس کا بھی حریص ہو۔ اور چونکہ عورت کے واسطے
حفظِ آبرو اور نگہداشتِ عزتِ خاندانی کی ایک ہیودی اور عزت کی بات ہے جو پردہ میں
نہجی ہے پس ضرور ہے کہ عورت اس کا خیال کر کے حریص عزت کی ہو اور وہ
پاک دامن کی سبب ہو جاوے۔

حکم کیا گیا کہ وہ دُقرن فی بیوتہن وکاتبین جن میں سے ہر ایک کا علیحدہ کام ہے ۴۴
 تو عام طرح سے عورتیں کس طرح سے پردہ باہر نکل سکتی ہیں۔ اور خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
 ارشاد ہوا کہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور عام مسلمانوں کی بیویوں کو کھدیجیے کہ اپنے منہ پر چادر کا
 کونا ڈال لیا کریں ۴۵ یا ایہا النبی قل کاذا جلت وبناتک وبنات المؤمنین یدعیہن
 علیہن من حللہن اھلیہ بے پردہ نہیں تو کیا ہے۔ اور حکم یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ
 وآلہ کے ازواج ظاہرات سے جو کچھ مانگنا ہو وہ پردہ کے باہر سے مانگو ۴۶ واستأذنوہن
 من وراء حجاب ۴۷ پردہ نہیں تو کیا ہے۔ ایسی روشن آیات قرآنہ سے چشم پوشی
 کرنا اور پردہ بزرگ بول اٹھنا کہ پردہ تو یہ نہیں ذرا غور فرمائیے کہ کس قدر بیباکی ہے۔
 جس زمانہ میں چاند اور سورج ہر لمحہ ہم صحبت کرتی رہتی اور ظالمان بے دین نے
 طبیعت طحا لوپ سنا ۴۸ یہ کیا ہے۔ حتیٰ سورتوں کو بے پردہ اور تھون پر بٹھا کر کر بلا
 سے کوفہ اور کوزہ سے چھتیک بیکر آج بھی ہمراہ میں لے لے لے لے اور دلیل خراسانی نے
 پردہ داریاں کھینچیں اور خود ان عذرت غفلت نے اس بے پردگی پر فخر
 و بین کیے ہیں دلیل کا ایک شعر یہ ہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ صلوٰۃ و آلہ رسول اللہ
 فی الطلوات۔ مسلمانوں اگر پردہ کوئی شے نہیں تو خاص کر اس بے پردگی پر کیوں عام
 مسلمانوں نے ماتم کیا۔ پس اول پردہ درمی جو اسلام میں ہوئی وہ یزید کے لوگوں کے
 کی۔ اب جنکا ہی چلے آؤں لوگوں کا سنا تو دے۔

اب ہم نواید کو پردہ کے بیان کرتے ہیں۔ نظر انصاف سے ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ محبت ہمجنس و نا جنس کا اثر اچھا ہو یا بُرا ضرور ہوتا ہے اور بفطرت کا تقاضا ہے
 کہ نا جنس کے معیار اخلاق ہوتے ہیں اور محبت نا جنس سے اسکے اخلاق بھی ویسے
 ہی ہو جاتے ہیں چنانچہ جو جس کے ابتدائے سن سے عورتوں کی محبت میں رہتے ہیں
 وہ زمانہ مزاج ہو جاتے ہیں اور جو اخلاق عورتوں کے مثل جن و بغل وغیرہ کے ہیں وہ
 لوگوں میں پیدا ہو کر انکی خلقت جس غرض سے ہوتے ہیں وہ مفقود ہو جاتی ہے۔ کیا
 جو لوگ ابتدائے مزاج ہوتے ہیں۔ اونے آپکو اون امور عظام کی انجام دہی کی امید ہے
 جو مردوں سے انجام پاتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ پیغمبر سے لڑکیوں کو اگر مردوں کی محبت میں
 پالا جائے۔ اگرچہ وہ محالہ رہے بھی ہوں تو ضرور وہ لڑکیاں مردانہ اخلاق یکم کر اؤں

طبیعت پر مبنی نہیں کی جو عورت کے واسطے ضروری ہے اور بے باک و طرار ہو جائیگی اور اس پر
خاندان داری کے انتظام میں دشواری ہوگی۔ لہذا مرد عورت سے اور عورت کو مرد سے جدا
رکھنا لازم ہوا۔

(۲) عورت و مرد میں جو نسبت فعل و انفعال کے فطرتی ہے اس سے ہر شخص آگاہ ہے
پس اگر مرد و عورت دونوں مذہب میں تو ایک دوسرے کی صحبت سے متاثر ہو گا اور خواہ
خواہ نفس کشی ہر جگہ کرنا پڑے گی۔ پس اس ایذا سے بچاؤ کو کون جھلند پسند کریگا۔ اور اگر ایک
خیر مذہب ہے تو دوسرا مذہب اس کی بدتمیزی سے متاثر ہو گا اور کیا عجب ہے کہ اگر
خیر مذہب غالب آجائے اور اگر مذہب مطلوب ہو جاوے اور اگر دونوں خیر مذہب ان
توہ کرنا بے مصورت میں از کتاب ہو گا کون روکنے والا ہے۔ لہذا ہم صحبت جو مذہب
دونوں کے مابین مناسب ہو اور درمیان آسان طریقہ رفع شکایت و ایذا کا یہی قرار دیا جائے گا۔

سیکھ رہیں۔

(۳) عورت میں فطر تامل سے جیسا ہے۔ اور شدت جیسا مقتضی ہے علحدگی کا مرد سے
اور جیسا حسن ہے۔ پس عورت کو علحدگی مرد سے یہ بھی حسن ہوگی۔

(۴) اگر ہم مرد کے نتائج پر جیسا کہ مانگ مشرقی میں ظاہر کیا گیا ہے غور کریں تو یہ خیال
جھکو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر حتی الامکان میان زمانہ کاری و شوہری بے اعتباری کا
تدارک کیا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام برائیوں سے مقابلہ کرنے میں اگر جاکے قوانین تمام تر
سبب بر ہیں۔ یہ برائیاں اسلامی ملک میں کلیتہً ناپید ہیں مگر اون مقامات کے جہان کے
یورپ کی رسوم و خیالات نے اپنی بنا قائم کر لی ہے۔ یہ واقعہ اون لوگوں کے واسطے
مسئلہ ہے جنہوں نے مشرقی میں آنکھ کھولی کر قیام کیا ہے اور جن مقامات پر یورپ کے
اثر نے نفوذ کر لیا ہے وہاں جملہ قبائل کے امواج نے اصلی عفت و پارسائی کو
معدوم کر دیا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان کسی کا دستیاب کرنا اگر یہ نہ کہا جاوے کہ ایک ناپوشانہ کام تھا۔
تو نہایت درجہ میں مشکل ضرور تھا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے ایک نیا مناسبتہ تعداد اپنی
سالانہ بجٹ میں منبسط کی تاکہ دیسی عورتیں انگریزی سپاہیوں کے واسطے
بہم ہو جائیگی۔

امریکہ اور یورپ کے کسی شہر میں جائدادوں پر بیٹھ کر یون اور بیکاریوں کے بلا تفرغ سیلاب کی شہادتوں کو ملاحظہ کرو جو تمدنی عمارت کے ذریعہ سے بلا تھا شاد و ژر ہے ہیں اور خوش زن ہیں۔ کسی جلسہ رقص و دربار۔ یا مجلس دعوت میں چلو اور اون امیر لادیوں کی حیثیت کو جو خدا کی ایک اعلیٰ ترین صنعت میں سے ہیں دیکھو کہ اسس صدیقی تہذیب کے رسم و رواج نے انہیں کہا ہر حکم دی ہے۔ ذی عزت۔ دولت مند۔ تعلیم یافتہ۔ عیسائیوں کے از رواج اور عصمت مآب بیٹوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح اون اشخاص کی مد نظر ہیں جنکے خون میں بخارات شراب شعلہ زن ہو رہے ہیں۔ اخباروں کو ہاتھ میں لیکر طلاق کی فہرست تمدنی انتہا مات۔ اور شوہری الام کو دیکھو جسے ہم شرمندہ و متغیر ہو رہے ہیں۔ اب کہو کہ جو سچی قوانین اور سچی دستور لکھے جاتے ہیں اسے ہیں۔ اور ان سب ارمکانات کا کیا علاج ہے۔

محمدی قوانین و ضوابط و اسلامی اصول میں سچی قوانین و ضوابط کی چند صدی تک آزمائش کی گئی لیکن یہ تمام تر ناقص ثابت ہوئے۔ نامحرم لوگوں کو۔ چنانچہ عورتوں کا بوسہ لینا جائز ترقی نہیں۔ بلکہ چپ کی نئی تہذیب میں ایک نامستحق قرار دیا گیا ہے۔ کوئی دعویٰ سے نہیں کر سکتا کہ انگلستان میں کوئی ایسی عورت بھی ہے کہ جس کا صیغہ انی کے دفون میں کسی نامحرم نے بوسہ نہ لیا جو دنیا پرستی استعد ہے کہ (آر اپ انگریز رچرچ) ایک چٹھی میں لکھتے ہیں کہ تمام مذہب اور تعلیم یافتہ جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں انہیں سے ایک شخص میری نظر میں ایسا نہیں جسکی نگاہ آخرت کی طرف لی ہوئی ہو۔ بلکہ سب دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ سب اسی بے پردگی اور شراب غم کا نتیجہ ہے جس کی وبا عیسائیوں میں ایک سرے سے پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسکا علاج اگر ہے تو یہی پردہ۔ پردہ سے مراد صرف اجنبی مردوں سے خلا ملا۔ اور میل جول رکھنے سے احتیاط کرنا ہے اور غیر مردوں کے ساتھ عورتوں کی خلوت کرنے میں جس قدر خرابیاں ہیں اوس کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں۔ شرعی پردہ کے وجود اور عورت مرد کی خلوت میں انکھار کی روک ہے جو زنا کی سدا راہ جو سکتی ہے ورنہ جن اقوام میں پردہ کا پاک دستور نہیں انہیں زنا کی وہ کثرت ہے کہ الامان۔ زنا سے زیادہ بچے ہوئے اگر کوئی قوم ہے تو وہی ہے جنہیں پردہ کا پاک دستور ہے۔ جو شخص شرعی پردہ کے

خلافت ہے اور سکویہ ضرور غور کرنا چاہیے کہ پردہ کے بنونے سے اونکی سوسائٹی کس تک
 زمانے سے بھی جونی ہے اور سوت اور کو پردہ کی خوبیاں ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جاوین گی۔
 پردہ سے مراد اسلام میں صرف رخصت بصر ہے یعنی غیر مرد کو آنکھ اور نہا کر نہ دیکھنا اور ایسا ہی
 غیر عورت کا کسی اجنبی مرد کو آنکھ اور نہا کر نہ دیکھنا جیسا کہ قرآن مجید میں فرماتا ہے: **وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ**
دِخْفُوا مِنْ أَنْبَاءِ رَسُولِهِمْ وَيَحْضُوا وَأَفْوَ جِهَهُمْ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ دِخْفْنَ مِنْ أَنْبَاءِ رَسُولِهِنَّ
وَلَا يَبْلُغْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ كَمَا تَبْلُغْنَ مِنْهَا وَلْيَضْحَكُنَّ وَكُنَّ عِزًّا
وَلْيُحْشَرْنَ فِي الْبُيُوتِ وَلَا يَكُنَّ عِزًّا اور ایسا ہی مومن عورتوں کے لئے ہے۔
 پھر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو نکھائیں۔ اور ایسا ہی مومن عورتوں کے لئے ہے کہ اپنی آنکھیں
 غیر مردوں کے دیکھنے سے بھی رکھیں۔ اور اپنی عصمت کو نکھائیں۔ اور نہ دکھائیں اپنا
 سنگار مگر جو اس میں سے (بجوری) کھلا رہے اور چاہے کہ اپنے گریبانوں پر
 اور حینان اور حین۔

پس یہی اسلامی پردہ ہے (یعنی غرض بصر) جسکی خوبیاں تمام جہان جانتا ہے اہل
 ہندو کی شریعت قوم بھی اس دستور پاک کی پابند ہو رہی ہے جسکو آریہ لوگ اور مخاکر
 یورپین اقوام کے مساوی مناجا بیتے ہیں اور غیر مرد عورت کا خلا ملا جائز نہ کہنا
 چاہتے ہیں۔ لیکن یورپین کے اس قبیح دستور میں تقلید جس کی وہ خود شاکی ہیں
 آریوں کو مبارک رہے۔ مسلمان کی عورت کو چار دیواری میں قید ہونے کا حکم
 برگزینین ہے البتہ غیر مردوں سے خلا ملا کی سخت ممانعت ہے جو زنا کا سرچشمہ اور
 فساد کا سرمایہ ہے۔ عورت فقط چادر پہنے سے شرعی پردہ کر سکتی ہے لیکن ہندوستان کا
 رسم کہ مکانون سے جب نکلیں تو سواری میں اور چادر پہنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ محض
 ہندوستانی رسم ہے۔ اور یہ صلیح ایسا قرار دیا گیا ہے۔

(۱) اسواسطیکہ سب عورتیں نہ تو اس قدر شریعت کی پابند ہیں جنکو عموماً اپنے مذہب کا
 پاس بنوئے سب ایسی ہی غیرت دار ہوسکتی ہیں۔ اور پھر ملک ہندوستان خود ہی
 سرچشمہ فسق و فجور کا جو رہا ہے اکثر تو میں مساوی بہت سے مذہب والے جنہیں قید
 مذہبی بالکل نہیں ہے انہیں اپنی عورتوں کو چھوڑ دینا از حد حماقت و سب و قوفی ہے
 اپنی عورتوں سے تو سنانو کو ضرور اطمینان ہے لیکن ملکی اوباشین اور بدعاشوں کے

خوف سے پردہ میں زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) ہمارے ملک میں یہ رسم شریعت اور مذہب میں امتیاز اور تفرقہ کی نظر سے ہے اور جو رسم امتیاز قومی خواہ اعزاز خاندانی کے سبب سے جاری ہو اور کوئی مضرت عقلی بھی اوس میں نہ ہو بلکہ ترجیح عقلی اوس میں ہو جیسا کہ سابقہ کا ذکر ہوا اور ضرورت وہ لائق ملاحظہ ہے۔

تاریخ ہند کو ملاحظہ کیجئے راجپوت کی قوم جو ہندوستان کی رئیس (راما اوتار) کے زمانہ سے ہے اونکی عورتیں اعزاز میں پردہ آج تک ہے راجپوتانہ کے ملکوں میں جوہ پور۔ اوری چر۔ ہریتور۔ دھولپور۔ اور پٹیالہ۔ نامہ۔ وغیرہ کی رانیان اب بھی نہ سربازار پھرتی ہیں نہ جو انورہی کو غلطی میں ہی نالکی پالکی۔ محافہ وغیرہ بند سواریان اونہیں کے واسطے بنائی گئی ہیں۔ بلکہ جاٹ و گوجر وغیرہ جو بد قومی ہیں اونکو بھی جب ریاست ہو جاتی ہے تو یہ بھی اعزاز میں پردہ جاری کرتی ہیں۔ اہل اسلام ہندوستان میں فتح ہو کر آئے رئیس کہلائے اور پردہ کا حکم لگے مذہب میں بھی پہلے سے موجود تقابیس انکو ضرور ہوا کہ یہ لگے رئیس اور حکمران کے اوضاع اطوار کو اختیار کریں چونکہ اونکی عورت اعزاز میں پردہ کی پابند تھیں اور اہل اسلام کی شریعت اور عقل سلیم سے یہ پردہ منافی بھی نہ تھا لہذا انہوں نے بھی لہی عورتوں میں اسکو جاری کر دیا اور یہی اعزاز میں پردہ عرب میں جاری تھا مغرب عورتیں عماریوں اور گیارہ وین چو پردہ دار ہوتی تھیں نکلا کرتی تھیں دیکھو تاریخ عرب کو۔

سوائے پردہ کے باقی سب احکام میں عورتیں مساوی ہیں علم کا سیکھنا دین کے واسطے یکساں ہے جیسا کہ جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا ہے *طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ*، علم کی تلاش ہر مرد مسلمان و عورت مسلمہ پر فرض ہے۔ پھر عورت کو جمعہ جماعات۔ میں مناسب پردہ سے اور احتیاط کے ساتھ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ عالمان دین کے وعظ نے کی کوئی ممانعت نہیں مسابیل دریافت کرنے کی کوئی روک نہیں۔ ذرا یہاں سے نکل کر عراق و ایران و حجاز کی سیر و گرد و پھر عورتوں کے محل پر دس کے ساتھ طرز معاشرت کو دیکھ لو۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی عورتیں اگر چار دیواری میں ہیں۔ تاہم گھر کی

بلو شاہ ہوتے ہیں سارا گمراہ انہیں کے اختیار میں ہوتا ہے مرد جو کچھ کما لے گا ہے اور نفعین کے ہاتھ میں رکھتا ہے وہی گمراہ سب انتظام کرنے والی اور بچہ لکی خبر گیری کرنے والی ہیں غرض کہ انکو ہر طرح اختیار حاصل ہوتا ہے اور وہ گھر کی ایک ملکہ ہوتی ہیں۔ جس کے آگے مرد بھی ایک اجنبی سا معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کی قوانین کو دیکھو۔ ہزاروں عورتیں بڑی بڑی فاضل اور علوم و فنون میں ماہر و کامل گذر چکی ہیں۔ حضرت خدیجہ۔ حضرت خالہ۔ اہل بیت۔ حضرت فاطمہ بنت ام سلمہ۔ حضرت زینب بنت امیر المومنین۔ حضرت ام کلثوم بنت امیر المومنین وغیرہ کے نام سے دین کے اسلام فشر کرتی ہے۔

نہان۔ زیب النساء وغیرہ وغیرہ سیکڑوں عورتیں آپ مردوں کے برابر نامی پادشہ کے۔

زمانہ قدیم میں بھی یہ نشانی کا رسم بہت سی قوموں میں تھا یہاں تک کہ اہل ایتھنس بھی اس دستور کے سخت پابند تھے تو ریت میں بھی پردہ کا ذکر ہے اور اس کو کرنے کا حکم یہ میرا خاوند ہے۔ اس لیے اس نے نقاب لیا اور اپنے تئیں چھپایا۔ (۲) (پیدائش باب ۲۴) تب اس نے اپنی بیوی کے کپڑوں کو اتار پھینکا اور برقع اوڑھا اور اپنے کو پیشانی (پیدائش ۲۵) اگر انصاف سے دیکھو تو انجیل میں بھی پردہ کا حکم موجود ہے۔

(خط پولس بنام قرنتیان ۱) اور ہر عورت جو سر میں ڈھانپنے دھایا بنوت کرتی ہے اپنے سر کو حرمت کرتی ہے کیونکہ سر منہ کے ہونے کے برابر ہے۔ (۲) (سوا اگر محبت اور معنی اور سے تو اس کی چوٹی بھی کٹ جاوے۔ اور جو عورت چوٹی کٹنے یا سر منہ سے سے حرمت ہوتی ہے تو اور معنی اور ہے۔

الرحیہ ظاہر ان آیات کا یہی ہے کہ دعا کے وقت اور معنی اور معنی کا عورت کو حکم ہے لیکن ان آیات سے اس کی ممانعت کما سے ثابت ہوئی کہ جس وقت دعا مانگو اور وقت پر پہنچے سر پر نہ کسی اور آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے بلکہ اس مقام سے یہ معلوم ہوا کہ سر ڈھانپنا چونکہ اچھا ہے اس لیے دعا کے وقت بھی حکم ہوا اگر برا ہو تو دعا کے وقت سر ڈھانپنے کا کیون حکم ہوتا بلکہ اگرچہ لفظ دعا پر ہی آیت

میں مذکور ہے لیکن اس مقام سے عام طور پر سرفرد حائضہ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ ہم اس سرفرد حائضہ کی بابت پہلے اس خط کے چار جملہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

(۳) عورت کا سر مرد ہے (۵) ہر عورت جو سر میں دھارے دھارے بنوت کرتی ہے اپنے سر کو حیرت کرتی ہے (۷) ہر عورت مرد کا جلال ہے (۸) کیونکہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے (۹) اور نہ مرد عورت کے لئے بلکہ عورت مرد سے ہے پیدا ہوتی ہے (۱۰) ایسے عورت کو چاہیے کہ فرشتوں کے سبب اس کے سر پر (مرد کا) اختیار ہو (۱۳) تم آپ ہی انصاف کرو کیا مناسب ہے کہ عورت سر میں دھارے دھارے بنوت کرے (۱۴) یا کیا طبیعت آپ ٹھکانہ بن سیکھاتی ہے کہ اگر مرد چوٹی رکھے تو یہ اس کی حیرت ہے (۱۵) پھر اگر عورت کے لئے بال ہوں تو یہ اس کی زینت ہے کیونکہ بال اس سے پردے کی طرح دے گئے (۱۶) لیکن اگر کوئی تکراری معلوم ہو تو (جان لے کہ) نہ ہمارا نہ خدا کی کلیساؤں کا یہ دستور ہے۔

ان آیات کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ جو عورت سر میں دھارے دھارے بنوت کرے وہ حیرت کرتی ہے کیونکہ مرد ہی عورت کا سر ہے اور عورت مرد کی عزت و جلال ہے اگر مرد دھارے بنوت کرے تو مرد کی بے عزتی ہوگی پس عورت مرد کے اختیار میں ہے اور اپنے شوہر ہی کو واسطہ پیدا ہوتی ہے۔ غیر مرد و نکو کیوں اپنے تئیں دکھاوے بلکہ فرشتوں تک کی نظر اس پر دھارے بنوت میں نہ پڑے۔ اور فرشتوں کو یہ معلوم ہو جاوے کہ مرد کا اس پر اختیار ہے یعنی تو اس نے اس کا سر دھارے دھارے بنوت کر لیا ہے اور جس طرح مرد کو چوٹی رکھنے اور بال بڑھانے میں حیرت ہے اس طرح عورت کو سر پر نہ لہنے میں حیرت ہے۔ عورت کے لئے بالوں میں بھی قانونِ فطرت یہ ہے کہ وہ بھاسے مقنع اور پردہ کے ہیں جس سے لہنے چہرہ کو ضرورت کے وقت چھپا دے لیکن جس وقت کوئی کپڑا اس کو سرفرد حائضہ کے واسطے میسر نہ ہو تو اپنے بالوں سے سر کو چھپا دے اور خلاف اس کے جوہر نہ ہونا انصافی و تکرار و تزلزل کرے وہ شوہر کی مذہب کا ہے نہ خدا کے بھاسے دستور کے موافق کرتا ہے۔

پہلا انصاف تو یہ ہے کہ جس رزم میں ایسا حسن ہو کہ دھارے دھارے وقت اس کی پابندی کا حکم کیا جاوے۔ اور جس پردہ کا یہاں تک حکم ہو کہ فرشتوں تک سے پردہ کیا جاوے اور بال بڑھانے کا جب بھی خطر قیامت ہے کہ اس سے سر چھپایا جاوے۔

تو کیا انہیں پسندیدہ رسم اور وقتوں میں (جب دعا نہ مانگتی ہوں) ستر وک کرنا اچھا ہوگا
 برگرہن میں فرشتوں کے سامنا کرنا کی تو ممانعت ہو چوہر طر سے خواہش اسے نفسانی سے میرا ہیں
 اور مرد و عورت کو دکھانا جائز ہو کر محض اسکو باور نہیں کرتی۔ اور اس سے بھی قطع نظر مرد کو چوٹی
 رکھنے میں بھرتی قرار دی گئی ہے اگر یہ محض دعا ہی کے وقت ہے۔ تو اس سے یہ معلوم
 ہوا کہ جس وقت مرد دعا نہ کرتا ہو اس وقت اگر سر پر چوٹی رکھے تو کوئی بھرتی نہیں ہے نہ
 حالانکہ مرد و عورت کے واسطے ہر وقت میں چوٹی رکھنا برا ہے خواہ دعا کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔
 اور جس طرح عورتوں کو بھی ہر وقت چوٹی رکھنی چاہیے۔ اور عورتوں کی چوٹی اور سیدہ وقت
 تک رہ سکتی ہے جب تک وہ سر ڈھانپنے میں کیونکہ لکھا ہے (جو اپنے سر کو بھرتی
 کرتی ہے وہ سر منڈی ہوئی کے برابر ہے اور جو عورت اوڑھنی نہ اوڑھے وہ سر منڈی
 ہوئی کے برابر ہے) تو جس طرح مرد کو اس حکم سے کسی وقت چوٹی رکھنے کا حکم نہیں۔
 اور جس طرح عورت کو کسی وقت سر پر نہ ہونے کا حکم نہ چاہیے کیونکہ ایک ہی مقام پر نہ ہونا
 حکم دے گئے ہیں۔ علاوہ اسکے جبکہ چوٹی کا نظری انتشار یہ ہے کہ بال پردے کے
 عوض میں میں توجیب تک سر پر بال رہیں عام اس سے کہ عورت دعا میں مشغول ہو
 یا نہ ہو ہر وقت وہ پردہ ہی کے عوض میں سبھے جاوینگے۔ پس جس طرح دعا میں پردہ
 کا حکم ہے اسی طرح علاوہ دعا کے بھی پردہ کا حکم ہے اور اسکی پولوس نے کلیسیا کا
 دستور اور اپنا آئین قرار دیا ہے۔

ہاں اگر یہ کہو کہ ان آیات سے محض سر کے بال چھپانا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ چہرے کا
 ڈھانپنا ضروری ہو۔ تو جواب اسکا یہ ہے۔ کہ حاجب و محبوب سائر و مستور میں
 فرق ہے پردہ اور پوش ہے جو پردہ میں ڈھانپنی جاوے وہ اور پوش ہے۔
 بال جبکہ پردہ کے عوض میں وسیع کیے اور بجائے پردہ کے ہیں تو اس سے پہلو
 سر ڈھانپنا چاہیے اور ان بالوں کو اوڑھنی اور چادر سے چھپانا چاہیے (کیونکہ جو عورت
 چوٹی رکھنے یا سر منڈنے سے بھرتی ہوتی ہے تو وہ اوڑھنی اور پوشے) پس اوڑھنی
 کی تخصیص سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے کل جسم کو پوشیدہ کرے اور چوٹی جو کہ اکثر
 کو پوشیدگی ہوتی ہے پوری ڈھانپنے۔

اگر نقطہ سر ہی پوشیدہ کرنے کا حکم ہوتا تو مثل مردوں کے ٹوپی یا دستار و پگڑی

کافی تھی۔ اور مہنی کی تخصیص کیون جوئی اس تخصیص سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سدا
جسم پوشیدہ کیا جاوے۔

علاوہ اسکے فقط سرد جلنے کی فلاسفی کو دیکھو کہ کیا ہے۔ اگر سرد نہ دھاپے تو مطلقاً
کون سا ضرر ہے۔ اور محض سرد ہونے میں کونسا نفع ہے۔

اگر کوئی نفع ہے تو اس میں کہ سارا جسم پوشیدہ کیا جاوے تاکہ نظر نامحرم سے بچے۔
فقط بالوں کے چھپانے میں کیا نفع ہو کہ اکثر کلمی چوٹی کرنے سے ٹوٹ کر گلیو نہیں اور تے
پھرتے ہیں اور ہر کس و ناکس او سکودیکھتا ہے۔

الطلاق مرتان فاسا لجمعہ وقت و تسریح بالحصان

حسن طلاق

طلاق زمانہ سابق سے جائز ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی طلاق کو حالت زنا میں جائز
رکھا ہے۔ پس اگر ایک مخصوص حالت میں (یعنی زنا) کے وقت یہ تعلق ٹوٹ سکتا ہے
تو کمال نشوز و اعراض و باہمی نا اتفاقی کیوجہ سے۔ جبکہ مرد و زن میں نباہ کی کوئی مروت
نہیں رہتی اور ایک دوسرے کی ہلاکت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ تعلق کیون نہیں ٹوٹ
سکتا۔ کیا ایسی ضیق اور تنگی کی حالت میں طلاق مستحسن نہیں ہے کہ عورت کہیں اور
کہیں ہو طلاق کیون نہیں ہو سکتی اب مرد و عورت کو سوا سے زنا کے طرف جھکنے کے
اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ تقاضا سے طبی کو تو کوئی روک نہیں سکتا سولہ ہدکاری
اور زنا کے فطرت کا تقاضا اور کس طرح سے پورا ہو سکتا ہے۔ پس عیسائیوں کے خدا کے
بیٹے کا یہ حکم کس قدر ناقص اور نا عاقبت اندیشی کے ساتھ ہے کہ انہوں نے زنا کی
حالت میں تو طلاق کا حکم دیا۔ جو شامت نفس سے اتفاقاً عورت سے وقوع میں آجائے
اور دائمی نا اتفاقی کہ جو اکثر وقوع میں آتی رہتی ہے اسکا کوئی علاج نہ بتایا۔

پس کیا یہ تعلیم ناقص نہیں ہے میں حیران ہوں کہ جب مسیح کا کفارہ موجود ہے اور
مرد و زن کے سارے گناہ معاف کر چکا ہے۔ اور عیسائی لوگ محض امصال سے
(نہ اعمال حسد سے) راست باز ہوتے ہیں۔ اور سب کے سب نجات پا چکے ہیں تو
کیا زانیہ عورت کا یہ گناہ معافی کے میں نہیں آسکتا (کیونکہ نجات صرف ایمان سے)

جسے اعمال سے پہلے اس بات کی کیلئے لیں، جسکے عیسائی نامہ تو زنا کرین اور انہیں کوئی
 نہ پوچھے نہ کہ جب عورت کا زانیہ ہو یا ثابت ہو تو اسے طلاق دیا کریں۔ اب تو جس مرد کو
 عورت اپسند ہو یا چھوڑنا ہو۔ مرد عورت کو خود زنا کا موقع دیکھا تاکہ کسی طرح یہ بلکلے سے
 اوٹرنے پر سب سے بڑھ کر حسرت اس بات کی ہے کہ انجیل نے مرد کے لئے تو یہ رعایت
 رکھی کہ اگر اسکی عورت زانیہ ہو تو مرد طلاق دیدے لیکن عورت کے لئے اس بات کا
 کوئی خیال ہی نہ کیا کہ اگر اسکا مرد زانی ہو تو وہ بھی مرد سے تعلق قطع کر سکے اور طلاق
 لے لے کیا یہ سیر ہے انصافی اور ظلم نہیں ہے۔

اور پھر یہ تو بتلائے کہ مرد انہی جو روکا نہ گیا اس طرح ثابت کرے جسے اپنی عورت کو ایک
 مرد کے ساتھ ناقصی فصل کوٹتے ہوئے پکڑا۔ اور دوسرا اسوقت کوئی گواہ و شاہد
 نہیں۔ اب بتلائے کہ ایسی حالت میں وہ اس عورت سے سلوک کیا کرے۔
 قانوناً اسکو چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ زنا کا ثبوت اور شہادت نہیں۔ یوں چھوڑ دے
 تو عورت پہلے زنا کا قانونی ثبوت مانگی گی تو اب فرمائے کہ ایسی حالت میں وہ زانیہ
 عورت ہی کے ساتھ صحبت کرتا رہے گا؟ یا نہیں۔ پس یسوع کا یہ ناقص حکم
 بیان بھی کسی کام کا نہیں رہا۔

اگر یہ کہو کہ وہ عورت کو بلا ثبوت و شہادت چھوڑ دے۔ تو پھر تمام عیسائیوں کے
 لئے بڑی گنجائش ہو جاوے گی جس عورت کو چھوڑنا چاہا بحث زنا کا الزام و انتہام
 لگا دیا اور چھوڑ دیا اس بات سے روکنے والا اونٹ لئے کون کوئی ہو سکتا ہے
 اگر یہ جواب ہو کہ کوئی شخص مسیح کا چاہیر و کھلا کو اپنی عورت کی نہایت جھوٹا الزام
 نہیں لگا سکتا تو بعض جیل و تسلی ہے۔ جب کہ ہر ایک عیسائی کا یہ خیال ہے کہ
 نجات کے لئے تقویٰ و طہارت اور اعمال حسنہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور
 اور صرف مسیح پر ایمان لانے سے سارے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ اب کوئی
 گناہ نہیں ضرور کر سکتا۔ پاکون کے لئے سب کچھ پاک ہے۔ پرتاپ کو نکو دیکھنا
 غیر عیسائیوں کے لئے کوئی شے پاک نہیں۔ تو ہر عیاش طبع عیسائی کیوں چھوڑے
 الزام عورتوں کو لگا کر نکالنا چاہے گا اور نئی عورت سے مزے کاؤ لگا
 جاوے گا۔

پر مبن کہتا ہوں کہ جو طلاق کو زنا ہی کے وقوع پر منحصر رکھتا ہے۔ اگر کمال مشورہ اعراض کی حالت میں بھی طلاق کی اجازت ہوتی تو کوئی شخص نہ سمجھ سکتا کہ زنا سے طلاق ہوتی ہے یا اور کوئی وجہ ہے۔ اور عورت کا اس میں پردہ ڈھکا رہتا اب عورت کی طلاق مسرت زنا پر منحصر ہے۔

مطلقہ عورت کی نسبت زنا کا اعتراف اور اسے زانیہ کو کے پکارنا سب سے مقدم ہے وہ ستارا الیہوب خدا ہو تو ایسا ہو۔ اور احکام ہوں تو ایسے ہوں۔

چنانچہ اگر جھٹلن صاحبہ نے زنا کی حالت میں طلاق کے جائز ہونے اور باہمی نا اتفاق کی حالت میں ناجائز ہونے کی نسبت جو باریک کرتے ہیں وہ اس بارہ میں بالکل اسلامی مسئلہ کی طرف جھکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اگر کوئی عورت اذیت و مصیبت کا باعث ہو۔ تو ہرگز خیال نہ کرنا چاہیے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں دلکی سکتی کو اس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ اس شخص سے جو اس کو ایسی صورت میں اپنے گھر سے نکال دے۔

نامہ وقت سے عورت کو رکھنا ایسی سختی ہے جس میں طلاق سے زیادہ میر جی ہے طلاق ایک مصیبت ہے جو ایک بدتر مصیبت کے عوض اختیار کی جاتی ہے۔ تمام معاہدے بدعہدی سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر اگر کوئی ہی معقول دلیل ہے کہ نکاح کا معاہدہ نہیں ٹوٹ سکتا اور کیا وجہ ہے کہ نکاح کی نوعیت تمام معاہدوں سے مختلف ہے جیسے نے زنا کے وقت میں طلاق کی اجازت دی ہے۔ نکاح طلاق کے لئے ہے اسلئے نہیں کہ ہم دائمی تردد اور نزاع کے باعث سے پریشان رہیں۔

جیسا کہ مذہب میں زنا کی حالت میں تو طلاق ہے جس میں ذرا بھی حکیمانہ عقل نہیں برتی گئی۔ مگر کمال نا اتفاق کی حالت میں طلاق بالکل نہیں۔ جس کا نتیجہ تمام عیسائیوں کو معلوم ہے کہ بیسیوں مرد و زن بوجہ نا اتفاق کے سخت خنقی اور مصیبت کی حالت میں ہیں مرد کہیں عورت کہیں عورت کہیں نیا نکاح نہیں کر سکتی باہمی نبیہ نہیں ہو سکتا۔ سو اسے اس کے کہہ کار ہی کی طرف جھکیں اور کوئی سبیل نہیں مل سکتی ہند و سوسائٹی میں بھی طلاق کا وجود ہے۔

تہذیب و شایستگی کی ترقی اور خیالات کا عروج عورتوں کی اصلاح حال کا باعث ہوا اور انکو بھی ایک مفید حق طلاق حاصل ہو گیا اور اس حق کو عمل میں لانے میں انہوں نے کسی دریغ نہیں کیا یہاں تک کہ قیامِ روم کے عہد میں جس آسانی سے نکاح و طلاق ہونے لگا وہ تو ایسے میں ضرب المثل ہے۔

یہود کی شریعت میں شوہر کو اختیار تھا کہ جب کسی سبب سے زوجہ سے ناراض ہو تو انکو طلاق دیدے اور اختیار طلاق کو خود رایانہ اور بلا وجہ عمل میں لانے کا کوئی مانع و مزاحم مرد کو نہ تھا۔ اور قدیم یونانیوں اور رومیوں میں بھی شوہر کا اختیار طلاق ویسا تھا اور بغیر قید نہیں تھا جیسا کہ بنی اسرائیل میں تھا۔ آخر زمانہ میں یہود کے فرقہ شیعہ نے اختیار طلاق کے عمل درآمد کو چند قیود کیساتھ مقید کر دیا مگر فرقہ جلیل نے شریعت موسوی کے احکام طلاق کو اسی حالت اصلی پر قائم رکھا۔ شایع اسلام کی بعثت کے زمانہ میں فرقہ جلیل کے مسائل عرب کے قبائل یہود میں جاری تھے۔ اور انہیں بھی مشرکین عرب کی طرح طلاق کا رسم بشدت اور بکثرت جاری تھا۔

مشرکین عرب اور یہود میں یہ تھا کہ چند خاص صورتوں میں عالی خاندان عورتیں اپنے شوہر کو طلاق دینے کا حق اپنے لیے مخصوص رکھتی تھیں اور جب وہ اس حق کو عمل میں لانا چاہتی تھیں تو صرف اتنا کرتی تھیں کہ اپنے خیموں کو ایک جگہ سے ا دکھا کر دوسرے جگہ نصب کرتی تھیں جس سے اونکے شوہر و نکو معلوم ہو جاتا تھا کہ ہمکو طلاق دیدیا ہے۔

(ملاحظہ ہو ہرمون صاحب کی تاریخ نسوان عرب)

شایع اسلام نے جو اصلاحیں فرمائیں اونسے مشرقی قانون سازی کا ایک نیا عنوان پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کا قانون طلاق ایک مقبہ معقولی نکاح کا ہے۔ چونکہ شرع محمدی میں نکاح محض ایک دنیاوی معاملہ ہے لہذا ائمہ کھین کو فسخ نکاح کا اختیار حالات مخصوصہ میں دیا گیا ہے ظاہر شوہر کو زوجہ سے زیادہ اختیار طلاق دیا گیا ہے مگر غرض اور عملاً اس اختیار کے عمل درآمد میں بہت سے قیود لگا کر اور احادیث پیغمبر سے استدلال کر کے اوسکو معقول حد و کے اندر محدود کر دیا ہے۔

قبل مشیوع اسلام جو رسم طلاق عرب میں جاری تھا اوسکا جواز کسی صیغہ وغیرہ پر موقوف نہ تھا اور چونکہ شوہر کے اختیار طلاق پر کوئی قید نہ تھی لہذا اوسکا صرف کنایتہ کہہ دینا

کہ نکاح منع کیا گیا طلاق کی صحت کو کافی ہو جانا تھا۔

شارع اسلام نے جو قانون طلاق مقرر کیا تو چند شرط و مشوہہ کے اختیار طلاق کے عملدرآمد میں اس غرض سے لگادی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو کئی حفاظت ہو اور شوہر کو کئی تلون مزاحمت سے وہ در بدر خالص رہنے والے باوین اس پر سے بعض حالتوں میں عورتوں کو بھی منع نکاح کا حق عطا فرمایا جو جس منع شدہ شوہر کی جانب سے ہو کہ طلاق کی یہی وجہ زوجہ کی جانب سے ہو تو اس کو خلع کہتے ہیں اور جب طرفین کی جانب سے ہو تو اس کو مبارات کہتے ہیں۔ ان سب صورتوں میں طرفین کا فعل شرعاً کافی ہے بشرطیکہ تمام شرط و ضروریہ طلاق کی تعمیل کیا وے البتہ بعض صورتوں میں حاکم شرع کو نسخ نکل کا اختیار ہوتا ہے۔

طلاق

طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طلاق سنت (۲) طلاق بدعت بدعت کی اقسام دو ہیں کہ یہ وہ طلاق ہے جو نبی اُمیہ کے خلفائے جوڑنے دوسری صدی ہجری میں یہ سمجھ کر جاری کیا تھا کہ جو تمہو جناب رسالتاً نے طلاق پر لگا دئے ہیں وہ نہایت سخت ہیں اور اس سختی سے کہنے کی سبیل یہ نکالی کہ نفاس کو نرم آسانی پاکر ایک نئی شکل طلاق کی اس نے مطلب کے موافق مقرر کر دالی۔

طلاق بدعت میں شوہر کا تین طلاق ایک ہی مرتبہ پڑھ لینا پڑھنے یا حیض نہ نفاس کی حالت میں طلاق دینا۔ یا طلاق زن بدحوالہ اس طرح چھین بہ ستری ہوئی ہو طلاق سنت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) طلاق جبر (۲) طلاق بائن (۳) طلاق عدلی طلاق سنت کے واسطے کچھ شرائط ضروری ہیں۔

(۱) حضور مدعا دلون کی۔ تاکہ جگر کے اور ترالع کے وقت سہولت سے یہ بات طے ہو جاوے کہ کون اسباب مفارقت کے تھے اور کیا شرائط سے طلاق ہوا ہے بہ نسبت نکل کے طلاق کے بعد جب گزروں اور منساہون کا زیادہ تریشہ تھا ہر نکل ایک معاہدہ ہے مثل دیگر معاہدات کے اوس میں گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور طلاق منع معاہدہ ہے جس میں ضرورت گواہ کی ہے۔

(۲) حیض کے زمانہ میں طلاق نہ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں بی بی چارونا چا

خلعہ رہتے ہیں۔ عجب نہیں یہ علقہ کی طلاق کی حرکت ہو تو جسکو طلاق دینی ہو ضرور ہے کہ عورت نہاد موصلی ہو جس سے ظاہر ہو جاوے کہ دامیہ طلاق قوی ہے۔ اور یہ بھی فائدہ ہے کہ شاید ان دونوں کو اتنی مدت میں فرصت ملنے سے بہر صفا ہو جاوے اور نزع برطرف ہو۔ اور یہ بھی فائدہ ہے کہ معلوم ہو جاوے کہ عمل اس شخص کا تو نہیں ہے (۳) عورت کیسے عہدہ میں نہ ہو۔

تین مہینے یا تین طہر نذر جانے کے بعد طلاق مستحکم ہو جاتا ہے اور لائق منسوخی نہیں رہتا اس مدت کو عہدہ کہتے ہیں جسکا بہت بڑا ایک فائدہ یہ ہے کہ نسب کی احتیاط ہے عہدہ کی مدت میں متواتر تین بار عورت کو ون بجا ست کے گذر لین تو اچھی طرح اطمینان ہو جاوے گا کہ حمل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ عہدہ میں مرد و عورت کو اچھا موقع ملے گا کہ پھر ملاپ کریں اور مرد اپنے طلاق کو واپس لے جسکو اصطلاح میں رجوع کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں شوہر کو اختیار ہے کہ جب چاہے پر عورت سے میل کر لے۔ بعد تین ماہ کے پھر طلاق مستحکم ہو جاتا ہے۔ طلاق رجعی وہ ہے جس میں رجوع جائز بقرون تجدید عقدا گرچہ رجوع نہ کرے۔ طلاق عدی وہ ہے کہ طلاق دے پر رجوع کرے قبل عہدہ ہم بستری کرے پھر طلاق دے اسکو طہر ثانی میں پھر رجوع کرے اور پھر طلاق دے تو یہ طلاق عدی آخر میں بائن ہو جاوے گی پس جو مرد اپنے سخت دلی کے باعث تین طلاق دے اور رجوع کرے تو پھر رجوع نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے طلاق نہ لے لے سائیر اصحاب اور سنڈ لاث صاحب نے کہا ہے کہ یہ قاعدہ اس غرض سے بنایا ہے کہ طلاق کثرت سے نہ وقوع میں آوے جیسا عرب میں دستور تھا کہ بات بات پر زوجہ کو طلاق دیدیتے تھے سنڈ لاث صاحب نے اس شرط کو لکھا ہے کہ یہ نہایت حکیمانہ ہے، کہ اسکی وجہ سے مشرکین عرب اور یہود میں جو باغراط طلاق وقوع میں آتی تھی اذہمیں کمی ہوئی۔ سائیر اصحاب فرماتے ہیں کہ یہ قید اسبیلے لگا دی گئی کہ بے ایک صاحب اور تنک مزاج اور نیم وحشی قوم کو عزت دامن کرے اور طلاق سے باز رہے بلکہ اسید پر سے مختلف اور مبارات اور زن طاقہ اور زن غیر طاقہ اور کم عمر عورت کو طلاق بائن سمجھا جاوے گا بشرطیکہ زمانہ عہدہ میں رجوع کرے مختلف اور مبارات سے اور نزع واپس نہ ہو اور پھر طلاق کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ طلاق

دہندہ حائل صحیح العقل ہو۔ بالغ ہو۔ برضا و رغبت بلا اکراہ و اجبار طلاق دے۔
 اور اگر ارادہ صحیح طلاق دینے کا ہو طلاق بالکناہ یا موثر نہیں ہے۔ طلاق دہندہ شوہر
 اور نہ میں نہ ہو غیض و غضب کی حالت میں طلاق نہ ہو۔ ایسا صیغہ طلاق کا ہڑ جا جاوے
 جو متشابہ المعنی نہ ہو بلکہ قطعی المراد لالہ ہو۔

طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہوتی ہے بعد طلاق فوراً شوہر کو زوجہ کی جائداد کا حصہ
 کتاب دیدینا چاہیے اور اس کی کل جائداد مع اس کے مہر کے زوجہ کو دیدینا چاہیے۔

طلاق المریض

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر عالم احتضار میں ہوتا ہے یا ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے جو
 آخر الامر اس کی ہلاکت کا باعث ہو گا ہے اور وہ ایسے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے کہ
 اس کے مرنے کے بعد اس کی وارث نہ ہو سکے۔ ایسی صورتوں کے لیے چند قواعد قرار کر دیے
 گئے ہیں تاکہ اختیار طلاق کی نا انصافانہ تقسیم سے کوئی حرج یا نقصان نہ ہونے پاوے
 ایسے کہا ہے کہ مریض کو اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ ہے لیکن وہ اگر ایسا کرے تو
 شرعاً جائز ہو گا۔ پس اگر کوئی شخص شدت مرض میں اپنی زوجہ کو طلاق جمعی دے
 اور قبل انقصائے مدہ مر جاوے تب بھی زوجہ شوہر کی میراث پاوے گی اور اگر طلاق
 بائن ہے تو ایک سال تک زوجہ شوہر کی میراث پاسکتی ہے بشرطیکہ دوسرا عقد
 نہ کر لیا ہو یا یہ کہ شوہر اس مرض سے اچھ ہو کر پھر دوسرے مرض میں مبتلا ہو کر مر جاوے

خلع و مبارات

اسلام جاری ہونے سے پیشتر زوجہ کو طلاق مانگنے کا حق کسی حال میں اور کسی
 نہج سے حاصل نہ تھا خاص خاص صورتوں میں اختیار طلاق معاہدہ کے ذریعہ سے
 زوجہ کو حاصل ہو جاتا تھا۔ مگر عموماً یہود اور مشرکین عرب دونوں کے نزدیک عورت
 طلاق کا حق نہ رکھتی تھی۔ قرآن مجید میں سوان عرب کو وہ حق عطا کیا گیا جو اونے
 ملک کے آئین و قوانین کے بموجب اس کو کسی حاصل نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو ڈی او سن ج ۱
 اور سالیسی صاحب اور سائمن صاحب کی کتاب میں)

جب طلاق کی خواہش زوجہ کی جانب سے ہو اسوجہ سے کہ وہ شوہر کے نفرت رکھتی ہو یا اس سبب سے کہ شوہر کو فرائض زوجیت کو بجالانا اور سنبھالنا تو زوجہ اپنا ہر معین یا کوئی اور جائیداد شوہر کو دیکر قطع تعلق کر سکتی ہے ایسے طلاق کو خلع کہتے ہیں اور جب طلاق شوہر اور زوجہ دونوں کی طرف سے ہو اور ایک دوسرے سے بیزاری کیوجہ سے برائت کرے اور دوسرا مات کہتے ہیں بعد انقضائے عدہ خلع و مبارات طلاق بائن ہو جاتی ہیں مگر عدہ کے پہلے عورت اگر معاذ خلع واپس کرے اور رجوع چاہے تو ممکن ہے

ظہار

زمانہ سلف میں جزیرہ نماے عرب میں مشرکین میں دستور تھا کہ اپنے ازواج کو مادر یا خواہر کے لفظ سے پکار کر طلاق دیتے تھے اور بیچارے بے والی و وارث ہو جاتی تھیں سائبر صاحب مورخ فرانسس لکھتے ہیں کہ اس قسم کا طلاق شارع اسلام کی بعثت کے زمانہ میں کثرت سے جاری تھا اور اس سے قبائل عرب کے اخلاق ایسے خراب ہو گئے تھے کہ کسی رسم قبیلہ سے ایسے خراب تہ جو سب سے نیک و اچھے کے جبین میں اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کے ازواج کو اپنے تصرف میں لاتا تھا شارع اسلام نے زوجہ کو ایسے مضرتیہات دینا یا اسکو دشنام دینا حرام مطلق کر دیا اور جو شوہر اپنی زوجہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا اسکو کفارہ دینا پڑتا تھا۔

زوجہ کو دشنام دینے کا معمولی کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینہ کے روزے رکھنا تھا۔ اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی مان یا بہن سے یا اپنی محرمات خرمیہ میں سے کسی عورت سے مشابہت دے تو کفارہ دینا اسکو اسوقت واجب ہوتا ہے جبکہ اسنے زوجہ کی توہین کے لئے مشابہت دی ہو یا ظہار کا رسم قبیلہ مشرکین عرب کے عادات و اخلاق میں داخل ہو کر بہت مضبوط و مستحکم ہو گیا تھا۔ پس اس رسم قبیلہ سے جو نتائج بد پیدا ہوتے تھے انکو باطل کرنے اور با نقضانے زمانہ اس کے متروک ہو جانے کی غرض سے شارع اسلام نے چند قوانین مقدر کر دیے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں اور یہ سب احکام شرع اب صرف واقعات تاریخی رہ گئے ہیں اور ان سے شارع اسلام کے زمانہ کے رسوم و عادات کی کیفیت خوب

مطلوبہ ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں لفظ ظہار کے اہل اسلام بھی اس طرز سے لاعلم ہیں جس طرح
اور لوگ ہیں مگر فقہ کی کتابوں میں احکام ظہار درج ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان
اپنی بیویوں کو ہمیشہ گالیبان دیا کر رہے ہیں۔

ایلا

ظہار کے طرز سے ایلا کا رسم بھی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے سکنہ عرب میں جاری تھا
اور اب یہ رسم بھی بالکل منسوخ ہو گیا ہے۔ مشرک یہ رسم تھا کہ جب شوہر زوجہ سے مفارقت
انہ کرنے کی قسم کھاتا تھا اور کچھ عرصہ تک قسم کو نبھا تا تھا تا وقتیکہ وہ قسم طلاق یا تنہا حکم
کر دیتی تھی اور زوجہ کو اس مقدمہ میں کچھ اختیار نہ تھا یعنی رسم و ردواج کی زد سے وہ کو
یہ اختیار نہ تھا کہ اعتراض کرے کہ شوہر اس کو اس طور سے طلاق دینے میں اسے یہاں
ہنہین رکھتا ہے۔

شارع اسلام نے اس رسم کو زوجہ کی توہین کا باعث قرار دیکر بڑی مذمت فرمائی
ہے جسے ظہار میں ہے ویسا ہی ایلا میں بھی شوہر پر عار و ذلالت ہوتا ہے۔ گروہ سے
مفارقت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اس قسم کی میعاہ کے اور اس سے مفارقت
کو منہج۔ ایلا کی میعاہ چار ماہ ہے اس سے کم میعاہ کی قسم شرعاً موثر نہیں ہے
بعد چار ماہ کے وہ عورت مطلقہ سمجھی جاتی ہے۔

لعان

شریعت اسلام میں جب شوہر زانی بہت لٹائے تو ثبوت زنا صرف چار گواہوں کے
گواہی سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنی آنکھ سے دخول ہوتے دیکھا ہو۔ مگر یہ جرم
ایسا ہے کہ بہت کم صورتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں صراحت کے ساتھ شہادت موجود
ہو اور ہمیشہ دید ہو۔ لعان کی کارروائی شرع میں اس وقت کے لئے مقرر کی گئی جبکہ
شوہر زوجہ کے ارتکاب زنا کا یقین کلی رکھتا ہو مگر اس کا ثبوت اون گواہوں کی
گواہی سے نہ دے سکے جنہوں نے اس فعل کو ہمیشہ خود دیکھا ہو یا فقط پیشو ہر ہی
اس فعل سے واقف ہو۔ پس لعان اس مصلحت کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ صحت

صورتیں ایسی ہیں جنہیں زنا ایسا پوشیدہ ہوتا ہے کہ سوائے شوہر کے اور کسی کو خبر نہیں ہونے پاتی اور اگر شوہر کی داد دہی نہ کیجائے تو بہت بڑے نتائج پیدا ہوں مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لعان مقرر کرنے میں شارع نے فقط شوہر کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا ہے بلکہ زوجہ کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔ شریعت میں جب ایک شخص دوسرے کو بدنام کرے یا تہمت لگائے تو تہمت لگانے والا حد قذف کا مستوجب ہے مگر جب کسی شوہر اپنی زوجہ کو بدنام کرے اور اسکو زنا کی تہمت لگائے تو اکثر صورتیں انتہام کی حد شرعی یعنی سزا سے بچ جاتے ہیں اس غرض سے کہ تہمت لگانے والے کو تہمت بجا لگانے کی کچھ تعذیر دی جائے اور اس غرض سے ہے کہ زوجہ رفع العذر کر سکے یعنی تہمت زنا کا انکار بالا اعلان اور یہ پابندی احکام شرعی کر کے اپنی صفائی کرے اور اسی بدنامی کو رفع کرے شارع نے یہ حکم فرمایا ہے کہ جب زنا کی تہمت کسی عورت پر لگانی جائے اور تہمت لگانے والا اور جسکو تہمت لگانی ہے وہ حاکم شرعی پاس جا کر ایک دوسرے پر او سطر سے لعنت کرے جیسا کہ حکم شرعی ہے۔ پس اون حاکم شرع کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے جب نہ مائین تو صیغہ لعان پڑھو اوسے لعان کی نالش و غرضوں سے ہوتی ہے یا اس غرض سے کہ زوجہ کا زنا ثابت کر دے۔ یا اس غرض سے کہ جو لڑکا اوس سے پیدا ہوا ہو اوسکی ولایت کا انکار کرے شرعی لعان سے بلوغ و عقل ہے اور یہ کہ گونگا اور بہرا نہ ہو پس جب بطور شرعی حاکم شرع کے رو برو لعان ہو جاوے تو ایک دوسرے کو حسرام ہو جاتا ہے۔

غرض کہ یہ مذکورہ صورتیں زن و مرد کی نا اتفاقی کی تین مگر ان سب صورتوں میں پہلے پہل اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش لازم ہے۔

جب نا اتفاقی کی صورت پیدا ہو تو قرآن نے حکم دیا ہے کہ پہلے نا اتفاقی کے رفع کر نیکی حتی الامکان سعی کیجاوے۔ عورت کو تنبیہ و تہدید کر کے اوسکی حرکت کی اصلاح کیجاوے عورت کی سرکشی اور کجی اور بد صورتی پر بھی فرمایا ہے لا محسبان نکروا شیئا و یجعل اللہ فیہ خبیثا و اکثریہا شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا نے او میں بہت بہتری رکھی ہو یعنی صاحب اولاد ہو جاوے یا او میں کچھ اور خوبی کی باعث پائی جاوے پس حتی الامکان قطع تعلق نہ کرو۔ بان جب کوئی جیلہ کوئی چارہ۔ کوئی تدبیر کار گر نہ ہو سکے تو احسری

علاج طلاق اور قطع تعلیق ہے اور عین حکمت ہے۔ کیونکہ اتفاق اور محبت کی حالت میں تو کوئی
 طلاق دیتا ہی نہیں۔ اور جب حد سے زیادہ نا اتفاق اور عداوت اور مخالفت پیدا ہو جائے
 تو پھر قطع تعلیق۔ اس سے بہتر ہے کہ دونوں ایک جگہ رہ کر خفیہ کی حالت میں بسر کریں اور
 دوسرے کی ہلاکت کے خواہان ہوں۔ اب ہم قرآن مجید کے وہ آیات پیش کرتے ہیں جس سے
 طلاق کی بابت جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے سب کی تصدیق ہو جاوے حسد استرہا تاکہ
 عداوتی سخاوتیں ستوزہن فظاوتہن واجمورہن فی المناجم واضرہا ہن فان الطعن کم
 ولا شفو علیہن سہیل وان اللہ کان علیہا کسیرا وان خصم فشقاق بینہما ما یستور
 حکما من اہلہ وحکما من اہلہا ان یرید اصلحا یوفق اللہ بینہما ان اللہ
 کان علیہا خسیرا، یعنی جن عورتوں کی سرکشی و نافرمانی سے تم ڈرتے ہو۔ ان کو پہلے سمجھاؤ
 پھر خواہاں ہوں میں ان سے جدا رہوں۔ پھر ان کو مار کر تنبیہ کرو اگر نہایت سرکش و متبرہ ہوں
 تو اگر تمہاری فرمائندہ ہو جاؤ میں تو تمہیں کوئی الزام کی راہ اور جیل نہ دعوں گا اور
 عورت سے ہے پروا ہی جتناؤ۔ کیونکہ بزرگ اور بلند تو خدا ہے۔ بلکہ ہر دوسرے سلوک
 و رعایا کرو پھر اگر تم کو میاں بھری کی سخت مخالفت عداوت کا اندیشہ ہے۔ تو ایک
 سفوف میان یطوف سے غم کرو اور ایک بیوی کی طرقت سے اگر وہ نہ صرف کوشش
 کرے تو خدا صلاح کی توفیق دیدے گا۔ خدا علیم و خبیر بہت پھر فرماتا ہے ۷۷ لئن
 یولون من نسائکم فیہن اربعۃ فان عاؤ فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق
 فان اللہ صعب علیم۔ والمطلقات یتوبن باذنہن ثلاثۃ فروع۔ الطلاق
 مرتان ما مساک معروفہ او متبرجہ باحسان فان طلقھا فلا تحل لہ من
 بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ واذ اطلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعھد لھن
 من ینکھن ادواجنھن واتقوا اللہ بکم کاتخوھن ولا یخرجن الیہن یا تلیں
 بعاشۃ مہینۃ فاذا بلغن اجلھن فامسکواھن بمعروف او عاقد قیامہن
 بمعروف ولا یحل لکم ان تاخذوا ما آتیتموھن ومن یتق اللہ یمعل لہ مخرجاً
 ویرزقہ من حیث لا یحسب ذالک امر اللہ انزلہ الیکم ومن
 یتق اللہ یمکفر عنہ مہاتہ ویعظم لہ اجرہا یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے
 جدا ہونے کے لیے قسم کھا لیں اور طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ چار مہینہ کا انتظار

کریں پس اگر وہ اپنے اس ارادے سے باز آجائیں تو خدا کو غفور الرحیم پاویں گے (وہ گذشتہ
 زیادتیوں کو معاف کر دیوے گا مگر کی طرف سے بیوی یا عورت کی طرف سے بشرطیکہ آئندہ
 حالت کی اصلاح کریں اور حسن سلوک سے برتاؤ کریں اور اگر طلاق دینے پر چکا ارادہ
 کریں۔ تو سن رکھیں کہ خدا سمیع و علیم ہے اگر ناحق دیکھیں تو عورت کی فریاد کو سکر مر دے
 باز پرس کرے گا اور چاہے کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ رجوع کی امید کے
 لئے تین حیض تک انتظار کریں اور تین حیضوں میں جو قریباً تین مہینہ ہیں دو دفعہ طلاق ہوگی
 یعنی ہر ایک حیض کے بعد حالت طہر میں خداوند عورت کو طلاق دے حالت حیض میں نہ دے
 (کہ وہ نفرت کا وقت ہے اور جدائی کا زین و شوہر کے) طہر کا انتظار کرنا چاہیئے شاید
 موافقت ہو جاوے۔ اور جب تیسرا مہینہ آوے تو خداوند کو آگاہ ہو جانا چاہیئے کہ اب
 یا تو طلاق سے رک جاوے اور عورت کو حسن معاشرت کے ساتھ اپنے گھر میں آباد کرے یا حسن
 و حسن سلوک کے ساتھ ہمیشہ کے لئے عورت کو رخصت کرے۔ اور اگر تیسری طلاق
 جو تیسرے حیض کے بعد آتی ہے دیدے تو اب یہ عورت اسکی نہیں رہی۔ دہائی جدا ہو
 ہو گئی۔ تا وقتیکہ وہ دوسرا خداوند کرے اور وہ مرضی سے چھوڑے اور ایسے شخص کی ہر
 بھی ہے جو یاد جو مذکورہ بالا انتظاروں کے اور موقع ملنے کے نہ سمجھے اور جب تم عورت کو
 طلاق دو اور اونکی مدت مقررہ گزر جاوے (تین حیض کے بعد تین طلاقیں ہو سکتی ہیں
 گزر جاوے) تو وہ عورت تمہاری نہیں رہیں۔ اور نکو خداوند کرے نہ روکو اور جسند اسے
 جو تمہارا رب ہے ڈرو۔ اور اونکو عدہ کے دو مہینہ گھر سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں
 و اتفاق کے لئے یہ بھی ایک موقع ہے۔ مگر یہ کہ اونسے علانیہ کوئی بدکاری ظاہر نہ ہو
 اور جب اونکی مدت عدہ گزر جاوے تو یا تو اونکو خوش سلوکی کے ساتھ رکھو یا احسان
 کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور نکو ہاں زمین کہ جو مال طلاق سے پہلی عورت کو دیا تھا وہ
 لے لو اور جو کوئی ان معاملات میں خدا سے ڈرے گا (کیونکہ زن مرد کے معاملات
 پر انیویٹ ہیں اور پرائیویٹ معاملات میں خدا کا خوف ہے بد معاہدوں سے روک
 سکتا ہے) تو خدا اسکو مشکوٰۃ سے رہائی دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا
 جہاں سے اسکو معلوم تک نہیں ہو گا یہ خدا کا حکم ہے جو اس سے تمہارا ذیل فرمایا اور
 جو خدا سے ڈرے گا اور طلاق نہ دے گا خدا اسے گناہ معاف کر دے گا اور اسکو

بہت بڑا ثواب عطا فرمادے گا۔

پسلاق کے متعلق احکام میں جس سے بڑھ کر عمدہ اور احسن حکیمانہ نہیں ہو سکتے اگر کسی درجہ بہ درجہ ہون تو مقابلہ کر کے دیکھا دے۔

(اولاد سے حسن سلوک) قبل شروع اسلام مشرکین عرب میں اولاد کو پرورش کرنا والدین پر فرض نہ تھا نہ صلہ رحمی یا لانا یا ایک عزیز کو دوسرے عزیز کا تکفل واجب تھا۔ بلکہ برضات اسکے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان زمانہ جاہلیت میں جو قبل شروع اسلام کے جزیرہ نماے عرب میں گذرا اور جہن لوٹ مار اور خونریزی اس ملک میں شدت سے ہوتی تھی اولاد کے پیدا ہونے سے کچھ نکالیت فرایض والدین سے نہ تعلق ہوتے تھے بلکہ اولاد اناٹ یعنی لڑکی کا ہونا ایک بلا سے عظیم سمجھا جاتا تھا اور لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں تاکہ وہ اپنے والدین کے قبیلہ پر ایک بار گران نہ ہو جو س اوین شایع اسلام نے اولاد کی پرورش کو مان باپ پر فرض کر دیا اور ساتھی اسکے یہ بھی منسوب ہے کہ جب مان باپ میں دبدو اور ضعیف پچا در خود اپنی سر نہر سکتے ہوں تو اولاد اپنی خود فکر کرے۔ اولاد کو والدین کا اعزاز و احترام کرنا فرض کر دیا گیا اور ہمیشہ رسول خدا یہ فرمایا کرتے تھے کہ در مطیع و فرمانبردار اولاد اپنے مان کے قدم با قدم بہشت میں داخل ہوتی ہے۔ اس حدیث کو ایم ہرن صاحب عالم فرانسیسی نے لکھا ہے کہ بہت بڑی فارق و تمیز ہے درمیان شیعہ محمدی اور شیعہ سلف کے۔ ایسے ایسے احکام کی رو سے اولاد کو پرورش کرنا اور انکو مناسب تقیم دینا شرع میں مان باپ پر فرض ہے اور یہ فرض باپ سے بالطبع متعلق ہے باپ اگر غریب ہو اور داد استمول ہو تو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف دادا سے متعلق ہوتی ہے با اولاد کو نفقہ دینا اسکے بلوغ تک فرض ہے بعد بلوغ و احتیاج ہے مگر یہ کہ اولاد کسی بیماری یا نقص جسمانی میں مبتلا ہوڑکی پرورش اسکے نکاح کے بعد جاتی رہتی ہے باپ کو اپنی اولاد کی جائداد کی حفاظت فرض ہے۔ اسی طرح سے اولاد ذمی مقدور کو اپنے والدین کی پرورش فرض ہے جبکہ وہ مفلس ہوں۔ نفقہ دینے کی تکلیف یا زرداری کو اولاد اشخاص کی قدرت اور استطاعت کے موافق قرار دینا چاہیے مثلاً اگر بیٹی متمول اور بیٹا و سکی نسبت غریب ہو تو بڑا جزو نفقہ کا مان باپ کے بیٹی کو دینا چاہیے ہی اصول الحیر کے قاضیوں نے بھی پسند کیا ہے۔

حق الجبر

مشرکین عرب اور یہود کا اختیار اپنی اولاد پر بلکہ تمام اہل خاندان پر ایسا ہی تھا جیسا کہ
 رومیوں میں تھا۔ اختیار پدری کی کوئی حد و پیمان نہ تھی اور خود سررئیسان خاندان
 کی تنگ مزاجی اور تلون طبع کے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ شریعت اسلام نے اس اختیار
 مطلق کو معقول حدود کے اندر محدود کر دیا۔ مسلمانوں میں باپ کو بہ پاندی چند شرائط
 معاہدہ کے اختیار ہے کہ اپنی اولاد کی شادی جبراً کر دے یا ایک عمر میں تک اونکو اپنے
 گھر میں جبراً رکھے یا عند ضرورت اونکو تنبیہ و تاکید کرے حق الجبر اس اختیار پدری پر مبنی
 ہے جو قدم در پام سے قبایل عرب میں موجود تھا عرب میں دستور تھا کہ باپ کو بیٹوں کی
 شادی جبراً کر دے یا اختیار تھا جب تک وہ اختیار باندھنے کے قابل ہوتے تھے
 اور بیٹوں کی شادی جبراً کر دینے کا اختیار اس وقت تک رہتا تھا جب تک وہ شادی
 ہو جانے کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے اس کے اختیار سے نکل جاتی تھیں (ملاحظہ ہو پرنسپل
 کی تاریخ فسادان عرب صفحہ ۱۹۱-۲۲۶) یہود میں باپ کو اختیار تھا کہ دختر نابالغ کی شادی
 بغیر اس کے رضامندی کے جسکے ساتھ چاہے کر دے اور دختر نابالغ وہ تھی جسکی عمر
 بارہ سال سے کم ہو۔ اسلام میں یہ اختیار باپ کو بیٹوں کی نسبت اس وقت تک عمل میں
 آسکتا ہے جب تک وہ حد بلوغ کو نہ پہنچیں اور بعد بلوغ وہ باپ کی قید اختیار سے
 آزاد ہو جاتے ہیں جب تک ان کے حقوق شخصی متعلق ہیں اور اونکو اپنی شادی خود کر لینا
 اختیار ہے جو لوگ بالغ و رشید نہ ہوں وہ شریعت اسلام میں اس بطور معذور و مجبور ہیں
 جس طرح اسے اور شرائع میں وہ کوئی معاہدہ یا شرعی معاملہ بلا رضامندی اپنے اولاد کے
 شرعی کے نہیں کر سکتے عدم قابلیت جو عدم بلوغ کا نتیجہ ہے اصول عقلی پر اور اس
 مصلحت پر مبنی ہے کہ جو لوگ معاملات روزمرہ میں عقل سلیم سے کام لینے کے قابل
 نہ ہوں وہ اپنے افعال کے نتائج سے محفوظ رہیں لہذا اولاد نابالغ بلا رضامندی اپنے
 ولی شرعی کے شرعاً نکاح نہیں کر سکتی شریعت میں جو اختیار باپ کو دیا گیا ہے وہ باعتبار
 اصول کے غیر محدود ہے لیکن اس اختیار میں اتنے شرائط اور قیود لگا دیے ہیں کہ جو
 ضرر اس سے پیدا ہو سکتا ہے وہ علاً کم پیدا ہوتا ہے۔ حق الجبر کا علم در در گاہ بلوغ

شتم ہو جائے بعد بلوغ مرد ہو یا عورت اونکی مرضی رضامندی پر جو خوف ہو گا عورت
 باکرہ جو خواہشہ اگرچہ حق ابھر عقلا ایک حق مطلق ہے مگر عملاً اوہین بہت سی شرطیں
 لگائی گئی ہیں باپ کو شرعاً مانفت ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح مریض و غلام و فاجر العقل
 سے کرے فی الواقع لڑکے کے خاص فوائد کا محاذ رکھا گیا ہے اور یہ خوب سمجھ لیا گیا ہے
 کہ حق ابھر مغیر اس لڑکے کے ضرر یا نقصان کے لیے بھی عمل میں نہ لایا جاوے اور باپ کا
 ہر فعل جس سے نابالغ کی حق تلفی یا نقصان کا گمان ہو نا جائز سمجھا جاوے گا جب
 باپ ناقص العقل ہو یا مرگیا ہو یا قائب جو اوس وقت میں یہ حق ابھر اوسکے قائم مقام
 کو حاصل ہوتا ہے مثل دادا یا وکیل کے ہماری شریعت کا قاعدہ فرانس کے قانون
 سے بدرجہا بہتر ہے فرانس کے قانون کے بموجب کوئی مرد اٹھارہ سال کے سن تک
 شادی نہیں کر سکتا اور کوئی عورت پندرہ برس کی عمر تک شادی نہیں کر سکتی اور اگر
 بیٹے کا سن پچیس برس سے کم ہو اور بیٹی کی عمر اکیس برس سے کم ہو تو نکاح والدین کے
 اذن سے مشروع ہے اگر والدین میں اختلاف ہو تو باپ کی اجازت کافی ہوتی ہے
 اگر والدین زندہ نہ ہوں تو حوا از نکاح دادا و دادی کی اجازت پر موقوف ہے اور
 جب وہ بھی نہ ہو تو سارے خاندانی کونسل کی رضامندی حاصل کرنا ضرور ہے۔
 د ملاحظہ ہو مجموعہ قانون ہندوین۔ ۱۸۲۰ء جب مرد کا سن ۲۵ سال کا ہو اور عورت کا
 ۱۵ سال کا ہو تب بھی اول دونوں پر فرض ہے کہ ایک باضابطہ اشتہار کے ذریعہ
 سے والدین کا اذن حاصل کریں اور جب تک مرد کا سن تیس سال کا اور عورت کا
 پچیس سال کا ہو جاوے اوس وقت تک یہ فعل ایک ایک مہینہ کے فاصلہ سے
 تین مرتبہ کرنا چاہیے اور تیسری و چوتھ کے ایک مہینہ کے بعد طریق کو جائز ہے
 کہ بااجازت یا بلا اجازت والدین شادی کریں۔ جب مرد کا سن بیس برس کا ہو
 جاوے تو پہلے دو رجسٹراروں یا ایک رجسٹرار اور دو گواہوں کے ذریعہ سے
 والدین پر باضابطہ اطلاع جاری کر کے اوسکے مہینہ بھر کے بعد اوس مرد یا عورت
 کو بلا اذن والدین شادی کر لینا جائز ہے قانون انگلستان کے بموجب مرد اور عورت
 دونوں میں بیس برس کے سن تک بلا رضامندی والدین شادی نہیں کر سکتے۔

حضانت

ماں کا حق حراست اولاد کا جب اولاد صغیر السن ہو تو اس حالت میں شریعت اوس حق کی تائید کرتی ہے جو ماں کو حراست اولاد کا بالطبع حاصل ہے اور ایک مدت عینہ تک اوسکے حق کو باپ کے حق پر مقدم و مرج رکھتی ہے جب اولاد کماں کی حرست کی ضرورت نہ باقی رہے اوسوقت باپ اوسکی تعلیم و تربیت اور نگرانی کا حق رکھتا ہے اور اوسکی جان کی حفاظت کا ان سے زیادہ مستحق ہے ماں اپنی اولاد کا حق حضانت دودھ بڑھنے کے زمانہ تک رکھتی ہے اس عرصہ میں اولاد کسی حال میں ماں کی حرست سے بغیر اوسکی مرضی کے نہیں بھل سکتی جب ماں نہ ہو تو حق حضانت باپ پاسے کا جب وہ بھی نہ ہو تو دادا دادی اور دیگر اجداد کو ملے گا اور جب اجداد میں سے کوئی نہ ہو تو یہ حق ان اقربا کو ملے گا جو لڑکی کے عہد ریم شریعہ میں ہوں اور قریب بعید کا حاجب ہو گا حق حضانت کے لئے ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے (۱) صحیح عقل ہونا (۲) اتنی سن نہ ہو کہ حراست کماحقہ بچہ کی نہ کر سکے (۳) چال چلن اچھا ہو (۴) ایسے مقام پر رہتی ہو جہاں لڑکے لکھوئی جسمانی یا اخلاقی ضرر پہنچنے کا خوف نہ ہو جن وجوہ سے حق حضانت باطل ہو تا ہے وہ ہیں (۱) بد وضعی و بد اعمالی (۲) ارتداد (۳) سکونت ایسے مقام پر بدلتا جس سے باپ یا معلم لڑکے پر ضروری نگرانی نہ کر سکے (۴) عورت کا غیر شخص سے نکاح کر لینا۔ ایسے کہ جب عورت ایک نئے خاندان میں چلی آئی تو ایسی شفقت و نگرانی نہیں کر سکتی جیسے پیشتر کرتی تھی البتہ تنہا حاج کے بعد پھر یہ حق عود کرے گا خلاصہ یہ کہ لڑکے کی حفاظت کے لحاظ سے حضانت کا اصول مقرر کیا گیا ہے۔

نابالغی کی حالت

نابالغون کے موانع قانونی کچھ شیع اسلام ہی سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ اور قوانین میں بھی نابالغوں کی ذات کی آزادی سن بلوغ کو پہنچنے پر موقوف ہے اور اوسوقت اوںکو یہ بھی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنی جائداد کو جو چاہیں کریں۔ مگر شیعہ محمدی کے دوسری ذات کی آزادی سے خواہاں مال یا جائداد کی آزادی لازم نہیں آتی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ شیعہ میں دو مختلف زمانے بلوغ کے گویا رکھے گئے ہیں۔

ایک وہ زمانہ جس میں نابالغ کی ذات اوسکی ولی کے قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔

اور ایک وہ زمانہ ہے کہ جس میں اپنی جائداد کا انتظام خود اختیار کرتا ہے ان دونوں زمانوں کو سن بلوغ و برسن رشد کہتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بلوغ ہوتا ہے اور رشد نہیں ہوتا ایسی حالت میں بالغ کی ذات سے حق بکرمہ اوٹھالیتا ہے مگر خود اوسکا فائدہ بکے لئے اوسکی جائداد کے لئے اوسکی جائداد کا انتظام اوسکے اولیاء شرعی کے سپرد رکھا ہے۔

دین اسلام جاری ہونے سے پیشتر یہ دستور تھا کہ نابالغ کے مال و اسباب کا تحفظ و انتظام دلوں سے متعلق کیا جاتا تھا جو اوسکے اہل خاندان میں سے مقرر کئے جاتے تھے مگر چونکہ کسی حکم کے حکم سے اختیار ولایت اوپر عمل پیش لایا جاتا تھا ہند نابالغوں کے مال میں خیانت و غلبہ و تصرف اس شدت سے ہوتا تھا کہ شایع سرہ کو بہت سخت کام نابالغوں کی حفاظت کے جاری کرنے پر قرآن مجید میں اولیاء مومن و رہبر ایمانیوں کی مذمت ہا ہا ہے جو بغیر اسلام کے بغت کے زمانہ میں سارے عرب میں ہوتی تھیں۔

مسلموں کا قانون ولایت جیسی ہے آیات ذیل میں کچھ احکام ولایت قرآنین بیان کئے ہیں جسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ چھٹے اور ساتویں صدی عیسوی میں اخلاق عامہ کی کیا کیفیت عرب میں تھی قرآن مجید میں ہے یہ اور دو تم قبیوں کو اوسکا مال اور نہ بدلو اچھی چیز کو بری چیز سے اور نہ کہاؤ اوسکی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ تحقیق یہ بہت بڑا گناہ ہے (سورہ نساء آیت ۸) اور حفاظت کرو تمہیوں کی مائتک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچیں پس اگر تم انکو ذلیعہ و دیکھو تو دیدو انکو اوسکی جائداد اور نہ کہاؤ انکو فضول خرچی اور خیانت کے ساتھ اور جو شخص مالدار ہو برائینہ اوس سے بالکل پرہیز کرے اور جو شخص نادار ہو برائینہ مقدار واجبہ سی اوس میں سے لے پس جب تم انکو اوسکی جائداد میں حوالہ کردو تو دو گواہوں کے سامنے حوالہ کرو اور کافی ہے خدا حساب لینے والا۔ اور وہ لگ جو کھاہتے ہیں مال میں کا ناحق نہیں کھاتے اپنے شکوک میں مگر آگ کو اور قریب ہے کہ پہنچیں گے آتش و زرخ میں (سورہ نساء آیت ۵-۴-۳)۔

حسنِ حقیقہ

ساتویں روز ولادت کے بعد کاسر منڈانا۔ کاسر منڈا قرانی کر کے غریبون کو تقسیم کرتا۔ بقدر
مہوی سرچاندی وزن کر کے مسکینوں کو تصدق کرتا۔ اسکا نام حقیقہ ہے۔ جو سنت نبوی
قرار پائی ہے۔ اس رسم میں کون سا بیج ہے خیرات و تصدق کرنا ہر طرح سے اچھی بات ہے
کوئی شخص اس کے حسن سے انکار نہ کرے گا۔

اب رہا سر منڈانا اسمین جن عقلی ہے کہ سر ایک نازک مقام اور عقل کا گھر ہے۔ سر میں
خامو دس زیادہ ہے پس اس مقام پر زیادہ سردی و گرمی پہنچانا مضر صحت ہے اور طبیعت
بال کی گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ بالوں کے اوپر سر کا بالائے سطح نہایت نازک ہے
اور اس مقام کو بوجھلانا مناسب ہے۔ لہذا مو تراشی کرنا ضرور ہو تاکہ انحراف دماغی
نکل جاوین جو اسے لطیف دماغ طفل کو (جو کہ عرصہ سے ہواسے سر کا خواہان تھا اور ایک
مدید کے بعد قید شکم سے چھوٹ کر دنیا کی ہوا کھائے گا طالب ہوا ہے) بفرج بخشد۔
اگر پیدا ہوتے ہی سر منڈا دیا جاتا تو بچہ دفعہ ہواسے سرد پا کر مبتلا با مراض ہو جا کاسات روز
میں رفتہ رفتہ ہواسے سرد کا عادی ہوتے ہوتے جب متحمل ہو گیا اور وقت سر منڈانے کا حکم ہوا۔
علاوہ اسکے رطوبات لزوجہ و کشافات غلیظہ شکم مادر کے اگرچہ غسل ولادت کے بہت کچھ دفع
ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی مسامات جسم میں وہ کشافات چسپیدہ ہوتے ہیں۔ سر سبب بالوں کے
شیع مسامات ہے اور میں وہ رطوبات غلیظہ زیادہ تر چسپیدہ ہونگے اور سبب بالوں کے
ازالہ اور دفعہ بھی دشوار ہو گا بنا براین اون بالوں کا دور کرنا ضرور ہو تاکہ وہ مسامات
کھل جاوین اور ہواسے لطیف سے اون رطوبات کی اصطلاح ہو ورنہ حدوث امراض کا
خوف تھا اگر یہ اعتراض ہو کہ سر کے بال منڈانے سے دماغ جذب ہواسے بد بسہولت
کوسے گا اور کوئی حاجب و مانع نہیں ہے گا۔ علاوہ اسکے ہواسے سرد و گرم سے بھی زیادہ تر
مستثر ہو گا۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جذب ہواسے بد اور صورتیں اور زرا ہو گا جبکہ سر میں
رطوبات متخلفہ شکم مادر کے چسپیدہ ہونگے اور قابلیت افعال دماغ میں زیادہ ہوگی
بلکہ وہ رطوبات کشاکش میں ہو کر اور زیادہ نقصان پہنچا دینگے لہذا اصغائی سر کی ایسی

ایسی حالت میں ضروری ہوگی اور روک اوس چولے بدو چولے سرد و گرم کی کلاہ
 و سپرنچ وغیرہ سے بھی ممکن ہے جیسا کہ دستور عالم ہے کہ ایسے بچوں کو خود مان اور دایہ
 اور بائے اور ڈھلپنے رہتی ہے۔

چھین

دنیا میں دو بڑی قومیں ہیں کہ جنہیں خستہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ایک مسلمان
 دوسرے یودی۔

حقیقتاً اگر خیال کیا جاوے تو علاوہ مذہبی طریق کے عقلی اور طبی ضرورتیں خستہ کرنے میں کثیر ہیں
 خستہ نہ کرنے سے خستہ ہر وقت غلظت سے تندرہ پوشیدہ رہتا ہے جسکے باعث سے اول تو
 ایک خاص قسم کی لعاب دار تری موجود رہتی ہے دوسری کثافت کچھ نہ کچھ ہر وقت
 ضرور موجود رہتی ہے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ جو امراض کے سرایت کرنے میں
 بہت کچھ مدد دیتے ہیں۔ اور اگر مرض موجود ہو تو اسکے دفع کرنے میں حارج و مانع ہوتے
 ہیں۔ اسلئے کہ مسبب غلظت کے اوس مقام کی کمافیض صفائی نہیں ہو سکتی خصوصاً وہ لوگ جنکو
 حار و غلیظ الطول ہوا نہیں اگر ایسا ہوتا ہے کہ قطر پول اگر غلظت سے میں رہ جاتا ہے
 اور وہاں رہ کر کثافت پیدا کرتا ہے جیسا کہ علی العموم لوگ پیشاب کر کے پانی سے
 نہیں دھوئے اور نہیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ پیشاب یا اوسکے کثافات بسبب غلظت کے باقی رہتے
 ہیں۔ اور یہ بخوبی ظاہر ہے اس قسم کی کثافت ہمیشہ زخم کے اند مال میں مانع ہوا کرتی ہے
 علاوہ اسکے جبکہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ اثر ایسی کثافت نکالنا باقی رہیگا تو وہ مقام اگرچہ خود اوس سے
 مشاخر ہو کر مافوت نہ ہو۔ تاہم اوس میں بڑا امراض کی استعداد ضرور پیدا ہو جاوے گی۔
 اور ضعیف مرض کا جی اثر جلد ہونی جاوے گا اور قطع نظر اس امر کے کہ کثافت کے
 باعث سے استعداد امراض کی ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی لائق ملاحظہ ہے کہ جب ہر وقت
 خستہ سے پوشیدہ رہا تو اوس پر خارجی ہو گا اور سردی اور گرمی کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے
 بخلاف اوسکے کہ جسکا خستہ ہو چکا ہو اوس پر خارجی ہو گا اور گرمی و سردی کا اثر اچھی طرح
 ہو جاتا ہے اور کپڑے کی برگڑہونچنے سے ایک قسم کی سختی پیدا ہو جاتی ہے جس سے
 اوس میں مرض کے مقابلہ کرنے کی ابھی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی ہاتھ میں

چمکے کے داسٹائے نہاد دیئے جائیں اور عرصہ دراز تک ہر وقت پہنے رہے تو ظاہر ہے
 اوکی حس زاید ہو جاوے گی اور خارجی ہو اسردی و گرمی اور امراض کا اثر اوسپر جلد ہو گا
 بہ نسبت اوسکے کہ جب تک ہاتھ ہر وقت کھلے ہوں چنانچہ چونک ہاتھ سے زاید اور سخت کام لیتے
 ہیں و سکے ہاتھ کی جلد موٹی اور مضبوط ہوتی ہے۔ اور خارجی ہو اسردی اور گرمی کا اثر اوسپر
 بہت کم ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی صحیح شخص کے ہاتھ پر پلہ انچھ کے فاصلہ پر دوسو بیون کی
 نوکیں رکھیں تو وہ اونکو جدا جدا محسوس کرنے کا بخانات اسکے کہ کسی مزدور کے ہاتھ پر پلہ انچھ
 یا پلہ کے فاصلہ پر دو بیون نوکیں سو بیون کی رکھی جاوین تو وہ جدا جدا محسوس نہ کر سکے گا
 پس ظاہر ہے کہ اسبطر سے وہ ہاتھ بہ نسبت ذکی احساس ہاتھ کے مرض کا بھی مقابلہ زاید کر سکے
 گا۔ اسی طرح جب حشفہ بسبب پوشیدہ رہنے کے ذکی احساس ہے اور اوسپر خارجی ہو گا
 اثر کم ہو جاتا ہے تو وہ اس سے کسی قسم کے اثر قبول کرنے میں تامل نہ کرے گا بلکہ ایسے
 شخص کو ذکی احساس ہونے کی وجہ سے اپنے اذہبقت جماع سرعت انزال کا مرض پیدا ہو گا اور
 بڑھتے بڑھتے پھر دخول ہوتے ہی انزال ہو جایا کرے گا اور جو امراض سرعت انزال سے
 پیدا ہوتے ہیں اوسمیں یہ مبتلا ہو جاوے گا۔

ہو ڈاکٹر ہینڈ، کانیاں ہے کہ قدرت کا منشاء یہ ہے کہ حشفہ ہر وقت پوشیدہ رہے
 تاکہ اوکی حس کم نہ ہو اور لذت جماع میں نقصان نہ آوے۔ اسلئے کہ لذت جماع حشفہ
 ہی کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہے مگر اسکا یہی جواب ہے جو اوپر بیان ہوا۔

اب رہا یہ امر کہ ہو ڈاکٹر ہینڈ صاحب، کانیاں ہے کہ بسبب ختمہ کے باہرین کس
 ہو جاوے گی اسلئے کہ بسبب ختمہ ہو جانے کے حشفہ کی حس کم نہ جاتی ہے۔ یہ امر کہ
 ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے اسلئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بے بڑم کر مسلمان ہی اس مرض سے
 مبتلا ہوتے۔ حاذر کہ ایسا نہیں ہے اور مشاہدہ و تجربہ اسکی سخت تردید کرتے ہیں۔
 دیگر اقوام میں جسقدر اسکے مریض ملتیں گے اور کادسوان حصہ بھی شاید مسلمانوں میں
 ملے گا اور اگر ہونگے بھی تو اونکے مرض کے دیگر وجوہ اسباب ہونگے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے مشاہدہ اور تجربہ سے بالکل کام نہ لیا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ
 حشفہ میں جس بڑھنے سے سرعت انزال کا مرض ہوتے ہوئے قطع باہ کا باعث ہو گا
 اور انسان بیکار مرض ہو جاوے گا۔

اب رہا عزت اور قانون قدرت سے مخالفت یعنی خدا نے ناحق پید کیا ہے ہم کیوں
اوسکی مخالفت میں مختوی کریں۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بسا بہ مختون بھی پیدا ہوتے ہیں اوسکے مختون ہونے کی
کیا اہم ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ خدا نے ان چند مختون کو پیدا کر کے ہلکو ختنہ کا سبق دیا ہو
تو عجب نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ختنہ میں قانون قدرت کی مخالفت ہے۔ تو نافرمان
تراشتے میں بچہ کے بھی قانون قدرت کی مخالفت ہوگی اسواسطیکہ اوسنے بچہ بے نافرمان
پر بد خلق کیا ہے پھر ہم کیوں اوسکے قانون میں اصلاح دین جسطرح ضرورت سے
ہلکو نافرمان تراشتے پر مجبور کیا ہے۔ اس جسطرح ضرورت سے ختنہ کا بھی حکم دیا ہے۔
اگر آپ یہ کہیں کہ نافرمان بچہ کے واسطے شکم مادر میں تعذیب کی ضرورت سے اتنی بے حد
ولادت پر ضرورت باقی نہیں رہی اسوجہ سے نافرمان تراشا ضرور ہوا۔ اور بچہ کے
خلفہ دار ہونے کی کیا ضرورت تھی اور جو ضرورت پیش آئی تھی وہ بعد ولادت کیا
دور ہو گئی جو اسکو بھی قطع کرنے کا حکم ہوا۔

جواب یہ ہے کہ۔ اس مسئلہ کے حل کرنے کی ہلکو ضرورت نہیں ہے کہ خدا نے
بچہ کو اخلاقی کیوں پیدا کیا ہے۔ بہت سے امور اوسکے اسرار حکمت میں جو کسی سے
اب تک حل نہیں ہوئے ہم نہیں جانتے کہ اخلاقی پیدا کرنے کی اوسکو کیا ضرورت ہوئی
لیکن مان اسکا جواب دینے پر ہم آمادہ ہیں کہ خدا نے کسی خاص ضرورت سے
بچہ کو اخلاقی پیدا کیا جو ہلکو اب تک بتیں معلوم ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اب قانون قدرت
میں دست اندازی اور اصلاح کا ہلکو کیا حق ہے جواب اسکا یہ ہے کہ خدا نے ظہر تا
موسے میں رویداد کی ناخود بین نمود دیا ہے پھر ہم کیوں اوسکی قطع و برید پر آمادہ
ہیں بالوں کو بڑھنے دین خواہ وہ بسبب درازی زمین پر لڑتے زمین ناخون کو بڑھنے
دین۔ لیکن مقتضا عقل بشری یہ ہے کہ ہم اوسکو حد سے زیادہ ہونے دین خدا نے
ہلکو عقل خاص اسوجہ سے دی ہے کہ وہ با عقل تصرف کرے اور اصابت رائے اپنے احکام سے
کی اگر خدا اپنے احکام کے ذریعہ سے ہماری اصابت رائے نفع مانا تو ضرور ہلکو خطا کا خیال
جو تا اب چونکہ عقل سے ہلکو ضرورت ختنہ کی تباہی اور خدا نے ہلکو بذریعہ خاص طلسم
بندوئے حکم بھی دیا لہذا ہلکو قانون قدرت میں تصرف کا حق حاصل ہو گیا۔ لیکن ہم یہ

کہتے ہیں کہ خدا نے جن حیوانات کو بول کی ضرورت نہیں دی ہے تو ان کا غضب غلغلوں
جسم خلق کیا ہے جس وقت وہ اپنے مادہ کے قریب آتے ہیں تو فقط غلغلوں پہنچانے کی
ضرورت سے غضب اور ان کا باہر نکلتا ہے ورنہ ہر وقت پوشیدہ رہتا ہے اور یہ حیوانات
پرندہ ہیں۔ دوسری قسم حیوانات چرند کی ہے جن کو بول کی بھی ضرورت ہوتی ہے پس ان کے
غضب غلغلوں دار پیدا کئے ہیں اس طرح کہ تمام عضو ان کا ایک کمال میں مخفی رہتا ہے جو پہلے
ضرورت بول باہر نکل آتا ہے۔ انسان بھی اس دوسری قسم کے حیوان میں شامل ہے
پس باقتضائے طبع حیوانی انسان کو بھی اغضب پیدا کیا لیکن اس کا فقط حشفہ غلغلوں دار
بنایا گیا مثل دیگر حیوانات کے کل عضو غلغلوں دار نہیں بنا اور اس امر میں بھی انسان کو
بالکل حیوانات سے مشابہت نہیں دی بلکہ اس جنس میں داخل کرنے کی غرض سے
نقطہ حشفہ کو غلغلوں دار بنایا۔ پس حیوانات کے اغضب ہونے میں مصالح عقلیہ ہیں۔

ہاں ہم یہ نہیں جانتے کہ غلغلوں کو ساخت عضو میں بھی کچھ مداخلت ہے یا نہیں۔ لیکن
التا ضرور جانتے ہیں کہ حیوان اگر غلغلوں دار نہ ہو تو ہر وقت عضو تناسل آویختہ رہتا
اور صدمات ضرب و قحط سے متاثر ہو کر ہلاک ہو جاتا ہر وقت بیٹھنے اور کھانے میں
سے رگڑ کر رنجی ہوتا یا مثل دیگر اعضا کے سخت ہو کر بے حس ہو جاتا۔

اور یہ بھی مصلحت ہے کہ جسم حیوان کا کوئی سائرہ واجب نہیں ہو تا یہ امر موجب
شرم و حیا ہے کہ ہر وقت نظر زن و مرد کی حیوانات کی شرم کا ہون پر پڑے جو شاید
کسی وقت موجب شہوت و ریب کا بھی ہو خصوصاً وہ زمانہ جاہلیت و وحشت کا جس میں
جاہلی قوموں نے حیوانات کو بھی مباشرت سے نہ پھوڑا۔ اس زمانہ پر کیا مضموع ہے
اس تہذیب و شایستگی کے زمانہ کو ملاحظہ کیجئے اخبار و مکتوب پڑھئے تو آپ کو معلوم
ہو کہ اس وقت بھی موزون زمین کھوٹنے کے قمار بازی لگی ہیں۔

لہذا خالق کائنات نے ہر مذکورہ دم سے اور عضو تناسل کو غلغلوں پوشیدہ کیا
تا کہ ہر وقت نظر مرد پڑنے سے محفوظ رہے۔

انسان کو مثل دیگر حیوانات کے نہ قوم کی ضرورت ہے نہ غلغلوں کی۔ بلکہ حضرت غلغلوں ثابت
ہو چکی لہذا محاسن حیوان کی وجہ سے جس قدر غلغلوں تھا اسکے قطع کا بھی حکم ہوا۔
اب ہم اس مقام پر ایک بہت بڑے محقق کی رائے لکھتے ہیں اسکی تصنیف کو تمام عالمین

فن جزا ہی بڑی وقت سے دیکھتے ہیں۔ اسکی سرجری تمام یونیورسٹیوں میں بطور فن داخل ہے اور وہ ڈاکٹر اور کمپن ہے۔ یہ ختنہ کے بڑے موئید ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہمارے ملک میں اگر مذہبی طور پر ختنہ کرنا نہ ہو اگرے تو رواجی ہی طور پر شروع ہو جاوے تاکہ ہر اون فائدات سے بچیں جو ختنہ نہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھیے انا بڑا کامل فن جزا ہی ختنہ کا کس قدر حریف و موئید ہے صحت اسکے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ کیا کیا مضر ہیں ختنہ نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں کہ جبکہ علاج سے عاجز اگر ڈاکٹر موصوف نے ختنہ کرنے کی ایسی تناسلہ کی یہ امر بھی خاص ہے کہ جماع میں ایک قسم کا خطا اور لذت پوشیدہ ہے جسکے باعث سے انسان جماع کا یہ نہیں پایا جاتا ہے اور اگر لذت نہ ہوتی تو والدہ تناسل میں (کہ جو خاص مشائے قد شے) فرق آتا اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ لذت جماع حشفہ کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہے مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خلفہ اسقدر تنگ ہو جاتا ہے کہ بوقت جماع اوپر کو نہیں چڑھ سکتا جس سے لذت جماع محسوس نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جسکو لذت جماع محسوس نہیں ہوتی جماع میں کہ بلکہ اس عمل کو عیبت سمجھ کر ترک کر چاہتے ہیں وہ نسل کا سلسلہ جو اس سے دیا میں قائم ہو نہ کر سکتا ہے اور نہ ہی بجا ایسا شخص اگر ختنہ نہ کر لے تو گویا اس سے قدرت کا ایک بہت بڑا انتشار روکنے کا ارتکاب کیا اور ہرگز وہ شخص اس جرم سے بری نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے اس نسل کا سلسلہ جسکی تعداد معلوم نہیں ہے بالکل نیک و مرض سے فارغ ہو گیا وہ میں جو بظہیرین مریض کو ہوتی ہیں اور معالج کو دقیقین پیش آتی ہیں اسکا لطیف مریض اور معالج دونوں کے دل سے پوچھنے آخر کو یہی انجام ہوتا ہے کہ ختنہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہاں اس ختنہ میں بھی کیا کیا دقیقین پیش آتی ہیں اور مریض کو کیا ایسا ظہین برداشت کرنا پڑتی ہیں اگر ختنہ ہو چکا ہو تا تو ظاہر ہے کہ آشک و غیرہ کے زخم میں یہ دقیقین بوقت علاج نہ پیش آتیں نہ مریض کو نہ معالج کو اچھا اگر فائوسس نہ بھی ہو تو یہ امر کیا کم ہے کہ ایسے کیفیت زخم جو آشک کے باعث سے ہوں اس کے علاج میں خلفہ کس قدر عاجز ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر بھی اثر زخم و مادہ کیفیت ہو چکا کہ زخم وغیرہ پڑ جاتے ہیں اور اس وقت یہی ختنہ کرنا پڑتا ہے۔

والفعا ختنہ کرنا کوئی فضول نہیں ہے نہ رواجی طور پر اسلام میں داخل ہے نہ بلکہ جہلان پر حکم شارع علیہ السلام کا حکمت سے بھرا ہوا ہے وہاں ختنہ میں بھی

ہزاروں مصالح حکمیہ ہیں۔

بچوں کو اکثر بوجھنکی غلفہ از حد تکلیف پہنچتی ہے۔ جو گاہی غلطی کا ہے خارجی و عارضی طور پر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے ہمیشہ خود ایک بچہ کا حال دیکھا ہے کہ جبکہ غلفہ میں بسبب ضرب کے اس قدر ورم ہو گیا تھا کہ پیشاب بند ہو گیا یہاں تک کہ قریب بہ ہلاکت پہنچا جس کا نتیجہ اکثرینہ سمالت مجبوری اسی وقت ختم کر دیا حقیقت میں اس عضو خاص کو بھی حق تعالیٰ نے کس قدر نازک بنایا ہے۔ چنانچہ اسکی نزاکت پر لحاظ کو کہ قدرے کیسا انتظام کیا ہے فرج زن کے اندر جو پردہ ہے وہ کیسا نرم اور نازک اور لعاب دار ہے اور پھر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ جب فرج زن میں دخول ہوتا ہے تو وہی ایک مرتبہ کے دخول و خروج میں ایک رطوبت پھیل سے خارج ہونے لگتی ہے۔ تاکہ دخول و خروج میں وقت نہ ہو اور حشفہ پر صدمہ نہ پہنچے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عضو بہت ہی نازک ہے جسکی حفاظت کے لیے قدرت نے ہر قدر احتیاط فرمایا ہے پس ایسا نازک عضو ظاہر ہے کہ ضرب وغیرہ سے بہت جلد متاثر ہو جاوے گا جس سے بہت جلد غلفہ میں ورم پیدا ہو کر راستہ پیشاب کا بند ہو کر آدمی کو تکلیف دے گا اور جب تک ورم دفع نہ ہو گا تو اس کا ختم کرنا پڑے گا۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ جب یہ عضو ایسا ہی نازک ہے تو پھر ضرور ہو کہ کمزیر احتیاط حشفہ غلفہ سے پوشیدہ رہے تاکہ خارجی صدمات کا اثر نہ پہنچے۔ یہاں پر تین امر قابل لحاظ ہیں اول یہ کہ جب غلفہ سے حشفہ پوشیدہ رہا تو جو کچھ صدمہ پہنچے گا اول غلفہ پر جو ورم ہو کر راہ بول مسدود کر دے گا۔

دوسرے جیسا اوپر بیان ہوا کہ اگر حشفہ ہر وقت محفوظ رہے گا تو اس میں استعداد قبولیت امراض زائدہ ہے گی۔

تیسرے جب ورم پیدا ہو گا تو چونکہ بسبب غلفہ کے اول تو خود ہی صفائی پورے طور پر ناممکن تھی دوسری وجہ ورم کے قطرات بول سے خلافت اور بھی پیدا ہو کر ورم عفونت اور زخم پیدا کر دے گی جس کا اس وقت مقدم علاج ختم کرنا قرار پاوے گا یہ امر بھی قابل گذشتہ ہے کہ اگر کسی شخص کا غلفہ اس قدر تنگ ہو قدرتی طور پر خواہ بسبب عارضہ کے کہ جو اوپر ہم چڑھ سکتا ہو۔ تو ایسا شخص ازالہ بکریمہ قادر ہو گا بلکہ عام طور پر بھی جماع میں تکلیف ہو گی وجہ اسکی یہ ہے کہ جب شخص مذکور ارادہ دخول کر لیا تو اسی حالت میں

غلغہ ضرور اور بڑھنے کی کوشش کرے گا جو بوجہ تنگی کے ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بدولت کی سی قدر ضرور کے انجام نہیں پاتا اس ایسی حالت میں نتیجہ اسکا شقاق غلغہ ہوگا جسکی لذیت سے ماہ بھی جاتی رہے گی اور ازالہ بکری بھی ہو سکے گا۔

دوسرے رشتہ دار دیہیسیں، ایک قسم کا سرطان ہے جو اکثر حشفہ پر دیکھا جاتا ہے حقیقت میں یہ مرض نہایت سخت ہے مگر اسکے بلی علاج میں بہت غلغہ کے سخت دشمنین واقع ہوتی ہیں۔

اس سوزش حشفہ، یہ بھی ایک مرض ہے کہ جسکا سبب عدم صفائی حشفہ اور تنگی غلغہ اور دیگر اسباب بھی قرار دیے جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ سبب غلغہ کے صفائی حشفہ کا عدم نہیں ہوتی خصوصاً جب تنگی غلغہ بھی ہو جس کا ہر ہے کہ جسکا حشفہ نہیں ہوا ہے۔ وہ ہر وقت اس مرض کے کوہنے کے لئے تیار ہے۔

علاوہ برین جب کوئی شخص سوزش حشفہ میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ تنگی غلغہ بھی ہو تو ایسی حالتیں غلغہ پر ذیل یا زخم ہونے کا قوی احتمال ہے اور بکثرت ہو بھی جاتا ہے۔ اور پھر اسی پر موقوف نہیں بلکہ غلغہ حشفہ سے سبب سوزش و زخم وغیرہ پیدا بھی ہو جاتا ہے جسکا علاج ختم کرنے پر سبب بغیر اور زخموں سے نہیں ہو سکتا اور اگر ختم نہ ہو تو قریب بہ حال تو ضرور ہے۔

یہ زخم حشفہ، اس عنصر پر دو قسم کے زخم ہوتے ہیں ایک سادہ دوسرے خاص سادہ قسم کی است ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ اسکا باعث بھی عدم صفائی و تنگی غلغہ ہے بلکہ خود تنگی غلغہ کا سبب اگرچہ مادر زاد بھی ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ مرض اکثر بہ سبب سوزش و زخم حشفہ ہوتا ہے جسکا مقدم سبب عدم صفائی حشفہ ہے گا ہے۔ بہ سبب آتشک بھی ہوتا ہے۔ مگر اوس میں سبب عدم صفائی اندمال زخم میں وقت جوتی ہے یا بوا امولار تنجیہ اگر جوتی کلکتہ یونیورسٹی اسٹینٹ سرجن ٹامسن ہاسپٹل آگرہ و مدرسہ جرجی مدرسہ طبی آگرہ، انہی کتاب و پراکٹس آف سرجری، و دوسرے ذکر میں جہاں تنگی غلغہ میں ختم کا ذکر ہے تحریر کرتے ہیں۔

کہ نواید اسکے یہ ہیں کہ حشفہ آسانی صاف ہو سکتا ہے اسوجہ سے غلغہ کے قطع ہو جانے کے بعد امراض شہوانی و نفسانی بہت کم ہوتے ہیں بھی سبب ہے کہ مسلمان لوگ اس قسم

کے مرضوں میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں۔

۱۱۔ فالوئرس، یہ بھی ایک قسم کی تکی غلفہ ہے۔ ایک قسم اسکی یہ ہے کہ بوجہ تکی کے غلفہ اور نہ چڑھ سکے اور یہ وہ قسم ہے کہ جسمین بوجہ تکی کے حشفہ پر سے غلفہ ہٹے نہیں اور ترسکتا۔ اسباب اسکی جسمین میں بوقت صاف کرنے غلفہ کے جوانی میں اکثر بسبب جلن۔ یا اکثر پہلی مرتبہ مباشرت کرنے میں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ درد اور تکلیف بہت ہوتی ہے۔ حشفہ پر درد اور اجتماع خون اور اکثر جس بول دیکھنے میں آتا ہے۔ آخر کار وہ عنق حشفہ پر زخم ہو جاتا ہے یا محل سڑ کر حشفہ گر جاتا ہے اب ذرا انکم کمول کر غور کیجیے کہ غلفہ کے ہونے سے کیسا ظرابی پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۔ برنیر پوس ایلیس، اس مرض میں غلفہ اور حشفہ پر پھپھیان نمودار ہو جاتی ہیں جنہیں از حد کھلی چوٹی ہے اور بعد پھوٹ چلنے کے زخم ہو جاتے ہیں اسکا سبب بھی منجملہ اور بہا پ کے عدم صفائی ہے۔

پس جبکہ غلفہ مانع صفائی حشفہ ہے جس سے بکثرت امراض پیدا ہوتے ہیں جن میں سے چند مرض چنے لکے ہیں ذکر ان امراض کا مفصل اپنے مقام پر کتب طبیہ میں موجود ہے۔ لیکن اسبقدر بیان سے پورے طور پر واضح ہو گیا کہ غلفہ باعث امراض ہلکہ موذیہ ہے۔ اور ختم کرنے سے ان امراض کی پوری پوری ردک ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیسا شریعت ہے اور کیا پانی شریعت ہے اور کیسا رحیم و کریم ہمارا خدا ہے کہ ہمارے ہی فوائد جسمانیہ و روحانیہ کی غرض سے ہمارے حفظان صحت کے قواعد بتاتا ہے جسمین ہمارے ہی نفع ہے۔ اور پھر اود قواعد کے برتنے اور عمل کرنے پر ہمارے اجر و ثواب جو دار آخرت کے متعلق ہیں عطا فرماتا ہے۔ یہی اوسکا فضل ہے پھر امر شرعی ہمارا حکمت و عقل سے کوٹ کوٹ کر ہیرا گیا ہے۔ اگرچہ دشمن عقل و انصاف اسکو باور نہ کریں اور اپنے نقیب و ہمت و حرمی سے انکار ہی کرتے رہیں۔

ختمہ زنان

اب ہم ختمہ زنان کے بابت لکھتے ہیں۔ چار بے بعض اکابر کینڈرمت یا برکت میں فقور لاء عرصہ ہوا کہ ایک مسئلہ ضلیع باندہ سے آیا تھا اور ہم نے اوسکا جواب لکھا تھا اوسکی

۱۔ مقام پر درج کئے دیتے ہیں مع ثبوت سے اندازہ کے۔

(سوال) ختنہ انعام کی یہ عبادت بدو واقع ہو کہ ختنہ پسر واجب ہے اور ختنہ دختر سنت ہے یا غلط۔

(جواب) ختنہ پسر واجب ہے اور ختنہ دختر مکرمات ہے اجماعاً۔

(سوال) بصورت صحیح ہونے کے وہ حدیث صحیح معترجمہ زبان اردو نقل فرمائی جاوے جسکی رو سے اس مسئلہ کی سنت ہونے پر استدلال و اعتقاد کیا جاتا ہے۔

(جواب) چند حدیثیں ختنہ زن میں مروی ہیں مہملہ اونکے۔

ایک وہ حدیث ہے جو کتاب تہذیب الاحکام میں، امام جعفر صادق علیہ السلام مروی ہے کہ فرمایا اون جناب نے۔ جب زمانہ مکہ نے ہجراہ رسول خدا امدینہ کو ہجرت کی تھی اون عورتیں ایک عورت ام حبیبہ، مہملہ تھی جس نے اپنی لڑکی کا ختنہ کیا تھا۔ بعد ہجرت ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام حبیبہ سے، فرمایا کہ کیا انت بھی تو وہ عمل کرتی ہے جسکی تو عادی تھی ہے

ام حبیبہ نے عرض کی ان یا رسول اللہ! ایک مین عادی ہوں مگر یہ کہ اگر آپ نے حرام فرمایا ہوا اور حکم فرمادین۔ اوس وقت البتہ ترک کر دو تھی حضرت نے فرمایا انہیں بلکہ حلال ہے۔ بعد اسکے حضرت نے ام حبیبہ کو قریب طلب کر کے طریقہ ختنہ زن تعلیم فرمایا اور شاد کیا کہ اے ام حبیبہ! سچ سے قطع کر کے استعمال کرنا بلکہ نے اجماعاً قطع کرنا کیونکہ یہ مامحت آبرو سے زمانہ ہجراہ موجب مسئلہ اوشوہران الحدیث۔

دوسری حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کان حبیبہ نا پسر کا اور اس کا ختنہ کرنا ساتوین روز سنت ہے۔ اور عورتوں کا ختنہ کرنا جسکو (حفظ کہتے ہیں) مکرمات ہے اور سنت نہیں ہے۔ اور کون چیز بہتر و افضل ہے مکرمات سے۔

(سوال) پھر اس امر کیوجہ ارشاد ہو کہ شایع علیہ السلام نے وزیر حملہ طافان شریعت حقہ اثنی ائمہ خصوصاً علیہم السلام نے اس سعادت سے کیوں اجتناب کیا۔ اور علامہ اہل حق نے مومنین کو اس سنت کی طرف ترغیب و تخریب کیوں نہ دئی۔ اور خود کیوں اوپر عامل و کار بند نہ ہوئے۔ اگر کہیں آنحضرت کا غسل ثابت ہو تو اونس کا عثمان دیا جاوے۔

(جواب) اگر اجتناب ہوتا تو یہ حضرات کیوں حکم دیتے اور چونکہ ختنہ دختر واجب نہیں ہے سنت مکرہہ ہے کیونکہ بروایت من لا یخضر الفقیہ ۱۱۱۱ قال علی علیہ السلام مکرہا کی ان لا یخضر الفقیہ المرءة ما الریح فی فلابد منه ۱۱۱۱ یعنی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ کچھ مسیح نہیں اگر عورت کا ختنہ نہ کرو۔ مگر مرد کا ختنہ کرنا ضرور ہے ایسے کہ اوہین فایدہ کثیرہ میں بخلاف ختنہ زن کے اس میں اس قدر فواید نہیں۔ اور عملی نظیر کا نہ پایا جسا نا اکثر اسکے سبب ہوتے ہیں۔

(۱) ممکن ہے کہ یہ فعل مفعول امت سے ہو اور یہ حضرات اس فعل کے مکلف ہی نہ ہوں۔
(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اس عملی نظیر کی جیسے حکایت در روایت ہی نہ کی ہو۔
(۳) ممکن ہے کوئی روایت جو جاری نظیر سے نہ گزری ہو۔

اور شرعاً ثبوت احکام میں تنہا قول معصوم کا ختم ہے یہ ضرورت نہیں ہے کہ ثبات مسئلہ شرعیہ میں عمل معصوم کو جتنا تک نہ دیکھیں حکم دین۔ جیسا کہ اکثر مسائل شرعیہ محض قول معصوم سے ثابت ہوئے ہیں۔ اور قول معصوم اوسط ہے جو ہے جس طرح سے منہ معصوم صحیح ہے۔ الغرض خدا سے دین کا کسی امر میں زیادہ کدو گوشش نہ کرنا اس امر کی اہمیت و استحسان کو دفع نہیں کرتا ہے اگرچہ عرب میں ختنہ دختر کا رسم اس وقت تک ہے بلکہ عرب میں عرصہ سے جاری تھا۔ جیسا کہ امام بیہقی کے قول سے استنباط ہوتا ہے۔ کیونکہ امام بیہقی کے حکم شرعی سے ناواقف تھی اس وقت سے وہ ختنہ دختر کی عادی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل مسدود حکم شرعی یہ رسم جاری تھا جیسا کہ ختنہ زن کو حصہ کہتے تھے۔ اور یہ قماروس میں لکھا ہے ۱۱۱۱ وخففت البجاریۃ لخنن الفلامر خاص بہن ۱۱۱۱

(سوال) اگر بیاں مسعود استہزاء مخالفین و توہین شرفائے مہنین علماء اسلام نے احیائے سنت ختنہ دختر سے اعراض کیا تو ایسا ایک مسئلہ جو خلاف فطرت انسانی ہو اور انسان کو اس پر عمل کرنے سے قدرتا شرم معلوم ہوتی ہو مقدس مذہب اسلام میں جسکے تمام قوانین و احکام مطابق عقل اور فطرت انسان کے قطعی و مسلمون سے ثابت کیے جاتے ہیں کیوں روا اور مستحسن عقل ہو سکتا ہے۔

(جو اب جو امور شرعیہ میں اوغین چند جانوں کے مسخر و استہزا کا خیال دیندار لوگوں کو نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس طرحی حسنہ کی ترویج ہندوستان میں بعض ایسوجہ سے نہ ہوئی کہ ترک میں اسکے زیادہ مضرت نہ تھی اور بنا بر ارشاد جناب امیر علیہ السلام عدم مضائقہ کے خیال سے ترک کیا۔ اور کتب فقہیہ و اخلاقیہ میں علمائے کرام نے تحریر فرما دیا ہے جس کی کوئی توفیق نیک عمل حسن کی ہوا و سکون کی بن پر مخالفت نہیں فرمائی ہے۔

اب رہا خلاف فطرت انسانی ہونا۔ اور اس عمل سے قدر تا شرم کا اتنا۔ یہ دونوں امر مہل ہیں۔ مخالفین اسلامؐ بجز یہود کے، مفسدہ مرد بے کو کب موافق فطرت خیال کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ جو رسم جاری ہے نہ ہوا و سکون بالکل خلاف فطرت و شرم ناک خیال کریں گے۔ شرم کا اتنا بھی ایسوجہ سے ہے کہ رسم اسکا نہیں ہے۔ حالانکہ رن و مرد و شرم و حیاء میں بون برابر ہیں۔ اگر مفسدہ زن موجب شرم ہے تو مفسدہ مرد بھی باعث شرم ہوگا۔ پس اس حیاءے حیوانی کے خیال سے کسی امر مفید کو ترک کرنا بجز حیوانیت کے اور کیا ہے۔ واضح ہو کہ حیوانی دو قسم ہیں، ایک انسانی، دوسری حیوانی۔

حیوانی انسانی وہ ہے کہ عقلی ضرورت سے ناشی ہو یا ناموسی ضرورت سے۔ ایسے اکثر شرم و عقل میں تلام ہے۔ اور انی نون کے برخلاف جو شرم و حیاء جو خواہ رواج سے ناشی ہو یا خواہش سے، یا غصے، خواہ تکبر و دشمنی سے وہ سب حیاءے حیوانی ہیں اور قابل خدمت کے نہ تعریف کے۔ مثلاً کسی عورت کے سینہ میں کنکریں ہوں اور علینہ منہ سے ہو جاوے حکیم کے دیکھنے پر۔ اور وہ فرط شرم سے اپنا رخ ناگوارہ کرے اور سینہ اپنا چھپا کر نہ دکھائے۔ یا اسطرح اگر شرمگاہ میں کوئی بیماری ہو یا شرم کے مارے پہلے شوہر کے بعد کسی سے عقد نہ کرے۔ یا مرد اپنا رخ ناگوارہ کرے مگر کسی کے ہاتھ سے احتقان لینا گوارہ نہ کرے تو یہ سب حیاءیں حیوانی ہیں۔ اور قابل خدمت نہ قابل تعریف۔ اور اسطرح عورتی صفات میں ایچہ اور جتنے عیب ہیں برے ان سبکی جانج عقل سے ہے۔ اور کسوٹی انکی گہری کھوٹے ہیں کی عقلی مصلحت ہے پس جبکہ مفسدہ زن میں ضرورت ناموسی و عقلی دونوں ہیں لہذا شرم اس سے حیاء حیوانی قرار پاویگی۔ علاوہ اسکے احکام شرعی بقدری میں اکثر اوغین وہی حسن عقلی ہے کہ جو حکیم و طبیب کے تجویز کر دینے سے فقط حکم بجالا کر لے لے عقلی امور کرتا ہے۔ پھر اس عقل سے کام لینا جو ناقصہ ہوا اور ہمیشہ ہر امر میں اشتلا

مکرتی رہے ایسی عقل سے کسی حکم الہی اور شریعت نبوی کی لم دریافت کرنا بالکل غلط
عقل ہے۔ جیسا کہ حضرت جبریلؑ کا امام حسینؑ کا ان چھیدنا۔ اور بعد ولادت پسر کا
کان چھیدنا بظاہر بالکل مبث ہے کیونکہ فطرت مرد کی مقتضی اسکی نہیں کہ وہ بالی پسپہنے
مگر مص تر بن کے واسطے مستحب قرار دیا ہے۔ اسبطر سے عادات عرب دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ مردان عرب عورت مخونہ پر زیادہ راغب ہوتے تھے۔ اور رغبت
و میلان موجب قوت باہ ہے اور اسکا نتیجہ تولد و تناسل ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے
مخونہ کی کو زینت سمجھتے تھے عورت کیواسطے اسوجہ سے اس رسم کو جاری رکھا اگرچہ طبایع
اہل ہند اسکے خلاف اور وہ اسکو مب و نقص خیال کریں۔ لیکن جسم بدو و توفیق الہی
نواہ عقلی کو متغیر زن کے بھی لکھ کر یہ دیکھانے دیتے ہیں کہ چھوٹا سا چھوٹا مسئلہ بھی ہماری
شریعت کا عقل کے خلاف نہیں ہے اگرچہ عقل ہماری دریافت کنہ میں قاصر ہو ہم جس
ملت ابراہیمی پر مبن ضرورہ عقلی ہے۔

خداوند کریم سورہ بقرہ میں خود فرماتا ہے (اور کون ہے جو نفرت کھائیگا ابراہیم کے مذہب سے
مگر جو احمق بنائے اپنے تئیں۔ حالانکہ ضرور چن لیا تھا او سے چنے دنیا میں اور بے شبہ
آخرت میں بھی وہ اچھو نہیں ہے) خدا نے مخالفت مذہب ابراہیم کو احمق قرار دیا ہے
اسمقام سے صاف ظاہر ہے کہ ملت فطرت ابراہیم عقلی ہے جب تو اسکے خلاف کرنا قحط
نہرا۔ اور ضرور یہی تعلیم الہیت رسالت ہے کہ طراز دار دین خدا کے تھے۔ مہین بہت
اچھی طرح سے معلوم ہے کہ مذہب حق عقلی ہے۔ اور اسی نے علم کلام و اصول فقہ میں ہمارا
بیان ہوا ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی ہے۔ اور اسوجہ سے کتاب کافی میں منقول ہے
کہ حضرت جبریلؑ جب حکم خداوند جلیل ہدیہ عقل دیا و ایمان حضرت آدمؑ کے پاس
لائے اور حضرت آدمؑ نے عقل کو چن لیا۔ اور حضرت جبریلؑ نے عیا و ایمان کی بابت
عیانت کیا اور ان دونوں سے فرمایا کہ پھر چلو۔ تو انھوں نے عرض کی کہ ہمتو عقل کے
خادم میں اوس سے جدا نہیں ہو سکتے۔

اور اسی نے جناب امیر نے فرمایا کہ عقل و شریعت جڑ و ان بنین ہیں۔

اور فرمایا کہ شریعت عقل ظاہری ہے اور عقل شریعت باطنی۔

اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جمیع خداداد چیزیں ہیں ایک ظاہری

کہ وہ پیغمبر و رسول ہیں۔ دوسرے باطنی کہ وہ عقلین ہیں۔

اور اسی کیے مستفیض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جسکی عقل ٹھیک نہ ہو اسکی غاڑ اور نوذ سے اور کسی یک کلام اعتبار نہیں۔ اور اسی لیے علم اصول فقہ میں یہ کلیہ لکھا ہے کہ جو حکم کر سنے گی اس میں حکم کر لگی نقل اور بالعکس۔ اور اسبوجہ سے عقاید اور اصول دین میں اہم سرگز اپنے اعتقاد کا عقل کو قرار دیکر آیات مجسم و دیگر اور انہو کے کہنگار ہو چکی تاویل کر دیتے ہیں۔

اور مدار اس عقل کا مثل ہمارے دین کے برہان پر ہے۔ چنانچہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے
عقل کا قتل ہاں تو بوجہ ان کے کہ انہو کا عقیدہ تھا کہ عقلیں، لاؤ تم اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ پس کوئی اس عقل و سفر کی برہان و دلیل ہے کہ اسکی وجہ سے اس عقل خالص کا امتیاز ہو جائیگا ہے اس

عقل سے کہ جس میں وہم و خواہش یا فصد یا رولج و فطرہ کا لوٹ ہو اور یہ عقل قطعی ہے اور یوں عقل کی عقل لاتی ہو کہ جو غیب کے جیسے میں بیکار ہے اور میں سے فرق ہمارے مذہب کا حکیموں کے

مذہب کے غایب ہو تا ہے۔ مہر کف ہوا ہے ہمارے مذہب حق کے دنیا کا کوئی مذہب یہاں شک کہ ہرگز مذہب ہی عقل نہیں اور دین خدا کا عقلی ہو تا ضرور ہے اسلئے کہ اسکی تخلیف آدمی کو ہے۔ اور آدمی کے

کئے میں عقل پڑی ہے اور عقل ہی کی بدولت اسے امتیاز اور حروفون سے ہوا ہے تو اسی عیسر عقلی مذہب دنیا دیا ہے تھا جیسے کوئی حبشی سے کہے کہ تو کیسے سے رگڑ رگڑ کے پر اسنہ سفید

براق اور گورا چٹا کرے۔ حالانکہ یہ محال بات ہے۔ پس اگرچہ کسی کی تم ہمارے عقلی خود دریافت کر سکتی ہو لیکن اسکا عقلی ہو تا ضروری ہے۔ چنانچہ فتنہ زمان میں بھی فائدہ

عقلی موجود ہے اب کچھ ہم کہتے ہیں اسکو یہ نظر انصاف ملاحظہ کیجئے۔

بظہر بصرہ اس عضو کو عورات میں شہوانی لذات کا آرزو سمجھنا چاہیے اس کی ساخت قریب قریب تنقب مرد کے ہے۔ چونکہ یہ عضو عورات کا آرزو ہے۔ اسلئے خیالات و تصورات

و ملا سکتے اس میں اتفاق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ طول اسکا ہر عورت اور ہر مسل میں مختلف ہے چنانچہ بائیں بائیں جو جہر المثلث کا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں جبکہ یہ عضو اس قدر دراز ہوتا ہے

و داخل مرد کے عورتوں نے حمل کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت جو نکو مشمول تھی اسلئے اسنے چند بار کہ عورتیں فکر رکھی تھیں اور اسنے مثل مردوں کے جماع کرتی تھی یہ مختصر کیفیت

اس عضو کی بیان ہوئی اس میں چند امر قابل بیان ہیں اول۔ یہ کہ جب یہ عضو اس قدر دراز ہو گیا تو ظاہر ہے کہ قدر طریقین کو جماع میں دقت واقع ہوگی۔ اسلئے

کہ چہ انگشت یا پانچ انگشت کی درازی ضرور سوراخ فرج کے لیے عاجب ہو سکتی ہے جس سے دقت جماع ظاہر ہے اب اگر اسے حاملین (بطر) میں بھی الفاظ واقع ہو گیا ہو تو بین اور بھی دقت ہے اور مرد کو ادخال قضیت میں دقت اور عورت کو الفاظ دور کرنے کی ضرورت واقع ہوگی اور ایسی حالت میں ان خیالات کا فرو کرنا بہت مشکل ہے اور جو کچھ ایسی حالت میں واقع ہوں گی وہ ظاہر ہیں۔

دوم۔ سوقت میں کہ (بطر) استقدر طول ہے تو اب اگر کوئی مرض فرج میں ہے تو بسبب قریب ملاستے اور اسکا اثر بہت جلد (بطر) تک پہنچ سکتا ہے۔ جو دوائے شانہ اور دوائے بزرایاں نایون کے جو گردے سے شانہ میں آتی ہیں گردے تک پہنچ کر درد گردہ یا دیگر امراض مثل دوم۔ سوزش۔ شانہ۔ اگر درد یا نایون میں جو گردے سے شانہ میں آتی ہیں خراشیں اور درم پید اگر کہ حرقت بول۔ بول الدام۔ اور زخم وغیرہ ہونا بہت جلد ممکن ہے۔ یا اگر کوئی عورت بتلا سے سوزاک ہو تو اسے ملاستہ خربکے سبب اندرون فرج سوزش حادثہ میں اور درم وغیرہ ہونا بہت جلد ممکن ہے۔ اور جو خرابیاں ان اور ام و سوزش کے ممکن ہیں محتاج بیان نہیں۔ کیفیت انکی مفصل کتب طہیہ میں موجود ہے جسکا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ عورتیں ہمیشہ کے لیے (باجی) ہو جاتی ہیں یا اور احیض اور وقت جماع بلکہ بوقت بول۔ بلکہ اکثر اونٹنے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

سوم۔ قطع نظر ان سب کے جلق ایک ایسا فعل ہے جو مثل مردوں کے عورتوں میں بھی واقع ہے اکثری کتب میں بکثرت اسکا تذکرہ موجود ہے۔

عورتیں اکثر خاص قسم کے آلات نالیتی ہیں اور فرج میں داخل کر کے اپنی خواہش دفع کرتی ہیں کہ یہ قسم بھی جلق میں داخل کی گئی ہے۔ مگر ہم بیان کر سکتے کہ کرنا نہیں چاہتے ہم اس مقام پر صرف اس فعل سے بحث کریں جو متعلق (بطر) کے ہے بعض عورتیں جنکا (بطر) بڑا ہوتا ہے انکو تو کچھ وقت ہی نہیں ہوتی۔ لیکن بعض عورتیں جنکا (بطر) چھوٹا ہوتا ہے وہ جلق کرنے کے لیے (بطر) کو پیچ کینچ کر بڑا لیتی ہیں اور جلق کرتی ہیں۔ یا بعض عورتیں جنکا بیان اور گندہ چھاپا ہے عورتوں نے مثل مرد کے جماع کرتی ہیں۔ ہمارے بعض ناظرین حیرات میں جلق پسند کر متعجب ہونے لگے ہیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک مشہور ڈاکٹر لکھتا ہے کہ میرے پاس ایک تہ متعدد عورتیں آئیں جو سب جلق پسند تھیں۔

اور ایک عرصے سے یہ عادت اونہیں مل جاتی تھی۔ مگر انہوں نے ایک کتاب میں اس کے نقصانات دیکھ کر میری طرف رجوع کیا۔ اور میرے سامنے اقرار کیا۔ اس کے بعد اس نے لکھا ہے کہ کہنوس میں نے بہت سی عورتیں ایسے دیکھی ہیں جو جلیق کی وجہ سے کوریاء، (ایک رطوبت کا رحم سے خارج ہونا، دوران وغیرہ میں جہاں یہ رطوبت لگ جاتی ہے جلن اور خراش پیدا ہوتی ہے) ریڑھ کا درد۔ اعصابی درد۔ پشت کا درد۔ اعدام نہانی کے بیرونی حصہ میں درد۔ وغیرہ وغیرہ میں مبتلا تھیں۔ اور خود اونہوں نے میرے سامنے اس کا اقرار کیا۔ اور جب میں نے بتلایا کہ یہ صرف اس کے ایک فعل یعنی جلیق کا نتیجہ ہے تو اونہیں از حد تعجب ہوا۔ ایک اور مشہور ڈاکٹر لکھتا ہے۔ کہ جلیق جس طرح مرد و عورتوں میں ہے اوس سے بڑھ کر مستورات میں عام ہی نہیں۔ بلکہ عالمگیر ہے۔

ڈاکٹر وورڈ نے ایک عورت کا ذکر کیا ہے جو سخت جنون کے مرض میں مبتلا تھی حالت بہت خراب تھی چہرہ زرد۔ اور پست و استخوان رہ گیا تھا۔ ایک روز حسب اتفاق وہ کیمپدر ہوش میں تھی میں نے موقع پا کر اوس سے جلیق کا ذکر کیا اور اس کو غیبہ کیا کہ اگر وہ مہلوق ہے تو میرا زچہ میری بیوی کی چنانچہ اس نے اقرار کیا کہ وہ اس بد عادت میں مبتلا ہے اور اس نے اس فعل کو ترک کیا اس وقت سے وہ ابھی ہوئی گئی اور چند مہینہ میں بالکل مرض دفع ہو گیا۔

ڈاکٹر گورڈ نے اپنے لکچر و عین اس کی نسبت بہت کچھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قریب آٹھ سال ہوئے اس وقت سے مجھے ایک طبی کتاب دیکھ کر اس طرف توجہ ہوئی جس میں میرے جنس مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مجھے متواثر شہادتیں ملتی رہیں کہ یہ عادت بد نہایت خوفناک طور پر عورتوں میں پھیلی ہوئی ہے اگر یہ بدی صرف غربا میں ہوتی تو اتنا تعجب نہ تھا۔ مگر ہمساروں امیروں میں اور شریفوں میں بکثرت موجود ہے جو سوسائٹی کا فریب بھی جلتے ہیں اس کے بعد اونہوں نے ایک امیر اور شریف عورت کے خط کا خلاصہ درج کیا ہے جو سبب جلیق کے مختلف امراض میں مبتلا تھی اور جس نے اسے ہذیبہ تحریر اپنا علاج چاہا تھا اس کی نقل ہر سے طور سے ہم درج کرنا عین چاہئے صرف اس قدر کہتے ہیں کہ یہ عورت ایسے سخت امراض میں مبتلا ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ بعض اوقات ان امراض سے تنگ آ کر میرا دل چاہتا ہے کہ میرے لانگ میں شے جو دریا بہتا ہے اوس میں

کو دھڑون۔ اور اس طرح اپنی جان دیدون۔

اب یہ امر بھی بطور اختصار بیان کرونا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جلتی سے کیا کیا امراض پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ۔

اختلاج قلب۔ جنون۔ اختناق الرحم (ہسٹریا) آواز کا کم ہونا۔ طاقت کا زایل ہو جانا۔

پرخیزی۔ درد سر۔ بے قاعدہ اور بے سبب درد چہرہ کا زرد رنگ ہونا۔ انکھوں میں حسرتہ۔

عصبی امراض مسیح۔ ورم رحم۔ رحم کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ بے قاعدگی حیض اور سترین

تخلیف۔ نفسانی قوا اور احصا کی کستی۔ اور آخر پیش قطعی بیماری۔ یہ سب جلتی کے

نتائج ہیں۔ اب یہ امر قابل لحاظ و غور ہے کہ بطرح مرد جلتی سے اپنی خواہش رفع کر لیتا

اور اس طرح عورت بھی۔ خواہ بذریعہ جلتی خواہ عورتوں ہی سے۔ پس ایسی حالت میں جبکہ عورت

اسی طرح اپنی شہوت فرد کر کے گی تو اسکو کوئی ضرورت مرد کی باقی نہ رہے گی حقیقت میں یہ ہے

کہ ایسی عورتیں ہمیشہ مرد سے متنفر رہتی ہیں خصوصاً وہ جوان عورتیں جو عیوہ ہو گئی ہیں اور اپنی عزت

خاندانی۔ یا رسم ملک کے سبب سے دوسری شادی نہیں کر سکتیں۔ یا بعض عورتوں کی

طبیعتیں آزاد کی چاہتی ہیں اور شادی کر کے مصیبت میں مبتلا ہونا اور خاندانی داری کے

جھگڑنے اور شوہر کی اطاعت میں پھنسا پسند نہیں کرتیں وہ علی العموم عین مبتلا ہوتی ہیں

پس جب انہوں نے اس طرح اپنی خواہش رفع کر لی تو انکو مرد کی احتیاج باقی نہ رہی اور

بہت بڑا رخصتہ والد و تناسل میں واقع ہوا جس سے ایک غرض خاص قدرت کی قوت

ہوئی جاتی ہے۔ یا جن امراض کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں جو درازی تھیب اور جلتی سے

پیدا ہوتے ہیں ان سب پر لحاظ کر کے اگر غور تو کیا بھی غصہ کر دیا جاوے تو وہ یقیناً ان امراض

سے محفوظ رہیں گی۔ اور نیز اس اہم ضرورت والد و تناسل میں بھی نقصان نہ واقع ہو گا۔

پھر سب سے بڑا درد رازی (بطرح) میں نفسانی مقام خاص کی بھی اچھی طرح نہیں ہو سکتی کتب

طبیہ میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ سوزاک میں عورتوں کو ہائیمت مرد کے کم تخلیف ہوتی

ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ بطرح طول میں کم ہوتا ہے (اگر بطرح) بڑا ہو تو ضرور ہے کہ تخلیف بھی

زائد ہو جاوے۔ علاوہ اسکے سبب ورم کے جس کی بول بھی ہوتا ممکن اور بطرح درازی

(بطرح) کثیر، (قناطر) کے داخل کرنے میں بھی دقت واقع ہوگی۔ جس کی بول سے

جو نقصانات ہیں کتلج بیان نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں مثل جیش و حرب

وجہ کے (ظہر) طویل ہو تہا یہ ختنہ کی رسم جاری ہے اگرچہ اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر ہمارے ناظرین شاید اسے ہی بیان پر غور تو نہ کئے ختنہ کرنا کی ضرورت سمجھ لیں۔

زسواں و یہی ارشاد ہو کہ یہ سنت اسلام کے صرف ایک فرقہ یعنی مذہب شیعہ ہے میں مانی گئی ہے۔ یا فرقہ اہل تسنن بھی اس کا قائل ہے۔

(جواب) ختنہ نسائے حضرات اہل سنت کے نزدیک بھی مکرمہت ہے اور احادیث عہدہ اولہ کے شرعی سے اس باب میں وارد ہیں بیان صرف ایک حدیث پر انکفا کیجاتی ہے کہ نہ اعمال میں ممانہ مذکور ہے نہ الختنان سنۃ للرجال و مکرمۃ للنساء حمہ صحت و لد جہ بنعلیہ یعنی اخرجه احمد فی المسند حسن والد ابی اسیم۔

رضاعت پوچھے دوپینے کی مینا

انسان کی پرورش اور اس کی حیات کے قایم رہنے کے لیے جس میں جن چیزوں کی ضرورت ہے اس کے جسم میں داخل کرنے کے لیے خفقاتی نے جسم انسان میں آلات مقرر فرمائے ہیں ہر کام انجام دینے کے لیے ایک موصو خاص ہے بعض فعل کے انجام دینے میں چند اعضا ملکر کام کرتے ہیں۔ ہم بیان اور اعضا کے ذکر کو ترک کر کے صرف فعل مضیم کو ذکر کرتے ہیں اور اس کے بھی اس جزو کو جو صرف دانتوں سے متعلق ہے۔

انسان کے دہن میں جس قدر دانت ہیں ان کو آپ غور کر کے دیکھیں تو ان کی ساخت آپ مختلف پائے گا بعض چبھی جنکے اوپر کے کنارے باریک ہیں ان کی ساخت سے بخوبی آدھی ہو سکتا ہے کہ یہ دانت کسی شے کے کترنے کے لیے ہیں اور ہر شخص کو تجربہ ہو گا کہ اس قسم کا کام انہیں دانتوں سے لیا جاتا ہے۔ یہ دانت مسنے ہی ہوتے ہیں۔

اب دوسری قسم کے نوک دار۔ جو ان دانتوں کے پہلو میں واقع ہیں یہ دانت کسی شے کو چرے پھاڑنے کے لیے ہیں۔ یہ دانت علاوہ انسان کے اون جانوروں میں بھی پائے جاتے ہیں کہ جو گوشت کھاتے ہیں مثلاً شیر۔ بھڑیا۔ کتا وغیرہ۔ اس سے ثابت ہے کہ انسان کو بھی گوشت کھانے کی فطرنا ضرورت ہے۔

اب تیسری قسم دانتوں کی وہ ہے کہ جو ان دانتوں کے مضبوط اور چبھے ہوتے ہیں یہ دانت پہلو میں واقع ہوتے ہیں۔ ان دانتوں کی ساخت اور اس مقام کو دیکھ کر کہ جہاں یہ

نصیب ہیں بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ دانت چیزوں کے توڑنے اور پسینے کا کام دیتے ہیں
 چونکہ پہلو میں واقع ہیں اسلئے سخت چیز پر انسان بخوبی ان دانتوں سے زور لگا سکتا ہے۔
 اور اون جانوروں میں جو صرف گھاس کھاتے ہیں اس قدر دانت نہیں ہوتے جیسا کہ گائے
 بکری۔ ہرن۔ وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ جس قسم کی ضرورت جیسے
 اس کو ویسا ہی سامان قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ بچہ کی پرورش
 میں ان امور کا لحاظ ضرور ہے اسلئے کہ جب تک اونکے دانت نہیں نکلتے تو ضرور وہ محتاج
 دودھ کے ہیں۔ اتنے غرض تک دانت نہ نکلنے سے صاف ظاہر ہے کہ مشرق قدرت کا
 یہ ہے کہ بچہ کو سستال غذا دی جائے۔ جسکے لئے شیر مادر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس
 حالت میں چونکہ اونکے اعضا بچہ کمزور نظام حسی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے حتیٰ کہ
 در اسی بات میں سخت تحریک ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ اکثر وکلیاں اسلئے کہ بسبب فساد
 ہضم کے دودھ ہوتے نظر آتے۔ ایسی حالت میں ضرور لازم ہے کہ بچہ کے دودھ پرورش
 کا جادوے لیکن جس قدر کہ بچہ نین عظام کی ساخت مضبوط ہوتی جاوے اور کئی غنائین
 بھی تغیر ہونا چاہیے چنانچہ جب اونکے دانت نکلنا شروع ہوں تو ضرور علاوہ دودھ
 کے کسینڈر ٹائل غذا بھی دی جاوے۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اول آگے کے دانت
 نہ نکلتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ غذا دینے کی ضرورت بچہ میں پیدا ہو گئی لیکن
 ابھی وہ غنہ انہیں دیا جاسکتی کہ جسکو ہارنے توڑنے اور پسینے کی ضرورت ہے۔
 اگر ہم یہ کریں کہ غذای خارجی جسکی ضرورت بچہ میں اب پیدا ہو گئی ہے۔ نہ دین تو
 لامحالہ یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ بچہ کمزور رہیگا اور ظاہر ہے کہ جب بچہ کمزور ہوتا ہے اور
 ابتدائیں اولی پرورش اچھی نہیں ہوتے تو انکے اعضا کی ساخت پوری نہیں
 ہوتی۔ اور وہ ہمیشہ کمزور رہتے ہیں جس سے اولاد بھی کمزور اور مریض پیدا ہوتی ہے
 اور وہ خود بھی ہمیشہ ضعف ہضم۔ ضعف باہ۔ و دیگر حسی امراض میں مبتلا رہتے ہیں
 چنانچہ موافق تحقیقات جدید کے بچوں کو سال بھر کے بعد دودھ پلانے کی ضرورت
 نہیں اگر ضرورت ہو تو چودہ ہند رہ جینے بھی دیتے ہیں اور شریعت کے سوا دس سال
 تک اختیار قرار دیا ہے زیادہ دودھ پلانے سے مرض اور بچہ دونوں کے لئے مضرت
 اسلئے کہ بچہ میں جس قدر قوت آتی جاوے اور کئی حسی ساخت میں تبدیلیاں

واقعہ جو ن خد امین بھی تبدیلی ضرور ہے علاوہ اسکے پھر دودھ بھی اچھا نہیں رہتا کہ جسکے باعث سے مختلف امراض کے پیدا ہونیکا احتمال ہے۔

عورت کے پستان و رحم سے ایک خاص علاقہ ہے اگرچہ ہمیشہ نہیں لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب تک عورت دودھ پلاتی ہے حیض نہیں آتا۔ پس عرصہ تک کسی عضو کا اپنے کار و شغل سے معطل رہنا اوسکی تو کھٹکی کا باعث ہے۔ چنانچہ اکثر خواتین اپنا ہاتھ کام ٹیکر خشک کر دیتے ہیں۔ پس ایسوجہ سے زیادہ عرصہ تک دودھ پلانے سے عورتیں بکثرت امراض رحم میں مبتلا پائی جاتی ہیں۔ اور ہمیشہ قابلہ کی پرستاری کرتا پڑتی ہے۔

یہ امر بھی بخوبی ظاہر ہے کہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے اوسکی طرف خون زیادہ رجوع کرتا ہے پس جب پستان سے زائد کام لیا جاتا ہے تو خون اوسکی طرف زیادہ رجوع کرتا ہے اور وہاں دودھ پیدا کرنے کا مادہ پیدا کرتا ہے جب زائد عرصہ تک دودھ پلایا گیا تو ضرور ہوا کہ خون سے اور اعضا کی پرورش میں کمی واقع ہو اسلئے کہ اسکا بہت کچھ حصہ دودھ بنائیں صرف جو جاتا ہے جس سے عام کمزوری اور ضعف نظام جسمی اور مرض باعقناق الرحم۔ و دیگر امراض رحم وغیرہ کا احتمال ہے۔

علاوہ اسکے جعفر عرصہ تک دودھ پلایا جاوے گا اوتے ہی عرصہ تک عورت کو حمل کی قابلیت نہ ہوگی۔ پس نفل رحم باطل ہو جائیگا بھی خوف ہے جس سے ممکن ہے کہ عورت اپنے بچے کے واسطے عقیقہ نہ جاوے۔ لہذا لازم ہوا کہ ایک مہینہ بعد از رضاعت کی مقرر کیا دے پس شریعت میں سوادہ برس تک مہینہ بعد از لڑکے کو واسطے مقرر ہوئی اس سے زیادہ دودھ پلانے کی مانعت ہے اور کم میں اقتدار ہے جتنی مدت تک چاہے دودھ پلاوے۔

لیکن بنابر تحقیق جدید یہ وہ پندرہ ماہ کی مہینہ تک ہے۔ اس مہینہ کے معین کرنے میں ضرور غلطی ہوئی ہے۔ اس مدت کا بچہ۔ اور عام اطفال ہرگز اسکی قابلیت نہیں رکھتے کہ وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ کر غذائے والد سے جاوے۔ اور مددہ اور کھانا اس غذا کا تحمل ہو کر مضمین میں خور پیدا نہ کرے۔ کیونکہ بچہ جبکہ ایک عرصہ سے شیر مادر کا عادی ہو رہا ہے تو غمناک انداز پر والد اور تبدیلی غذا کرنا اسکے واسطے غیر مناسب ہے تا وقتیکہ رفتہ رفتہ غذا کا وہ عادی نہ کیا جاوے۔ اور دو برس سے کم میں بچہ کے دانت بھی پورے نہیں ہوتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی دودھ پلانے کی مدت اور ضرورت باقی ہے کیونکہ

سودا و برس سے کم من اکثر چوکی کھلی و ڈانٹھن مخلقی پس خدا کا پورا انتظام ایسے ہی ہے
 واسطے عام اقوام میں کر سکتے۔ بسبب انطاس و ناداری کے۔ اور جب تک ڈانٹھ و کھلی
 نہ کھلے کوئی تغیر غذا ہضم نہیں ہوگی پس خواہ تو وہ قدرتی غذا ایسے پیرا در سے اوسکی
 مانتی عمر تک پرورش کرائی جاسکتی ہے۔ اور جب دانت کھلی، ڈانٹھ۔ نکل آوے پھر
 شیر کی۔ ہرگز ضرورت نہیں۔ جبکہ ہم اون جانوروں کو بھی دیکھتے ہیں جنکی پرورش دودھ سے
 ہوتی ہے جتنی طور پر یہ حیوانات اپنے بچوں کو اوسوقت تک دودھ پلاستے ہیں جب تک
 انکے دانت نکل آتے ہیں تو قدرتی یہ انتظام ہے کہ وہ جانور جو نکو مار تے اور پاس نہیں
 آئے دیتے ہیں۔ بہر حال شریعت نے زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت اوسکے
 کیواسطے سودا و سال۔ اور بڑی کے واسطے دو سال مقرر کئے ہیں کہی میں اختیار ہے
 اور زیادتی کی مخالفت ہے۔ بسبب حدود امر حق اور صحت جو نیلے۔

حسن میراث

خالفین اسلام یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ۔ شایع اسلام نے میراث کا قاعدہ جاری
 اوسکے بڑی بڑی ریاستوں کو تباہ کروانے کے غریب و محتاج بنا دیا۔ اگر کل خاندان کا ایک
 شخص سرقہ و متوکی ہوتا اور کل خاندان کی پرورش کرتا رہتا تو ریاست ٹکرتے ٹکرتے
 اور پرزے پرزے ہو کر تباہ ہوتی اور کوئی خاندان بھی محتاج نہوتا۔

(جواب) بدین عقل و دانش سیاید گریست و سبحان اللہ کیا غیر اندیشی ہے اور کیا عقل شعور
 ہے جناب من ظاہر نظر میں تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے اگر حکومت قرض ملنے والی ہو تو چشم
 روشن دل باشاد ہم اپنی تائید کرنے کو موجود ہیں۔ لیکن دوسرے کو ملنا اور آپ کی
 ریاست و امارت بھی دوسرے کو اگر سہر دیکھا وے۔ تو پھر اوسوقت آپ خود کو اپنی
 واپس کرنا ہوگی۔ اور بالفرض اگر آپ اپنی ریاست سے بات کہیں ہا تہ دو پیشین
 تو یہ فرض نادر ہے علاوہ آپ کے کہ وہ دن نفوس ہرگز اسکو پسند نہیں کرتے اب اپنی
 راسنے کے میوہ و ناقص ہونے کو ملاحظہ فرمائے۔

(۱۱) ہر خاندان میں بعض طبائع کسی سے خوش ہوتے ہیں اور بعض کسی سے آپ کسیکو
 سرقہ بخشنے پر مجبور کریں وہ سرکاری مخالفت کرے گا۔ پہلے تو اس قانون میں بھی مخالفت

(۳) خواہ غواہ سب کو ایک شخص کا حکوم و دست نگر بنا ہو گا۔ اور یکا ربیکا رظلم و انظلام میں پہنچنا پڑے گا جو بقول شخصہ۔ نہ الا الذی نہ (ولا الذی) ہے۔

(۵) ایسے روپیہ میں ترقی ناممکن ہے اور محدود ہے اسی شخص کی ذات تک جو سرقض اوس مال کا ہے اگر وہ شخص لائق و ہوشیار ہے تو ترقی کی امید ہے ساتھی اوس کے اگر ہمدردی اوس کے مزاج میں ہے۔ تو پھر آپ بھی اوس ترقی سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اور اگر ہمدردی اوس کے مزاج میں نہیں ہے اور وہ طمع و حرص ہے۔ تو پھر آپ کو کیا۔ آپ کو ابھی نکلیا روٹی سے مطلب ہے ترقی اور نرل سے کیا بحت۔ بلکہ نرل میں برستی آپ کو ساتھ نہ پڑے گا۔ روپیہ اور دولت آپ کے قبضہ میں نہیں بندھاؤں بلکہ کھاتا ہے آپ اوس دولت مند کا کیا بنا سکتے ہیں۔

(۶) جبکہ ایک ہی شخص سبکی جائداد کا مالک و سرقض ہو گا تو خواہ غواہ پابند ت ہو گا۔ اور جس آزادی کے بغیر صاحب و رآریہ صاحب جو ایان ہیں پھر وہ کہاں نصیب ہو سکتی ہے اس بنا پر تو آپ کی ساری آزادی دیکھ لی اب کبھی بھولے سے آزاد کیا نام نہ سنیے گا۔ (۷) اس صورت میں مسافرت و مہاجرت و ترک وطن۔ میر و سیاحت کچھ بھی آپ کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ بعد آپ ولایت میں ہوں تو کیا ممکن ہے کہ ولایت چھوڑ کر ہندوستان میں مقیم ہو سکیں۔ اور پھر آپ کو اپنی اوس جائداد سے انتفاع بھی ہو سکے۔ اگر چہ رمل و جہا نیلیگرام کی طرح سے اب آسان ہے۔ پھر بھی کمال دشوار ہے۔ نہ آپ نگران رہ سکتے ہیں نہ حساب بھی و جانچ اپنی جائداد کی کر سکتے ہیں۔ اگر سرقض سمجھنا کار یا خائن ہے تو وقت پر آپ کو روپیہ بھی نہیں ہونچے گا۔ اگر وہ کل جائداد تھوڑی ہے تب تو بالکل محال ہے۔ کہ آپ دوسرے مقام پر رہیں گے اور اس سے انتفاع اٹھا سکیں۔ پان و لمتند کا سولے لبتہ یہ امر ہے کہ وہ دور و دراز مقام پر ہے فکر مقیم ہوں اور وطن سے اون کے بے غل و غش روپیہ ہونچتا رہے چھوٹی بیعت والون کے لئے تو ناممکن ہے۔ خصوصاً رمل و جہا نیلیگرام کا نام بھی نہ تھا اس وقت تو بالکل ہی ناممکن تھا پس قیدیوں کی طرح سے آگے زندگی بسر کرنا پڑتی اور جب اپنے ڈب میں روپیہ ہوا تو بیچ کر نقد کر لینے کا اختیار ہو گا جہاں دل چاہا جاسکتے ہیں۔ بقول شخصہ ابھی اپنی ذلت اپنا اپنا راک کیوں گے سے مطلب ہی نہ رہا۔

اور ایک مقام پر سبکی جائداد جو نے سے اتفاقی امور کا اگر سامنا ہوا۔ مثل چوری۔
 تشدد زدگی۔ سیلاب۔ وغیرہ کے توکل جائداد تباہ ہونے کا اندیشہ ہے اور متفرق
 ہونے میں کسی نہ کسی کا مال اگر بچ رہا تو وہ شخص اپنے غریب بھائیوں سے صلہ رحمی کر سکتا
 اور ایک حامی میں تو سہی کے تباہ ہونے کا سامنا ہے۔ یہ مختصر نواید میراث کے اٹھ گئے
 اور بھی علاوہ اسکے ممکن ہیں جو خوف طول جیسے نہیں لکھے۔ اب ناظرین خود انصاف کریں
 کہ قانون میراث بھی ہمارا قدر مدلل و انصاف و حکمت سے بھرا ہوا ہے جس کا مثل و نظیر
 دوسرے مذاہب میں آپ کو ملنا دشوار ہے بودعائیں نے وید کے ایک منتر کی سند پر
 امر اشتیاق کیا ہے کہ عورات ناقابل استقام ہیں اور نکو وراثت میں جائداد نہیں ملنی چاہیے
 (ملاحظہ ہو بودعائیں باب (۱) فصل (۵) و (۱۱) فقرہ (۱) و (۱۴) و باب (۲) فصل (۲) فقرہ (۳۴)
 فقرہ (۳۴) فصل (۳) فقرہ (۳۴) و (۳۴) فقرہ (۳۴) و (۳۴) فقرہ (۳۴) و (۳۴) فقرہ (۳۴)
 میں صرف ایک امر عظیم کا کھانا رکھا جاتا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس کی جائداد اسی کے خاندان
 میں رہے۔ اسوجہ سے میراث صرف اقربائے ذکور میں محدود و محدود کر دی گئی تھی اور
 عورتیں بھی اون لوگوں کو دی جاتی تھی جو ہتھیار باندھ سکتے تھے۔ بیٹیاں اور بی بیان اور
 مائیں اور نابالغ ذکور و اثاثہ خنیا امر بخاں محبوب الارث کر دی گئی تھی۔ بیٹیاں اسوجہ سے
 محبوب الارث تھیں کہ اوکھ پیدا ہونا عذاب الہی سمجھا جاتا تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ جب
 شادی ہو گئی تو پھر اپنے خاندان سے اونکو کیا واسطہ رہا۔ زنان بیوہ اسوجہ سے محبوب الارث
 کر دی گئیں تھی کہ وہ لونڈی بھی جاتی تھیں اور اپنے شوہر کی جائداد کا ایک جز مسترار
 پاکر اوستے ورثہ کے حوالہ کر دی جاتی تھیں اور نابالغ اسوجہ سے محبوب الارث تھی
 کہ وہ اس قابل نہ ہوتی تھی کہ اپنے قبیلہ کے حقوق و مواجب کا تحفظ بزور شمشیر کر سکیں
 لہذا اونکی جائداد اوستے معلوکی بھی جاتی تھی۔

قبائل یہود میں جو اپنے ملک کی شمع پر جلتے تھے میراث سب سے پہلے بیٹوں اور اولاد
 ذکور کو ملتی تھی اوستے بعد بیٹوں اور اونکی اولاد کو اوستے بعد باپ کو چوتھے درجہ
 میں بھائیوں اور اونکی اولاد کو سادھمے درجہ میں داد اور چچا اور بھوچھی وغیرہ کو
 اوستونی کی اولاد میں بیٹے بیٹوں پر فضیلت رکھتے تھے بلکہ بھائیوں کی اولاد کے
 بعد بیٹوں کا درجہ تھا۔ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایسے پوتے اور پوتیاں

چھوڑنا تھا جنکا باپ بہشتی مرچکا ہوتا تو اسکی جائیداد اسی طرح سے تقسیم ہوتی رہتی کہ ہر ایک گروہ کو اس شخص کا حصہ دیدیا جاتا تھا جسکے ذریعہ سے وہ کمزوری کی توشیح کا مستحق ہوتا تھا۔ دیگر اقرباء کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ ماں اپنی اولاد کا ترکہ کچھ نہ پاتی تھی اور جب حرام زادوں کی ولادت کا اقرار کر لیا جاتا تھا تو اسنے حقوق حلال زادوں کے حقوق کے برابر ہو جاتے تھے ولہذا حرام کا ترکہ پہلے باپ کو ملتا تھا اور جب باپ نہ ہوتا تھا تو عالم وقت کو یا قومی سرمایہ میں دیدیا جاتا تھا ماں کو کبھی ایک مہہ بھی نہ ملتا تھا۔ برادران خواہ مسلمان یا خیالی کوئی حق وراثت نہ رکھتے تھے۔

تاریخ اسلام کے زمانہ جاہلیت کے رسوم و قوانین میں اصلاح فرمانی بہشت میں حقوق وراثت اور ان اشخاص کو دی گئی ہیں جو ان میں قدیم کے بموجب بالکل محبوب الارث تھے۔ اس شرع جدید سے ایک بہت بڑا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تنزیہ و شائستگی میں عورت کا پایہ بلند ہو گیا اور اسنے اخلاقی اور تمدنی حالت میں ترقی ہوئی اور بی بی اور ماں اور بے ثیون اور بہنوں کو حقوق وراثت حاصل ہوئے۔ اور تقسیم ترکہ بنا بر نظام عدل کے کی گئی نہ ملکہ کر مثل حفظ کائنات میں ماں مرد کا دوبرا حصہ عورت سے قرار پایا اور میں بھی بہت سے حسن ہیں۔

(۱) مرد اپنے باپ ہی کی میراث پاوے گا اور عورت جس جا بیواہ کر جاوے گی اپنے شوہر کے حصہ کی بھی مالک ہوگی۔ یعنی شوہر اسکا جو اپنے باپ کی میراث پاوے گا وہ اسیکے پاس رہے گی۔ اور مرد اپنی زوجہ کی جو وہ اپنے گھر سے میراث پاوے گی مالک نہیں ہوگا۔ اب دونوں مساوی مالدار ہو گئے۔

(۲) عورت کا نفقہ اسکے خاوند کے ذمہ میں ہے اب اسکو جو میراث ملے گی یہ اسکے واسطے کافی ہوگی اور میں سے اسکو خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی اور مرد چونکہ پرورش عیال و اطفال میں صرف کرے گا اسواسطے اسکو زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے لہذا اسکو ماں باپ کے یہاں سے دوہرا حصہ ملنا چاہیے۔

(۳) عورت کو اپنے شوہر سے ہر بھی ملے گا اور باپ کے یہاں کا ترکہ بھی مرد کو فقط متروکہ ملے گا اس بنا پر بھی اسکو دوہرا حصہ کی ضرورت ہے۔

(۴) جو جتنی خدمت کرے وہ اسی قدر اجرت کا مستحق ہو تا ہے باپ کے حقوق
بیشتر بہت ہیں بہ نسبت بیٹی کے۔ بعد باپ کے بیٹا ہے اور سبکی نماز روزہ حج و عمرہ
جو اس کے فوت ہو اسے بجالا دینا پاس دو ہر حصہ اس کی مزدوری ہے
لڑکی کیوں اس حصہ کی مالک ہوگی۔

اسی طرح شریعت نے زوجہ ذات الولد کو زمین مسکونہ میں حصہ نہیں دلا یا ہے
اور اس میں مصلحت عقلی یہ ہے کہ اگر عورت اپنا دوسرا نکاح کرے گی اور اسے
دوسرے شوہر کو دے کر اس مکان میں مقیم ہوگی تو پہلی اولاد بکفیدہ اور بعبیدہ
ہوگی شوہر ثانی کی اولاد سے اکثر نزاع و فساد برپا رہیں گے۔ اس مرد کو بھی زیادہ
شفقت دھربانی کی کوئی وجہ نہ ہوگی عورت کو بھی اپنی نئی اولاد اور نئے غوصہ کا
زیادہ چاہ پیار ہوگا جو موجب ظلم و انکلام ہوگا ایک جا رہر ہر وقت کی گرفت
ہوگی۔ اس وقت اگر اولاد مان کو نکال دی یا دق و پریشان کرے تو بے اعانتی
ہوگی مان کی۔ اور اگر خود کھل گئی تو گویا بیٹی اس حصہ پوری سے محروم ہوئے۔
لہذا بقول شخص اکملہ و ثبوت پہاڑا و ثبوت جب وہ عورت اس مکان ہی میں رہی
تو پھر اس کو اختیار ہے دوسرے مقام پر منتقل کر جو چاہے کرے اس بنا پر شریعت نے
اس مسئلہ کی اصلاح کے واسطے زمین مسکونہ میں کوئی حصہ ہی نہیں قرار دیا۔

(طبقات دارون کے) جو شریعت نے قرار دئے ہیں اور میں بھی کمال عدالت
و انصاف کا ہر تاؤ کرتا ہے قریب کے رشتہ دارون کو بعبیدہ کے قرابت دارون پر
مقدم رکھا ہے ہر عورت میں پہلے طبقہ کے لوگ جب بیٹوں اور سوقت دوسرے
طبقہ کی طرف رجوع کی ہے صلہ رحم و عزیز داری کا جیسا پاس و لحاظ اسلام میں ہے
کسی دوسری ملت میں ہرگز نہیں دیکھو احکام میراث کتب فریقین میں کہ کیسے
انصافانہ معین ہوئے ہیں۔

(جوہ) پہلے شریعت نے تقسیم ترکہ کی وقت بڑے بڑے کے ساتھ ایک خاص رعایت
کی ہے جس کا نام مہر ہے بعض چیزیں مال پدر میں سے علاوہ حصہ کے اس کو دی جاتی
ہیں مثل اس جو بار کے جو باپ کے اعتمد میں رہتی ہو۔ یا وہ قرآن و رحل حسین
باپ اس کا تلاوت کیا کرتا ہو۔ یا وہ ان کے شری جو ہر وقت اُس کے باپ کے ہاتھ میں

منہتی ہو۔ اور مستعمل کرے۔ اور وقت جب وہ میں دی جاوے گی جس وقت علامہ اسکے اور
 بھی مال منال ہو اور اگر وہی اشیاء مردک میں چھوڑے گئے اور کل بضاعہ میں سے ہے تو
 اس خیال سے کہ اولاد بالکل محروم رہ جاوے گی (جب وہ) نہ دیا جاوے گا۔ اور اگر
 اس جزئی رقم کے دیدینے سے کوئی نقصان دیگر اطفال کا نہیں ہے تو یہ خاص عایت
 ہے اولاد اکبر کے ساتھ۔ اس غرض سے کہ وہ اپنے باپ کے روزہ خانہ جیسے کہ
 بھی بجاوے گا۔ پس جب وہ گویا اجرت اس خدمت کی ہے۔

میراث بالولاد

اسلام نے بعد رشتہ داروں نبی و پیغمبر کے۔ اپنے لونڈی غلاموں اور اپنے
 اور محسنوں سے رشتہ داری قائم کی ہے جنہوں نے اس کی عظمت کی ہو۔
 ہر امام کی بھی عایت و رہنمائی خلق کا خیال کر کے اس کے واجب حقوق سے۔ بھی
 چشم پوشی نہیں کی ہے اس کو میراث بائو لائے تھے ہیں۔
 (ولاء العتق) اگرچہ ہم متعلق غلامی کے جلد اذل میں اس کتاب کے لکھ آئے ہیں۔
 لیکن مختصر طور پر اس مقام پر پھر کچھ ذکر کرنا ربط کے واسطے کچھ غیر مناسب ہو گا تاکہ اس
 حق و لاء کا سبب پورا ذہن میں آسکے۔ غلامی کا دستور انسان کے وجود کا حصہ ہے
 اپنے ابتدائے خلقت انسان سے یہ دستور چلا آتا ہے تو اربعے اس دستور کے
 آثار اور علامات ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔
 یہود اور یونانی اور رومی اور قدیم اہل بحر میں انہیں قوموں کے کلیں و قوانین اس
 زمانہ کے خیالات اور اس زمانہ کے رسوم و عادات پر زیادہ موثر ہوئے ہیں۔
 ان سب قوموں میں دونوں قسم کی غلامی مسلم و ملحد تھی۔ یعنی ایک وہ غلام جسے
 کھیت جتواتے تھے اور ایک وہ غلام جسے گھر کا کام پڑھتے تھے۔ ہر انہوں میں غلام
 نبی اسرائیل غلاموں اور لونڈیوں پر ہمیشہ بڑی بڑی صوبہ میں گذرتی تھیں۔ اونے
 کھیت جتواتے جاتے تھے یا گھر کا کام لیا جاتا تھا اور بہت حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے۔
 اور ان کے ہر دم اور ناخدا ترس مالک ہمیشہ ان سے مشفقہ شاہدہ لیتے تھے۔
 اخیر زمانہ میں جو قانون رومیوں میں جاری ہوا ان سے سزا موت اور سنگین سزا

مختیار جو قوانین الواج و زور گاہ نے مالکوں کو بخشا تھا اونہی سے لیا۔ مگر جو مجموعہ قوانین
 بادشاہ بسلطین قیصر کے عہد میں تالیف ہوا تھا اوس میں غلامی کو ایک قانون بمنہل قوانین
 قدرت قرار دیا اور غلاموں کی قیمت اور بیٹوں کے موافق مقرر کی جو پیشہ کرانا
 اونہی منظور ہوتا تھا۔ قبل شیخ اسلام مشرکین عرب کا دستور تھا کہ اسیران جنگ کو
 غلام بن ڈالتے تھے یا قتل کر ڈالتے تھے۔ احکام قرآنی کے رو سے اسیران جنگ کو قتل کرنا
 حرام ہو گیا اور یہ حکم ہوا کہ جب تک دیت یعنی خون بہانہ دین اور وقت تک غلامی
 کی حالت میں رہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برہہ فروش کو خارج از انسانیت فرمایا ہے اور بندہ گری اور برہہ
 فروشی دونوں امر دنی کی فرست کی ہے اور حق رقبات یعنی برہہ آزاد کرنے کو بڑا نیکو
 فرمایا ہے۔ اور مالکوں کو ممانعت فرمائی ہے کہ نصفانہ اور مناسب مقدار سے زیادہ
 کام غلاموں سے لیا کریں اور اسیران جنگ کو جب لوندی غلام بنا دیں تو ان کو
 سطر سے بڑا اپنا مین اور کھانا کھلائیں اور مکاں میں رکھیں کہ گویا وہ اونہی دہست
 اور رہمان میں مان بیٹھے اور بھائی بھائی سے اور شوہر زوجه سے اور عزیز عزیز سے
 جدا نہ کیا جاوے غلاموں کی جان کی حفاظت کیا وے سابق شاہان روم غلاموں کو
 خواجہ سرا بناتے تھے۔ شارع اسلام نے انسان کے اعضا کو قطع یا ل کرنا یا خواجہ
 سرا بنانے کی بھی قلعی ممانعت کر دی ہے اور غلام کو مثل اپنے عزیز کے قرار دیا ہے۔
 پناہ دینا اور حق کو مثل رشتہ نبی کے قرار دیا ہے۔ مالک اگر بقیہ خوشنودی انہی
 غلام کو آزاد کر دے اور کوئی وارث نسبت نہ ہو غلام آزاد کردہ کا قریب وارث اور اسکے
 آقا کا بیٹے کی او آقا نہ ہو تو اسکے ورثہ کو بیٹے کی سوائے اقربا سے ماویہی معتق کے
 اور اس حق و ملاکیت و مہر دوسرے کو صحیح نہیں ہے اسواطیکہ ولا ایک رشتہ
 ہے مانند رشتہ نسبت کے پس جسطرح نسب کی خرید و فروخت و مہر نہیں ہوتی ہے
 اور سطر سے ولا کی بھی نہیں ہے۔

اور ولا مین یہ بھی شرط ہے کہ مالک آزاد کرتے وقت غلام کی ضمانت کا ذمہ دار
 رہے اگر وہ ذمہ داری اور نکالے گا تو پھر وارث نہیں گا مگر غلام آزاد کردہ اپنے
 آقا کا وارث نہیں ہوتا ہے بلکہ اسی صورت میں کہ مالک لا وارث ہو کل جائداد

امام کا حق ہے۔ چونکہ مالک نے غلام کو قربت الی اللہ بدون کسی غرض و دلالت کے آزاد کیا ہے لہذا اسی حق و احسان کا عوض شریعت نے حق و لاقرار دیا ہے اور غلام نے چونکہ کوئی احسان و خدمت مالک کی نہیں کی ہے نہ اسکا کوئی حق آقا پر ہے لہذا اسکو میراث مالک کی بلا وجہ نہیں دلائی گئی ہے ہاں اگر غلام غریب آزاد کردہ ہو اور میت لاوارث ہو تو اسکے مال سے یہ غلام آزاد کر دیا جاوے گا۔

(ولرضان جریرہ) زمانہ سابق میں مسلمانوں کے اطوار و تمدنی حالت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر میں وارد ہوتا تھا تو اسکو اپنے چال چلن کی ضمانت دینی پڑتی تھی فردن اوسط میں یورپ کے شہر و زمین یہ دستور جاری تھا اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ایسا ہی کوئی دستور مالک ایشیا میں بھی جاری تھا جس سے مسئلہ ولا ضمان جریرہ پیدا ہوا ہے یعنی حق وراثت جو ضمانت پر مبنی ہو یہ دستور خلفاء بنی عباسیہ کے عہد میں بھی جاری رہا ہے جو مسافر ملک خراسان سے شہر بغداد میں وارد ہوتے تھے اونسے خلفاء مذکور میں نیک چال چلن کی ضمانت ضرور لے لیتے تھے اور جو لوگ اونکی ضمانت کرتے تھے وہ حاکم وقت سے اس جرم کے ذمہ دار اور جواب دہ رہتے تھے جو اونسے صادر ہوتا تھا اور معاوضہ میں اس نقصان و ضمانت کے مسافر واپس کے وارث قرار پاتے تھے اگر وہ لاوارث مر جاتے تھے بیٹے وارث بنتی اون کا اگر نہ ہو اور ولا سے عتیق بھی اوسکے نہ ہو لیکن شوہر یا زوجہ کا ہو تا اس حق ضمان کو باطل نہیں کرتا ہے بلکہ شوہر و زوجہ کے ساتھ ضامن جریرہ حصہ اعلیٰ پاتا ہے مثلاً اگر شوہر میت کا ہے تو نصف شوہر کو دیا جاوے گا اور نصف ضامن جریرہ کو اور میت کی وارث زوجہ ہے تو ربع زوجہ کو ملے گا باقی ضامن جریرہ کو کہ یہ شرط ہے کہ ایک دوسرے سے کہہ دے کہ تیرا خون میرا خون ہے اور تیرا قاتل میرا قاتل ہے اور مجھ سے مجھ سے مجھ سے مجھ سے اور دوست تیرا میرا دوست ہے اور تو میرا وارث ہے میں تیرا وارث ہوں اور دوسرا اسکو قبول کرے پس اگر کوئی دیت ایک کے ذمہ ہو دوسرے سے اوس کا مواخذہ ہو سکتا ہے یہ باہمی اخوت و محبت کے اسلام میں اعلیٰ نظر ہے۔

(ولا والا امام) اگر ضامن جریرہ اور ولا و عتیق نہ ہو اور میت لاوارث ہو تو پھر

تمام زمان مستحق وراثت ہے جناب میر علیہ السلام ایسے مال کو فقرا و مساکین و اہل ہمسایہ
پر اؤکس بیت کے تقسیم فرما دیتے تھے اور اگر امام غایب ہو مثل زمانہ موجودہ تو یہ مال
لاوارث بہتد جامع الشرائط کی خدمت میں پہنچانا چاہیے جو کہ بہتد غریب و مساکین کی تقسیم

موانع ارث

موانع شریعت میں تین ہیں۔ (۱) کفر ہے۔ کفر دار تدارشتہ و قرابت کو قطع کر دیتا ہے
جیسا کہ مشہور اگر مرد ہو جاوے تو عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے اسی طرح سے عورت اگر
مرد ہو جاوے تو مشہور و مسکا فرائض زوجیت سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے
ہر رشتہ دار مذہب بدلنے سے غیر سمجھا جاتا ہے بیشک یہ دستور بہت مفید اور اکثر جہات
سے کارآمد ہے۔ شریعت نے جب یہ بتا دیا ہے کہ مذہب بدلنے سے رشتہ قطع ہو جاتا ہے
تو صلہ رحم خاندانی برتاؤ سب قطع ہو جاوین گے جسکا ایک فائدہ یہ ہے کہ شاید وہ
شخص اس تاویب سے مشاثر و منفعل ہو اور پھر اپنے گناہ سے توبہ کرے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر تغیر مذہب سبب انقطاع نہ ہو گا تو ہر خاندان میں خلط ملط
ہو کر ایک مذہب والے اپنے اصلی مراسم مذہبی پر باقی نہ رہیں گے بلکہ ایک مذہب
بہت سے مراسم مذہبی سے مرکب ہو جاوے گا جو سبب لامذہبی کا ہو گا پس جب رشتہ
قرابت قطع ہو گئی تو مال میں بھی کوئی حق نہ رہا۔

(۲) مانع ارث قتل عمد قرار دیا گیا ہے اگر کوئی شخص سہوا و اتفاقاً کسی کو قتل کر ڈالے
تو مانع ارث نہیں ہے واقعی اگر غور سے دیکھا جاوے تو دنیا میں کفر اور قتل نفس سے
بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے اسکا جرم اور سزایں یہ ہے کہ متر و کسے محروم ہو خصوصاً قتل
میں یہ خیال ہوتا ہے کہ باعث قتل ممکن ہے طبع مال وصول ترکہ مقصود ہو اور اکثر
قتل اعزاء اور مان باپ بھائی بہن کا ہی جو سے وقوع میں آتا ہے لہذا شریعت نے
اسکو سبب جرم قرار دیا جو متر و کسے تاکہ تنبیہ ہو اور انسان سمجھ سکے کہ اگر ہٹے کیسکو یہ طبع
مال و میراث قتل ہی کی تاب بھی ہم میراث نہ پاوین گے پس خواہ مخواہ یہ خیال
کوڑے مرتکب جرم نہ ہو گا۔

(۳) رقیبت مانع ارث سے غلام اپنے لاوارث مالک کی میراث کا مستحق نہیں ہے۔

(۲) بطور حرام اور ناجائز طریق کی ولادت اس سے بھی رشتہ داری نہیں قائم ہوتی
بطریق شرعی جو اولاد ہم پر ہو چکے وہی اولاد ہے اسلام میں اولاد حلال والدین کی شرعی
مسم بستر کی کتاب ہے۔

اولاد حلال کی حالت

جس زوجہ کا نکاح پابندی رسوم و احکام شرعی ہوا اور اس کی نسبت ایسا خیال کرنا چاہیے
کہ اگر والدین بھی ولایت سے انکار کریں اور دوسرے شخص کی طرف منسوب کر دیں
تو بھی جو اولاد ان کے زانیہ میں پیدا ہوئی ہے وہ اولاد حلال ہے بھی جاوے گی مگر یہ کہ انکا
ولایت بذریعہ عاقل کیا جاوے (ملاحظہ ہو سائیر اصحاب کی کتاب) قانون پاکستان
سے بھی اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا ہے (ملاحظہ ہو استوری صاحب کی کتاب علم فقہ
صفحہ ۹۷) لیکن اولاد کے لئے یہ ضرور شرط ہے کہ مرد کی رسلتی زوجہ تک پہنچی ہو
اور اگر شوہر کی رسلتی زوجہ تک ممکن نہ ہو تب البتہ وہ اولاد شوہر کی بھی جاوے گی۔
باقول مدت حمل یا اکثریت حمل کے بعد پیدا ہو تو وہ بھی حتی اولاد صحیح شوہر کی نہیں ہے۔

مدت حمل

اقل مدت حمل چھ مہینہ ہے جبکہ قرآن مجید میں ہے **وَحَلَدُ فِصَالِهِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** (سورہ احقاف
آیت ۱۲) اور اسکی مان کے پیٹ میں رہنے اور اس سے جدا ہونے کا زمانہ
میں مہینہ ہے۔ دو سال زمانہ بشرط غابری اور چھ ماہ زمانہ حمل۔ اور اکثر مدت حمل
دس ماہ ہے۔ سبلی صاحب اس مدت کی تائید میں فرماتے ہیں کہ علمائے متفقہ میں
اس مدت کے اپنے طولانی میعاد میں حمل (پینے سات سال تک کی) اولاد غیر معمولی
حالات پر نظر کر کے قرار دی ہے جتنے مشاہیرہ سے بعض اوقات یورپ کے
بڑے بڑے عاقل و اکثر عاقل پریشان ہو گئے ہیں۔ صوبہ انجیرس کے حضرات
سفافینو مالکیہ کے قاضیوں نے بھی مدت کو تین کی ہے۔ سائیر اصحاب کی تاریخ ولادت ثنائیہ
جلد ۳ صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ قدیم قوانین کے بموجب اکثر مدت حمل دس مہینہ ہے

اور مجھوہ قوانین پولین کے موافق اقل مدت حمل (۱۸۰) روز اور اکثر مدت حمل (۳۰۰) دن میں پس جو بچہ کا ذکر مدت کے اندر ماوس حال میں پیدا ہوا ہو جبکہ شوہر دوزوجہ یکجا رہتے ہوں تو اسکی ولادت تسلیم کر لیا وے گی بشرطیکہ شوہر دوزوجہ کی ہم بستری کسی بیماری یا نقصان جسمانی یا نارسائی کی وجہ سے نامکن ہو گئی ہو اور شوہر معان کرتا ہو۔

ہیود کی مشرعین جن حق انکار ولادت شوہر کو مطلقاً حاصل ہے۔
شریعت اسلام میں جو اولاد قبل مناکحت پیدا ہو وہ مناکحت کے بعد حلال زادی نہیں ہو سکتی۔ اسکی قانون انگلستان و قانون مالک متحدہ امریکہ اور سب ملکوں کے قانونوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ بخلاف قانون اسکاتلینڈ کے اور ان کے جنھوں نے رومیوں کے قانون کو اختیار کیا ہے مثل فرانس کے ان کے نزدیک قبل نکاح کے اولاد نکاح کر لینے سے حلالی ہو جاتی ہے۔

شریعت اسلام نے اوس اولاد کو بھی حلالی نہیں قرار دیا ہے جسکا حمل قبل نکاح ہوا ہو گو وہ بعد نکاح پیدا ہو لیکن قانون انگلستان نے ایسی اولاد کو حلالی مان لیا ہے ہماری شریعت بیشک ان سب قانون سے اعلیٰ قانون ہے ایسے کہ وہ جماع جبکہ شرعہ وہ لڑکا ہے جب حالت نکاح صلح میں ہوا ہو تب وہ ولد الحلال ہو۔ ہوا سیکہ بدون نکاح صلح جماع اور ہم بستری بیشک زنا ہے جسکو ہر قانون تسلیم کر چکا ہے حال میں جو ولاد ہو جو نتیجہ اوس لفظ اور جماع کا ہے بیشک وہ حرام ہی قرار پاوے گا پھر نکاح کر لینا کیا اثر ڈال سکتا ہے لڑکے کے حلالی ہونے پر پس ولد الحلال ہونیکا گمان زوجیت کے وقت ہوتا ہے بشرطین جو سکتا نکاح مشکوک سے جو اولاد ہوسم پہنچے وہ بھی مشرعین حلالی ہے۔ مثلاً کوئی شخص نیک فیتی سے نکاح کرے اور وہ نکاح ناجائز ثابت ہو یا کوئی شخص کسی عورت کو اپنی زوجہ سمجھ کر سہواً لڑکا نیک فیتی سے مباشرت کرے تو جو اولاد ایسے نکاح یا ایسی مباشرت سے پیدا ہوگی وہ بھی حلالی ہوگی گو نکاح فی نفسہ باطل و ناجائز ہو کیونکہ اصل نیت ہے (ملاحظہ ہو قانون پولین ص ۱۲۰)

بہنی اور ولایت اور اقرار ولایت

شریعت اسلام میں اس معنی سے معتبر نہیں ہے جو معنی ہونو دیجھٹے ہیں یا جس سے بنے
 رویمون میں اسکا رواج تھا جیسا فی زمانہ ہنود میں ہے ویسا ہی زمانہ سابق میں ہونو
 میں تہنی غیبی خیالات سے تعلق تام رکھتے تھے مردوں کی نجابت اخروی اور مکر کے
 دیوتاؤں کا بقا و پرموتوں سمجھا جانا تھا مشرکین عرب میں بھی یہ دستور جاری تھا
 اور ایسی ہی اصل رکھتا ہے (ملاحظہ ہو تائید کا سن ڈی پم رسول) مشرکین عرب میں
 اوسکو جو لاولد مر جاتا تھا الابتر۔ یعنی دم برید کے مکروہ لقب سے یاد کرتے تھے
 اس سے بخوبی ثابت ہے تہنی کارسم انکی نظر و بین کسی وقعت و عظمت رکھتا تھا۔ جناب
 رسول خدا نے زید بن حارث کو اپنا بیٹا بنا کر عرب کے بت پرستوں کو پسر مجازی و پدر
 مجازی میں قرابت نسب سے فرق بتایا اور اودن مشرکین عرب کے قبائل سے وہ ہر سوم
 بقید ترک کرادی جیکہ وہ عادی تھے اور انکو بلند ہمسدہ خیالات قرابت خاندانی کی
 نسبت سیکھاے اور فرمایا: نہیں پیدا کئے خدا نے دو دل کسی شخص کے سینہ میں اور نیز
 کیا خدا نے تمہاری اون بی بی کو جنکو تم نے خسار دیا ہے تمہاری مائیں اور بنیں کیا خدا نے
 اودن کو جنکو تم اپنا بیٹا کہتے ہو تمہارے بیٹے یہ بات تم اپنے منہ سے کہتے ہو اور اللہ سچی
 بات کہتا ہے۔ وروہ سچی بات بتلاتا ہے۔ (قرآن مجید سورہ احزاب آیت ۴۱) اس بنا پر
 علی طور پر زینب زوجہ مطلقہ زید کے ساتھ عقد منہ پایا تاکہ پسر مجازی و پسر
 حقیقی میں فرق معلوم ہو شرع میں صرف ایک قسم کی تہنی معتبر ہے جو اقرار سے پیدا ہو یا پ کو
 ولایت قائم کرنے کا حق ہے مان اور دیگر قرابا اس سے بالکل خارج ہیں۔
 ایسا اقرار صحیح ہی ہوتا ہے یا غمنی۔ یعنی اقرار ولایت وضع الفاظ میں ہو سکتا ہے
 یا باپ کے کردار اور دائمی سلوک سے جو وہ اپنی اوماد کے ساتھ کرتا ہے اور جس سے ثابت
 ہوتا ہے کہ یہ اوسکو اپنی اولاد سمجھتا ہے۔ مگر اقرار ولایت شرعاً جائز اور موثر اذوقت
 ہوتا ہے جیکہ تین شرطیں پائی جاوین۔

(۱) بمقدار عقل کی عمر میں ایسی ہون کہ ایک باپ دوسرا اوسکی اولاد عقلاً ہو سکے۔

(۲) جس شخص کی ولایت کا اقرار کیا ہے مہول النسب ہو یعنی اوسکے باپ کا حال
 معلوم نہ ہو۔ اگر اوسکی ولایت یا نسب معلوم ہو تو تفسیر کی طرف منہ اور سکو
 نسبت نہ دی جاوے گی۔

(سنہ) مقررہ خود یقین لکھا ہو کہ میں مقرر کی اولاد میں ہوں یا لا اقل اس امر کو قبول کرے
 (ملاحظہ ہو مور صاحب کی انڈین ایپس جلد ۳ صفحہ ۴۳۵-۴۳۶۔ سدر لیڈ صاحب کا ایکل
 رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۳۴) البتہ صغیر السنہ کے کی رضامندی کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔
 اس اقرار ابوت سے تمام نتائج شرعی ابوت حقیقی کے پیدا ہوتے ہیں اور اس اثر کے کو
 مقرر کی بیعت یا نکاح حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی زن منکوحہ اقرار ولایت کرے تو وہ شرعاً
 معتبر نہیں کیونکہ اس کا اقرار دوسرے شخص پر بیعت نہ ہرے موثر ہوتا ہے الا اینکه اس کے اقرار
 کی تصدیق خود شوہر سے ہو جاوے۔ اس قاعدہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ جمہوری اولاد
 بنا کر کسی کے سر نہ مقبوع دیا وے۔ شوہر دار عورت اپنے اور دوسرے شخص کے
 درمیان بھی وہ قرابت پیدا کر سکتی ہے جو مان اور اس کی اولاد میں ہوتی ہے بشرطیکہ
 تمام شرائط ضروریہ کی تکمیل اور اس کا شوہر اس کے اقرار کی تصدیق کرے
 اگر آپ مر جاوے تو پھر نسب کا ثبوت دو عادلین کی گواہی سے ثابت ہو گا نہ فاسقوں کی
 شہادت سے اسلئے کہ بے ایمان و رذیلان سازش کر کے کوئی جعل یا فریب نہ کر سکیں۔
 اقرار قرابت اس وقت معتبر ہو سکتا ہے جبکہ وہ شخص جو اقرار کرتا ہے معاہدہ اور اقرار کرنے کی
 قابلیت رکھتا ہو۔ یعنی بالغ و رشید اور صحیح العقل و آزاد ہو۔

فرج و قربانی

فرج و قربانی کا حکم حکماء و عقلاء و حکمت اخلاق کے نقاد و نون کی تعلیم سے بھی ثابت
 ہے اور سنت ابراہیمی میں بھی موجود۔ بلکہ اصل بنا قربانی کی وچین سکا ہے اور اس
 نوع کی پہلی صنف (یعنی یہود) میں بھی موجود ہے حالانکہ اوعلی شریعت کا مد ابرہی عدل
 کے نظام پر تھا ہماری شرع کی طرح۔

دوسری صنف۔ میں یعنی عیسائیوں میں بھی موجود ہے باوصفیکہ اکثر حکموں کا جو انجیل
 متداول میں ہیں یہ مقتضایہ ہے کہ ان کا دستور العمل جب کا نظام ہے۔

تیسری صنف (یعنی اسلام) میں بھی حج و غیرہ میں کثرت قربانی ظاہر ہے پس یہ قطعی
 تعلیم ہوئی۔ اور کل ناموس کے اسسٹون (یعنی میروں) اور ناطقون (یعنی جانور)

کا اور اخلاق کے حکموں کا یہی دستور العمل ہوا لیکن۔ خلافت کیا ہے اسکے بعض بنو کے ناموس ہے۔ بعض فرقہ وائین کے سکیر مارنا جائز نہیں جانتے یہاں تک کہ تنکے پانون چلتے ہیں کہ کوئی جانور جو تے کے تلے دب کے نہ مر جاوے اسلئے کہ تلے سے تلا زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اور منہ پر کپڑا رکھتے ہیں کہ زور کی سانس سے کوئی بھنگا یا پھر پستونہ مر جاوے۔ دھیل اونکی یہ ہے کہ ہماری ملت میں خدا اون سب کا خدا ہے اور یہ سب اوسکے بندے ہیں اور وہ عادل پھر یہ کیسا اندھیر کہ ایک بندہ تو بالیچون سمید گوشت کے پھون پر ہاتھ صفا کرے اور کچھ بندہ اپنے بالیچون مان باپ سے چھوٹیں اور سبلیں نکلیں اور پھر چھری تیز جو اور وہ دنیا کی سب لذتوں سے محروم کر دی جاوین۔ اور اگر عزت میں اونہیں تو اب ملا تو اتنی زحماتوں کے بعد اور کھانیاں لون کو تو پوہین ملا۔ اوس سے زیادہ پس نہ ہوا کہ یہ فوٹن کا۔ یہ عقل کا حالانکہ مسلمان کہتے ہیں کہ اونکی راہ سیدھی راہ ہے۔ اور اوسین خواہش و رستہ کا وائین غری کھری عقل پر اور سکا مدار ہے اور اسلام کی بنیاد مل پست نہ تصور ہے۔ پس بسے افسوس خدا نے انصاف نہ چکایا۔ اور اسی وجہ سے ہماری شریعت میں رعراء سے بگو گوشت کھانا کہ وہ دز پر وہ بیچ کرانا ہے جو علی العموم گوشت بتا ہے اوسین سے من لینا بھی نے اہلداد کے خونین شریک ہونا ہے (جواب) اسکا یہ ہے کہ یہ دجہ کی پشت میں اور اخلاق کی گردن سے ناواقفی تم نے انصاف کا اور ظلم کا نام ہی سنہ ہے بالکلیں اوسی مدیح بھی کی ہے۔ یہ ظلم عرفی ظلم ہے اور عوام ظہر میں اسے ظلم جانتے ہیں ہماری ملت کا مدار حسن و قبح عقلی پر ہے۔ پس وہی انصاف انصاف ہے جو عقلی اصول پر ہو اور وہی ظلم ظلم ہے جنہیں مفسدہ ہو عرفی اسلئے کہ عرفت کی بنیاد اگر عقل پر ہے تو وہ عقل میں داخل ہوگی اور اگر عقل کے حریفونکی بنا پر ہے خواہش۔ وغیرہ۔ اور دہم۔ وغیرہ کے تو اوپر کون عاقل لحاظ کرے گا۔

بہر طور یہ عقلی قدر دانی عقل و عاقل کی ہے کہ سعدن فیض و مربی حیوان ہے جیسا کہ حیوان کی غذا اوس سے اونا قسم نباتات کی ہوگی۔ تم اتنا افسوس دانہ گھاس پر کیون نہیں کرتے کہ حیوان اونہیں فنا کر دیتا اور غذا بنالیتا ہے۔ اور عقلی قدر دانی اگر کسی اہم کو ظلم معلوم ہو اور حفظ مراتب ناگوار ہو تو اسکا کیا علاج ہے اور اسے مقام سے لم معلوم ہوتی ہے جہاد واجب ہونکی بشرط ظہور حجت خدا اون بد اخلاقون اور بے ایمانوں پر

کر جو عقل کی راہ سے ہمارے اور دینوں کے مثل یا اوشے بدتر ہوں تیس فوج و قربانی
 کرنا اور حیوانات کا جینا دینا میں کوئی مصروف بجز اسکے نہ ہو اور اگر ہو بھی تو بعد فوج و کھسار
 خلاف عقل و انصاف ہرگز نہ ہوگا۔ وید میں بھی گوشت کھانے اور شکار کرنے کا حکم ہے
 (۱) دیانند صاحب اپنی کتاب ستیا رت پر کاش مطبوعہ ۱۹۹۹ء کے صفحہ ۳۵۹ سطر ۱۱ پر
 لکھتے ہیں کہ جو جانور یا آدمی ایذا رسان ہو اسکو سزا دیوین اور جان سے بھی مار ڈالیں،
 گوشت اوسکا خواہ پھینک دیں۔ خواہ کتے وغیرہ گوشت خوردن کو کھلا دیں۔ یا جلا دیوین خواہ
 کوئی گوشت خورد کھاوے تو بھی ٹیٹے کا کچھ نقصان نہیں ہوتا (دیکھو ستیا رت صفحہ ۳۵۹ سطر
 ۱۵-۱۶) کھانے کے لائق جانوروں کو کھانے سے کھانے والے کو دوش نہیں ہوتا کیونکہ
 کھانے کے لائق جانور کو اور کھانے والے جاندار کو برپا جی نے ہی پیدا کیا ہے (منو ۱۰)
 (۳) مول بیٹے جو سے یا دوسرے کے لاسے ہوئے مانس (گوشت) کو دیتا اور پھر ونگو جوگ
 لگا کر کھانے سے پاپ نہیں ہوتا (منو ۱۰)

(۴) شاستر کے ہدم سے جو مانس شدہ (گوشت پاک) ہے اوسکو جو آدمی نہیں کھاتا
 وہ پر لوک (دوسرے دنیا) میں ۲۱ جنم تک پش (جانور) ہوتا ہے (منو ۱۰)
 (۵) مانس (گوشت) اور مردب ان دونوں کے کھانے میں کچھ دوش (نشاہ) نہیں
 اور جملہ میں دوش (نشاہ) نہیں ہے کیونکہ یہ تو جوؤں کا سبھاؤ ہے لیکن کھانے کا ریکہ کرتا
 بڑا پھسل ہے (منو ۱۰)

(۶) منو سمرتی ادھیائے ۳۴ فقرہ ۲۴ لغایت ۲۷ میں اون جانوروں کے۔ مرتکب
 بتائے گئے ہیں جنکی قربانی سے پھر راضی ہوتے ہیں جنہیں سورتک داخل ہے۔
 (۷) گوہر میں ایک بڑا سا چوڑا نقش ہے جس میں لکھا ہے کہ دشیتیشا اور وسواسا میرا دو بیٹے ہیں
 میں قربانی اور یک کرنے پر انا ہوا۔ زانسا کھوپڑیا ہر تانیکا جلد ۱۲ صفحہ ۷۸۰
 (۸) بعضوں کی قربانی اور انسانی قربانی کا بھی پتہ موجود ہے (ملاحظہ ہو انسانی کھوپڑیا
 یا ہر تانیکا جلد ۱۲)۔

اہل ہنود میں سکے۔ کایستہ۔ دھم مارگی۔ چولی مارگی۔ بیج مارگی ویدوں کے ملنے والے
 اور خواہ واپس نہیں مانس پارتی موجود ہے جسکا کرنے والے اور نہیں کے بچہ کو سیتلا سنان
 چھکار گردن مارتے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ خلاوہ اون مرغی شہادتوں کے جو کتاب بھی

ہل ہنود میں ہیں مے منو سہتی مین لکھا ہے کہ بے برہاجی سے سب سے پہلے جس جاندار کو جس کام کے لیے پیدا کر دیا آئندہ اوسکی نسل اوسی کام کے ساتھ مخصوص ہو گئی مثلاً شیر کا بچہ ہمیشہ شیر کی خاصیت میں اور بکری کا بچہ ہمیشہ بکری کی خاصیت میں پیدا ہوتا ہے یہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے ہر کو جیسا بنایا اوسکو اوسکی ضرورت کے موافق ویسے ہی اعضا عطا کئے مثلاً حیوانوں کو عقل نہیں دی تو انکی حفاظت کے واسطے قدرتی طور پر سامان یہ مہیا کیا کہ کسی حیوان کو اپنے دشمن سے بچاؤ کے واسطے سینک دے کسی کو اوڑھنے کے لیے پردے۔ اسی طرح مے اوس قادر مطلق نے حیوانات کو ادراک بہت دیا مگر آدمیوں کو عقل دینے کے وجہ سے ادراک بہت کم دیا۔

پس ہر حیوان کو اوسکی ضرورت کے موافق اعضا اور خواص عطا کئے ہیں جیسا کہ گائے اور بیل کو گھاس خور پیدا کیا تو اسے معدہ کثیر غذا جمع رہنے کے لیے نسبتاً بہت بڑا بنا کر چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر حصہ گوشت خوار مخلوق کو کدو کی توہنی کے مشابہ معدہ بنا کر صرف دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ نیز یہ کہ کوئی جبراً آنا دال روئی گھاس کھلاوے۔ چونکہ وہ اوسکے مضم کے آلات نہیں رکھتا اس لیے ایک دو دشمن جو نہ سہہ سہانے اوسکی غذا کے بیمار ہو کر مر جاوے۔ یہ غذا اس لیے اگر کھاسے بیل تو کسی سے میں گوشت مل کر کھلایا جاوے تو وہ مضم کر لین کے جس سے ثابت ہوا کہ شیر تو سوائے گوشت کے کچھ نہیں کھا سکتا مگر گھاس بیل جو کہ دراصل نباتات تو ہیں گوشت کو بھی مضم کر لیتے ہیں۔

اسوقت تک یہ معلوم ہوا کہ قدرت نے دو قسم کی مخلوق بنائی ہے ایک صرف گھاس کھانے والی دوسری فقط گوشت کھانے والی تیسرے کی ضرورت اور رہنے جو دونوں کو کھاسے شیر کے معدہ میں ذخیرہ جمع رہنے کو اسکا معدہ توہنی سے مشابہ بنایا اور بیل کے پیٹ میں گھاس کا ذخیرہ جمع رہنے کو اسکا معدہ گول بنایا اور دال و گوشت کے مضم کرنے والی مخلوق کا معدہ ٹاسنے کدو سے مشابہ بنایا اب انسانی معدہ کو دیکھنا چاہیے کہ کس مخلوق سے مشابہت رکھتا ہے علم شریح نے صاف بتا دیا کہ آدمی کا معدہ گوشت خوار جانور سے مشابہ ہے بلکہ قریب قریب یکساں ہے اور طریقہ مضم بھی یکساں ہے جو کہ آدمی کو اشراف المخلوقات بتایا اور عقل بھی عطا کی جس سے اپنے ضرور نقصان کا بخوبی اقیان کر سکتا ہے لہذا اوسکو دونوں حقوق عطا کئے اور دونوں چیزیں اوسکی غذا قرار دیں۔

دوسری علامت گوشت خواری کی یہ ہے کہ ہم بحث رضاعت میں بیان کر آئے ہیں کہ جس حیوان کو جس قسم کے تقدیر کی ضرورت ہے اور اس کو ویسے ہی دانت خدا نے عطا کئے ہیں انسان کو کترے اور بھانڑنے اور چبانے میں اور ان کی ضرورت تھی لہذا اس کو تینوں قسم کے دانت عطا ہوئے اور وہ دانت بھی اس کو دے گئے جس سے یہ گوشت کو کھا سکتا ہے جیسے زندہ اور شکاری جانور نہ کہ بیوقوف کوئی مصروف ہے باقی نہ رہا تھا اس معلوم ہو کہ انسان کو فطراناً گوشت کھانے کی ضرورت ہے۔

دوسری دلیل گوشت خواری کی :- اوس قادر مطلق نے بہت سی مخلوق گوشت خوار بنائی ہے جملہ اونگے ایک پھلی ہے کہ وہ عموماً کیزہ کھاتی ہے اور بڑی پھلی چھوٹی پھلی کو کھا جاتی ہے خدا نے اس کو سیٹے پیدا کیا تاکہ پانچین جس قدر کیزہ وغیرہ پیدا ہوں اس کو کھا کر پانچین صاف کرے حالانکہ اس کیزہ کو بھی اوس قادر مطلق نے پیدا کیا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے کیزے کو کیوں پیدا کیا اور اس پر پھلی کو کیوں تعینات کیا آریہ صاحبان فرماتے ہیں کہ پھلی کو خدا نے پانی صاف کرنے کو بنایا تھا آدمی اس کو کھا جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آپ ایک تالاب میں پھلیاں پالے اور خوب اونکو پرورش کیجیے چونکہ پیدائش پھلی کی کثرت سے ہوتی ہے تو چند سال میں وہ تالاب پھلیوں سے بھر جائے گا اور پانی بجائے صاف ہونے کے اور پھین کی بدبو سے خراب ہو جائیگا پھر اگر بارش نہوٹی تو پھلیاں مر کر مٹیں گی اور اون سے بیماری پیدا ہوگی اس لیے اوس قادر مطلق نے ہلکو ذریعہ گوشت خواری کا شیر و بازو پھلی سے تعلیم کیا۔

کیا وہ قادر مطلق پانی کو ایسا صاف نہیں بنا سکتا تھا کہ میں کیزہ وغیرہ نہ ہو جو اتنی بیری کو پسند کیا کہ خود ہی پانی میں کیزہ پیدا کیا اور پھر اس پر پھلی کو تعینات کیا کہ اس کو کھا جاوے آخر اس دنت سے کیا فائدہ تھا۔ پس خدا کے ماننے والوں سے یہ سوال ہے کہ اون سے شیر کو بیل کا بھائی کیوں نہ بنایا جو کہ جانوروں کو ہی نہیں آدمیوں کو بھی چٹ کرتا ہے پس اگر خدا نے غلطی نہیں کی تو ضرور گوشت خواری مطابق قانون قدرت کے ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گوشت کھانے سے عقل میں فتور آتا ہے۔

میں کتا ہون کہ آجکل گل اہل یورپ کا ستارہ اقبال کیا عروج پر ہے اس زمانہ میں اوکلی عقل مند یکساں کہ تمام اقلیموں پر جما ہوا ہے اور تمام سلطنتوں کے ممبران پارلیمنٹ گوشت خوار ہیں انہیں کوئی نامبر پارلیمان ہو بلکہ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ جو توہین گوشت خوار نہیں ہیں وہ اگر بیوقوف و فاجر العقل ہوتی ہیں اس طبی قاعدہ سے کہ عقل اور روحانیت خون سے متعلق ہے اور جسم کی ترکیب اور پرورش خون اور روح سے ہوتی ہے بعض حکماء کا خیال ہے کہ روح وہی بخارات صلیح خون کی ہیں پس جس چیز کی پرورش روح کرے اور روحانی حصہ جس میں زیادہ شریک ہو اس کا استعمال ضرور معین ہو گا روحانیت اور عقل کا دلیلیہ و موسمی مزاج کے آدمی میں ذہانت و زکاوت زیادہ ہوتی ہے برہنیت طبی وغیرہ کے اور تجربہ ہمارا اہر شاہد ہے بلکہ جو توہین گوشت خوار نہیں ہیں انہیں امراض فساد خون کے اکثر چھوٹے این تیرنہوں اور ویلون میں کوڑھیوں کے گروہ کے گروہ ملتے ہیں۔ بخلاف جس کے اور قوموں میں یہ مرض دسویں حصہ پر بھی نہیں ہے اور جو گاہی تو اکثر انہیں مفلس و نادار لوگوں میں جنگی ائمہ خدا وال بھات ہے یا کسی اور خاص سبب سے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گوشت خوار مخلوق فطراناً زبان سے چاٹ کر پانی پیتی ہے اور انسان اس طرح سے پانی نہیں پیتا جو صاف دلیں ہے کہ انسان فطراناً گوشت خوار نہیں ہے۔

یہ بھی خوب قیاس ہے کوئی صاحب اگر یہ کہیں کہ گوشت خوار جانور کی دم ہوتی ہے اور انسان بے دم کا ہے لہذا گوشت خوار فطرتاً نہیں ہے تو اس کا جواب یہ کیا ہو سکتا ہے مگر یہ دیکھو کہ جو جانور گھاس خوار ہیں وہ پانی میں منہ ڈال کر پیتے ہیں آدمی اگر گھاس خوار ہوتا تو یہ بھی چاروں باتوں پر شیک کر منہ ڈال کر پانی پیتا حالانکہ یہ کالج اور بلور کے صاف و شفاف گلاسوں میں برت کا جھلا ہوا پانی کس احتیاط و انسانیت سے ہاتھ میں لیکر اور نظرت کو منہ سے لگا کر پانی پیتا ہے اور اگر نظرت ممکن نہ ہو تو چلو سے پانی پیتا ہے پھر گھاس خوار جانور سے بھی تو اس کو مشابہت نہیں ہے اس میں کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دونوں قابلیتیں فطرتاً ہیں گوشت خور اور نباتات بھی۔

مسلمانوں پر یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ گاؤں کی سے سخت نقصانات اٹھاتا

جو سنے میں دودھ بھی دہی سے محروم ہوتا نظر آتا ہے افزائش نسل سے گاؤں کے ایک غریب آدمی بھی امیر کی طرح سکتا ہے گاؤں کی کر کے اس سلسلہ ترقی کو روکتا ہے جو کہ ہمیں شکایت ہے زمانہ سابق میں ایک ایک کے یہاں سیکڑوں گاؤں تھیں جسکی وجہ سے ہر شخص خوشحال و فانی الحال رہتا تھا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ فرض کرو اس وقت ہندوستان میں ایک کروڑ گائے ہے دس سال تک ہم آریوں کے ساتھ ملکر اگر پودریش کرین تو یقیناً ہے دس سال میں چوکنی ہو جاوین گی اوسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس وقت اگر کسی سال خشک سالی ہوتی ہے تو ایک کروڑ آدمی کو چار دہائی ملتا پھلتا تھا سالی میں مویشی کی کیسی قابل رحم حالت تھی کوئی آدمی کو بھی نہ پوچھتا تھا کسی دھرماتما بندہ سنے اون بیز باؤن سے ہمدردی نہ کی اور کسی نے بھی اس میں خوراک نہ کھلائی بلکہ اونکو مطلقاً انان کردیا ہو کون ہزاروں مویشی مر گئے پھر فرمائے جب اس قدر کثرت ہو جاوے گی اور آدمیوں تک کی غذا اٹھا کر سیری نہ ہوگی تو لا محالہ ہمارے آریہ بھائی یا تو مسلمانوں کی خوش آمد کریں گے یا چین و جاپان سے کوئی وید کا حقہ مگنا پڑے گا ساسی مصلحت سے قدرت نے ان کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ اسکے ذریعہ سے ہمکو بہت سے فائدہ ہوسنے ہیں لیکن وہ فوائد وہیں تک مفید ہیں کہ جب تک ہم پر مصیبت نہ پڑے پس جب یہ مخلوق کثرت سے بڑھے گی تو مجا سے فائدہ کے وبال جان ہو جاوے گی اور چونکہ یہ مخلوق ہماری غذا کی شریک ہے پس اسلئے اسکی تعداد اس قدر نہ بڑھے کہ چارہ کے بعد ہماری غذا بھی ہمیں ملے جسکا یہ نتیجہ ہو کہ آدمی بھی بھوکا نہ رہے کیونکہ ایک گائے جس قدر کھاوے گی اوسمیں لا اقل دس آدمی کھا سکتے ہیں چون کہ آدمی کی جان بچانا فرض ہے اسلئے حیوانات کو فح کر کے کھانے میں کچھ حصہ نہیں ہے اس مقام پر معترض صاحب یہ ضرور کہیں گے کہ اولاد و عزیز و اقارب بھی اپنی غذا میں شریک ہوتے اور حصہ لیتے ہیں پس چاہیے کہ انسان اپنے بچوں کو بھی بھون بھون کر دوش جان کرے تاکہ اپنی غذا کے شریک پیدا نہ ہونے پڑیں۔

جواب اسکا یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کہ انسان کھانہ جانہ حیوان خدا نے اشرف المخلوقات ہونے کی جہت سے حیوان پر انسان کو برتری دی ہے

ہر امر میں پس حیوان کا انسان کی قدر امین شریک ہونا جسکی وجہ سے انسان کی جان پر آئینے عطا ہرگز روا نہیں اور انسان انسان سے اذروے جو ہر نہایت ہر امر میں مساوات رکھتا ہے اور ہر امر میں انسان انسان کا شریک و حصہ ہے پس ہرگز عقل اسکی مقتضی نہیں ہے کہ ایک حق دار کو محروم کیا جاوے۔ دوسرے قدر اور کیوجہ سے اس صورت میں چونکہ جسے ضرورت دونوں کے برابر اور حق و دونوں کے سادی ہیں پس کوئی کسی کے واسطے عقلاً ذبح کیا جاوے گا۔

ہاں یہ کہنا آپ کا کہ زمانہ سابق میں ایک ایک شخص کے بیان سیکر مون گاہے چل پڑتے تھے اور قحط سالیاں بھی ہوتی تھیں پر کوئی خرابی بھی ہوتی تھی یہ محسوس ہوتا لیکن غور تو کیجیے کہ اسوقت آبادی کتنی تھی اور جنگل و چراگاہیں اسوقت کس قدر وسیع تھیں اور اب آبادی کس قدر زائد ہے اور جنگل و چراگاہیں کتنی کم ہیں اگر زراعت کم کر کے پھر اگاہیں بڑی پائی جاوے تو آبادی کو کتنا نقصان ہوگا اور اگر زراعت و آبادی کا لحاظ ہو تو پھر مویشی کی نسل کی ویسی ترقی ناممکن ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خداوند کریم نے اپنی رحمت کاملہ سے ہر کو ایسی مخلوق عطا کی ہے جسکے دودھ میں فائدہ و بچہ بننے فائدہ گوشت سے فائدہ پڑے فائدہ اس کے چمڑے سے فائدہ سینگوں سے اس کے فائدہ ہڈیاں تک کہ اسکے گوشت سے فائدہ لیکن یہ سب فوائد اسوقت تک تھے جبکہ انسان کے وبال جان نہون اور جنگل فائدہ رسانی کے واسطے یہ مفید شے خلق ہوئی ہے وہ دنیا میں راحت سے بسر کرے اور جب فائدہ اٹھانے والا ہی نہوگا تو یہ مفید شے کس مصرف میں آوے گی اور کس فائدہ پہنچی اور جب تک ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں اسوقت تک اس مفید شے کو ضائع بھی نہیں کرتے یہ کیوں مسئلہ انہیں دو قسم کی گائیں ذبح ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو قدرتی بارگاہ ہوں دوسرے چرھیا جو نہ قابل بچہ دینے کے رہی نہ دودھ دینے کے اور ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ دودھ اور بچہ دینے والی گائے ذبح کیجاوے کیونکہ ایسے گائے کے ذبح کرنے میں سرمایہ نقصان ہوتا ہے اور نصف قیمت سے زیادہ وصول نہیں ہو سکتی۔

اب ہم تھوڑی دیر کے واسطے گائیس پارٹی کے حضرات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پہلے تو یہ پوچھتے ہیں کہ آپ حضرات ہر کو تو بے رحم بتاتے ہیں انصاف

فرمائیے کہ آپ کس قدر ظلم کرنے میں اس کے بچہ کا دودھ چھین لیتے ہیں اور دودھ کے عوض
 گلی کا پانی اور بھوسہ دیتے ہیں جس سے عموماً بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور اکثر مر بھی جاتا ہے
 ایسے قاعدہ عقل نے بتایا ہے کہ اپنے شکم پر دوسری کے لیے بچہ کا دودھ چھین لین کس
 مثال سے قدرت نے آپ کو پرایا دودھ چھین لیتا سیکا یا اپنے بچوں کے دل سے تو ایک
 ماں کا دودھ کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ دایہ اور اتار لکڑاٹکی پرورش کی جاتی ہے اور غریب گوراماں
 کے بچے بھوسے ماڈلے جاتے ہیں اگر اپنا پیٹ پلٹنے کے واسطے دودھ چھین لینا
 جائز ہے تو ہر آدمی کا مال بھی چھین چھین کر گھر میں رکھے اور انکو دال ساں اس کے عوض
 میں کھلائیے ہلایے تو فرمائیے کہ دودھ قدرت کی طرف سے اگر آپ کے لیے پیدا
 کیا جاتا تو لازم تھا کہ گالین بغیر بچہ دے دودھ دیا کرتی اور چونکہ ایسا نہیں ہوتا پس صاف
 ظاہر ہے کہ یہ دودھ خاص اس کے بچہ کا حق ہے اور آپ کا اس میں مطلق حق نہیں ہے پس
 ہر آدمی جسے کو چھین کر کھا جاتا چور کو اور بد معاشوں کا کام ہے اگر کل دودھ اس کے بچے
 پیتے تو کیسے توانا ہوتے جن کے ذریعے سے زراعت کا کام خوب چلتا آپ تو خاص
 پالت کما کر بھی بسر کر سکتے ہیں دودھ دہی گھی کھن نہ کھائے تو کیا نقصان ہوگا۔ ہر دم
 بوجھے ہیں کہ ذبح وغیرہ میں ظلم مضمر کیوں ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ گائے بیل
 گھوڑا اگے جا بھیں وغیرہ سے کیسی کیسی محنت و مشقت لی جاتی ہے دن بھر مل
 جوت تے جوت تے جان پر فتنی ہے چرسا کینتے کینتے دم جاتا ہے۔ ہزاروں من کا
 بوجھ چمکڑو پنر لا کر لیجاتے ہیں۔ اینٹ پتھر کنکر ڈھونڈتے ڈھونڈتے دم نکلتا ہے سواری
 میں کام دیتے ہیں۔ یہ ظلم آپ حضرات تھوڑا سمجھتے ہیں عقل کے نزدیک تو اس زندگی
 سے حساب کا ظلم ہزار درجہ بہتر ہے کہ دفعتاً تھوڑی سے تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کیوں
 راحت میں ہو جاتے ہیں پس بمقابل ان تکالیف بکے ذبح کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے
 اور عین انصاف ہے۔

گوشت خوری کے معنی تو نہیں امریکہ میں ایک کتاب بنام ذندہ مندر (مصنفہ ڈاکٹر
 گیلانگ سارمب) جو شیلنگ کے مشہور و معروف ڈاکٹر ہیں اور طبی سپرنٹنڈنٹ
 ہیں، میں لیتے ہیں جسکا تلخ یہ ہے کہ وہی چیزیں کھاتے ہیں اچھی ہوئی حب کو
 قادر مطلق نے انسان کے استعمال کے لیے مخصوص کیا ہو۔

پس کہتے ہیں اس قدر قی نظام سے گریز کرنا ہمارے لایحی ڈاکٹر صاحب کی نظر میں کسی نہ کسی طرح کی خودکشی ہے اور ہمارے سپہ کرنے والے نے جو میوہ جات اور دیگر ارضی پیداوار کے لیے ہمارے جسم کے لیے منظور کرتا ہے اور جو راہیں ہمارے لیے قائم کر دی ہیں اون سے گریز کرنے پر بھی یہی حالت صادق آتی ہے یہوس کی کتاب سپہ ایش باب اول آیت ۲۹ میں خدا فرماتا ہے "دیکھو میں ہر ایک جیدار نباتات جو تمہارے، دے زمین پر ہے اور ہر ایک درخت کو جو حبیبہ اریمل ہے دیتا ہوں اور یہ تمہیں کھانے کے واسطے ہوگا، سائنس نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی اصل غذا یہ ہے۔ اشیاء میں بقول بعض مشہور سائنس دان کے یہ غذائیں واضح طور پر انسان کی بناوٹ کے موزون ہیں انسان کے ہاتھ پر معدہ استریان غرض تمام جسم اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اعلیٰ غذا زمین سے سپہ اہونے والی اسطے اشیاء کی ہوتا ہے اور میوہ جات ترکاریاں و دیگر خشک میوہ جات ہوں۔

پولیس رسول اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "پس تم کھاتے پیتے یا کچھ کرتے ہو یہ خدا کے لیے کرو، پس ظاہر ہے خدا کے حلال کے لیے کھانا پینا اگر ممکن ہے معرفت اس طریقہ سے کہ وہی چیزیں کھائی جاویں جو خدا کے لیے سپہ انا ہیں اور جو سپہ ایش کے وقت خدا نے خاص کر انسان کے پرورش کے لیے مخصوص کر لے اسکو حلال میں مناسب غذا۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو امراض پیدا کرے کمزوری لاوے اور زندگی کو تباہ کرے جیسا کہ پلٹے تو تین کمزور کر دے بد اخلاقی پیدا کر دے یا کسی اور طرح خدائی شبہ کی حسن شائین فرق لاوے یا اس زندہ جاوید مندر کو بے ناک کر دے۔ نہ وہ غذا مناسب کسی جاسکتی ہے جس کے لیے عید تکلیفات پہنچائے جاتے ہوں اور اس قدر کثرت کے ساتھ بائیں قربان کیجاتی ہوں جیسا کہ جانوروں کا گوشت اپنی غذا بنائیں کرنا ہوتا ہے۔

زندہ جاوید مندر کی تعمیر میں لا پرواہی۔ مذہب انسان جیسے لا پرواہی کے ساتھ اپنے ہاں مندر کی تعمیر میں مشغول ہوتا ہے وہ کچھ ویسی ہی حالت ہے جیسے کہ جنگلوں کے رہنے والے جاہل وحشی اپنے گزارے کے لیے عارضی جھوٹری سٹا بسڈ بنا لیتا ہے جس طرح کوئی وحشی اپنا جھوٹرا ان چیزوں سے تیار کر لیا کرتا ہے جو اسکو قرب میں

ملنے میں یا بلا لحاظ اس کے پائیدار شیا کثرت کے ساتھ دستیاب ہو سکتے ہیں یہی طریق
 سے بفکر انسان اپنے جسم کو ان غذاؤں سے تیار کرنا چاہتا ہے جو بہ آسانی اس کو دستیاب
 ہوتے ہیں یا جو اس کو کمانے میں اسے معلوم ہوتے ہیں اور جن کو وہ شوق کے ساتھ کھاتا ہے
 اور جیسا کہ وہ چیزیں اس کے خلق میں پھونچی ہیں یا مبتلاک زبان اس کا مزہ چکیتی رہتی ہے
 تو وہ پھر کھانے پر کھانا ہے مکنات کے تغیر کے متعلق غور و فکر میں جستجو وقت صرف
 کیا جاتا ہے اور جس احتیاط کے ساتھ پائدار اور مناسب شیا بہت کم مذہب مرد و عورت
 متعجب کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر اس کا دسواں حصہ بھی اس زندہ مندر کی تعمیر پر غور کرنے میں
 صرف کیا جاوے تو غذا کے متعلق آجکل جو عادات پڑی ہوئی ہیں اور جو رواج قائم ہیں سہیں
 کھائی انقلاب نمودار ہو سکتا ہے۔

انسانی مندر۔ یہ لاثانی مندر جو ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک دنیا کو حیرت میں نہ آئی ہو
 ہے جس کا لاثانی دنیا کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا اور یہ گویا اس اصلی مندر کی شکل ہوا اور اس کی جانب
 اشارہ ہے جو ہاتھوں سے بنا ہوا نہیں ہے۔

جسمانی مندر کا تعمیر کرنا لامتناہی ہے لیکن اس کے لوازمات مہیا کرنے کی تمام دستہ داری
 انسان پہلے جب کسی آپ کمانا کھانے بیٹھے ہوں اور جو کھانے آپ کے سامنے چنے ہوئے
 ہوں اپنی خدائی برکت عطا ہونے کے لیے دست برد ہوں تو کیا آپ اس وقت بھی سوال
 کیا ہوگا۔ کیا وہ خدائی قوتیں جو میرے جسم میں اپنا فعل دکھا رہی ہیں وہ خدائی روح جو
 میری زندگی ہے ان چیزوں سے جو میرے رو برو چنی ہوئی ہیں نفیس۔ جو بصورت۔ اور
 ویرانہ۔ دماغ۔ پیٹے۔ رگین۔ ٹہپان۔ ہنا سکتے ہیں جو قابل اعلیٰ خیالی۔ اعلیٰ حسانات
 شریفانہ افعال اور ایمان داری کے ساتھ خدا کو اس کی دستکاریاں اعلیٰ نمونہ دیکھنے کے
 قابل ہوں اگر آپ نے ایسا نہیں کیا ہے تو میں آپ سے ملتی ہوں کہ کیا یہ ایسے سوال
 نہیں ہیں جو بحیثیت عاقل انسان آپ کے حق میں خالی از محاسبی نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا
 کے بنایا ہوا ہونے کا آپ کو ناز ہے اور آپ کا اس اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ آپ خدا کے
 نائب اور قاصد ہیں۔

خدا کی شان کے لیے کمانا پنا۔ ان اہم واقعات کے موجود ہوتے ہوئے کیا ہر ایک
 انسان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اس امر کا لحاظ رکھیں کہ ان کو خدا کی شان کے لیے

کھانا پینا لازم ہے نہ کہ اسکے بنائے ہوئے مندر کے ناپاک اور برباد کرنے کی غرض سے
جو انسان اسکے خلاف عمل کرتا ہو اسکے لیے یہ کتنا مسیح نہ ہو گا کہ دو جہنم میں جانے
کے لیے ہے ایسے کھانے پینے کا نتیجہ ہم اپنے گرد و سودھ جسم کے شاکی۔ گھسیا میں مبتلا
مقوق۔ غلی زود۔ فائر العقل۔ اور ایسے ہی دیگر امراض میں مبتلا جماعت عظیم
کو دیکھتے ہیں۔

والو کیونکر مضبوط کرنا چاہیے۔ تاکہ خون اپنا فعل درستی کے ساتھ دکھاوے صرف
یہی ضروری نہیں ہے کہ اس غرض کے لیے غذا کا جزو عمدہ ہو اور خراب ہشیا سے
پاک ہو بلکہ دل کی عمدہ حرکت کے ذریعہ سے وہ خوب و زرخش کرے دل بھی مانند
جسم کے دیر پیوں کی ورزش سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ کابل اور ہر وقت سیٹھے
رہنے والے آدمی کا دل ہمیشہ کمزور رہتا ہے اور یہی خاص وجہ ہے کہ جب ایسے آدمی کو
کو کوئی غیر معمولی محنت کرنا پڑتی ہے تو اکادمی بہت جلد بھول جاتا ہے۔ جو ورزش
دوڑنے میں ٹانگوں کو مضبوط و رکشی کیلئے میں بازوؤں کو قوی بناتی ہے
دل کو بھی اس طرح مضبوط بناتی ہے کہ اسکو مجبور کرتی ہے کہ ضروری مقدار خون
جو رگوں و پیچوں میں پہنچاتا اور بعد ازاں صفائی کے لیے پھیرون تک پہنچاتا جو
اسکے لیے وہ بھی کافی طور پر حرکت کرے جو لوگ کمزور ہوں انکو لازم ہے کہ تکلیف
وہ ورزش سے پرہیز کریں لیکن کسی ہوشیار سے اس معاملہ میں تربیت حاصل
کریں۔ ابتدا میں معمولی قسم کی ورزش شروع کریں اور بعد ازاں روز بروز بستر تہ
پہنچوئے زیادہ کام لینا شروع کریں۔

خون کی صفائی۔ خون اس طرح صاف نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی شے دغل کیجاوے
بلکہ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اس میں سے کوئی شے خارج کیجاوے پانی نہایت
ناپاب صاف کرنے والا خرو ہے اور اسکا استعمال آزادی کے ساتھ خون کی صفائی
کے لیے لازمی ہے خون کو گہیوں کے ذریعہ سے صاف بنانا اسقدر مناسب ہے
کہ کسی میلے پیلے قبض کو یا کسی اور میلے کپڑے کو ایسے ہی طریقے سے صاف
کرنا ہستدر ہے۔

خون کے ذخیرے۔ جو آدمی کے جسم میں خون کے ذخیرے بہت ہوتے ہیں۔

شاید دوسے زمین پر جب قدر بنی نوع انسان ہے اوسے میں ہزار گنا زائد ذخیرے ہیں یہ اس قدر
 چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک انچہ کی لمبائی میں دو ہزار پانچ سو سے لیکر تین ہزار پانچ سو تک
 پائی جاتی ہے۔ لیکن شمار میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس قدر زیادہ ہیں کہ قریباً بتین ہزار
 فیٹ مربع کو گھیرے ہوئے ہیں جو ایک ایکڑ کے چھ حصے سے زیادہ ہوتا ہے یا انسان
 کی جلد کے قبضہ سے ایک ہزار چھ سو گنا ہے۔ اگر انسان کے جسم کے خون کے
 ذخیرے ایک خط مستقیم میں جمائے جاوے تو وہ طول میں اس قدر ہونے لگے کہ چھ مرتبہ زمین
 سے گزر لیٹے جا سکیں گے۔ پھر ان کے ہر ایک جہاں زندہ مخلوق ہے اس کی زندگی
 جہاں گار ہے وہ خون کے دھاریں اس طرح بڑھتا کام کرتا سانس لیتا اور پردوش پاتا ہے
 جس طرح پھلی پانی میں یا پرنہا ہوا میں زندہ رہتا ہے۔ ہر ایک خون کے ذخیرے کی زندگی
 چھ ہفتہ کی ہے۔ ناظرین اب ذرا ایک لمحہ کے لیے انکی وقعت پر غور کیجیے۔ ہر چھ ہفتہ کی
 مدت کے بعد ان حیوان زندہ مخلوق میں سے ایک ضیعت ہو کر مر جاتا ہے اور جہاں ضرورت
 ہوتی ہے کہ اس کی جگہ دوسرا زندہ مخلوق نشوونما پاوے۔ اس کو دوسری طرح یون بتا سکتے ہیں
 کہ ہر چھ ہفتہ کی مدت کے بعد کردہ خون کے ذخیرے از سر نو پیدا ہونا چاہئیں۔
 خون پیدا کرنے والی غذائیں پاک و صاف خون پیدا ہونے کے اول مرحلہ میں
 پہلے کہ غذا پاک و صاف ہو۔ نہ خون کی قسم غذا ہو اور نہ ایسی غذا کہ جسم میں ہو
 اگر جسم میں خون نہایت ہی کم ہو گیا ہو تو ایسی غذا استعمال کرنا چاہیے جس میں پروٹین
 مادہ زیادہ ہو ایسی قسم کا مادہ بہت سے قدرتی غذاؤں میں جو خدا نے انسان کے ہستیا کے
 لیے پیدا کی ہیں بکثرت پایا جاتا ہے مثلاً انکے نہایت عمدہ چیزیں اس غرض کے
 لیے باوہام اور تمام اس قسم کے میوہ جات خشک تر ہیں کہ جب کاچلا تو زکری نہ نکلتے
 اگر آدھ سیر اس قسم کے پھل استعمال کیے جاوے تو بمقابلہ پانچ پونڈ نہایت نفیس گوشت
 کے انہیں خون پیدا کرنے والا مادہ زیادہ ہو گا۔ اور نہایت نفیس خون پیدا کرنا والے
 اشیاء میں جنہیں اپنے وزن کی پانچ حصے سے زائد خون بنانے والا جزو ہوتا ہے اور ان اشیاء
 کا ایک پانچو تین پانچ گوشت کے برابر ہے۔

سرد پانی سے غسل کرنا خون بڑھا دیتا ہے۔ چند سال گزرنے پر و فیسروں سے متاثر صاحب
 سالن دیکھنے پر یا منت کیا تھا کہ سرد پانی سے غسل کرنے میں یہ خوبی ہے کہ خون کے

ذخیرے کثرت کیساتھ شمار میں ناپید ہوا جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ حصہ یا اس سے زیادہ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کتاب زیر روپ کے مصنف نے بھی امتحان کیا اور نتیجہ وہی ثابت ہوا جو کہ پروفیسر صاحب نے بیان کیا تھا۔ بمقابلہ سرخ ذروں کے سفید ذرے ہشتکے پسہ اہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو دو چنہ ہو جاتے ہیں اور یہ اضافہ سر دپانی سے غسل کرنے کے نصف گھنٹہ کے بعد ہی نظر آتا ہے۔

ترکاریاں و گوشت۔ ترکاریاں انسان کے جسم میں جستی جمج رکتی ہیں گوشت ہلکا صرف کرڈالتا ہے ترکاریوں کا استعمال ایسا ہے کہ گویا غذا جسم میں جمج ہے اور گویا گھاؤ والا۔ انسان جو وقت محنت مشقت کرتا ہے تو بہتے مختلف زہریلی اشیاء خارج ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ ریل کے انجن سے راکہ چنگاریاں اور دھواں نکلا کرتا ہے انسان کے جسم سے زہریلی نئیس اور مختلف قسم کے اور مادی پھیرون۔ جلد۔ آنتوں یا پاخانہ پیشاب کے ذریعہ سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ انسان کے جسم میں نصف جلد ہوئے۔ کوئٹے کی جگہ (یورگ الینڈ) ہے یہ ایک سیارہ ہے جو شہیا۔ یا بانی پیدا کر دیتا ہے۔ مختلف قسم کی کالکلی بھی پیدا ہوتی ہے جو آنتوں کو سخت کر دیتی ہے۔ قبل از وقت انسان غلیظ ہو جاتا ہے اور فالج و دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے جانور و نر کا گوشت خواہ کیسا ہی نفیس کیون نہ ہو امین سے اس قسم کے زہریلے مادہ کثرت کیساتھ ہوتے ہیں جو وقت جانور ذبح کیا جاتا ہے یہ زہریلی مادہ باہر نکلنا موقوف ہو جاتے ہیں لیکن بعد ذبح ہو نیلے بھی انکا پیدا ہونا موقوف نہیں ہوتا۔ گوشت۔ جب کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے یا سر برکونی سے مارا جاتا ہے تو اسکا تمام جسم دفعہ مر نہیں جاتا ہے۔ اولادہ بے ہوشی جاتا ہے لیکن اس کے رگ ٹپے گئی گھنٹہ تک ورنہ رہتے ہیں اس عرصہ میں زندہ رگ و ٹپوں کی حرکت اس غذا کو خون کے ذخیروں کے قریب ہوتی ہے معجم کرتی ہے اور وہ فضیلت پیدا کرتی ہے جو زندگی میں فوراً ہی کئی طریقوں سے خارج ہو جاتے ہیں جب دل کی حرکت سنبھ ہو جاتی ہے صفائی عمل بھی موقوف ہو جاتا ہے اور زہریلے مادے جو جسم تیار ہوتے ہیں جمع ہوتے ہیں اور زندہ رگوں میں اس قدر جذب ہو جاتے ہیں کہ اگر کالکلی جانور بالکل مر جاتا ہے پس مردہ جانور کے گوشت میں بجز زہریلے خون اور

زہریلے عرق کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

گوشت کا استعمال شہال پہ اگر تلبہ۔ بوجہ بات مندرجہ بالا یہ امر بیان ہے کہ بلا اپنے جسم میں زہریلے مادے و فضلات بکثرت پیدا کیے ہوئے ایک مخلوق کا دوسرے مخلوق کے گوشت پر بسر کرنا ناممکن ہے جب یہ فضلات جمع ہوئے جاتے ہیں مخلوق کی زندگی و چالاکی میں فرق آتا جاتا ہے جس طرح کہ جس تنور یا چولہے میں راکھ آتا ہو جاتی ہے اگ روشن نہیں رہتی۔ پس ظاہر ہے کہ گوشت استعمال شہال کی ان حالتوں کو بہت جلد پیدا کر دیتا جن کا نظام ضعیفی اور موت ہے ہے اس لئے (۱) از اخبار ربنہ دستانی لکھنؤ نمبر ۵ جلد ۲۲ بابت ماہ فروری ۱۳۱۹ء)

۲) اگر صاحب موصوف کے اس کل بیان سے چہند آیات حفظان صحت کی نسبت ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) قدرتی غذا کا استعمال لازم ہے۔ خلاف میں اس کے مضرت ہے۔

(۲) قدرتی غذا اشیائے ارضیہ میں میوہ جات وغیرہ۔

(۳) وہ غذائیں جو جسمانی یا اخلاقی مضرتیں پیدا کرتی ہیں ممنوع ہیں۔

(۴) وہ غذائیں جن سے یہ جیسہ تکالیف ہو چکے ہوں اور کثرت سے جاتی ہیں قربان کی جاتی ہوں استعمال انکا منع ہے۔

(۵) زندہ جاوید مندر کی تعمیر میں لاپرواہی نہ چاہیے۔

(۶) انسانی مندر خدا کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے اور ایسی کسی کار یا دیگر کائنات ہے۔

(۷) انسان کو اپنے جسم کے تئیں ہلکا نہ بنانا چاہیے۔

(۸) آئندہ کے ساتھ کھانے پینے میں انسان مبتلا یہ امراض ہو جاتا ہے۔

(۹) دلکی مضبوطی عند تلبہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ ورزش سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جو غذا سے ہوتا ہے۔

(۱۰) خون کی صفائی بھی تغذیہ وغیرہ سے نہیں ہوتی بلکہ اخراج کثافت سے ہوتی ہے۔

(۱۱) جسم انسانی میں لگو کھا خزانہ خون کے ہیں وہ سب ذیروح ہیں بہت

جلد فنا ہو جاتے ہیں۔ لہذا بجائے خزانہ قافی کے وہ ہر اخزانہ پیدا کر نیکی ضرورت ہے۔

(۱۲) گوشت سے زیادہ اور میوہ جات میں خون پیدا کر نیکامادہ موجود ہے۔

(۱۳) سرد پانی سے فصل کر نہیں بھی خون زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۴) جسم حیوانی میں صد ہا زہریلے مادے ہیں جو ریاضت کی وجہ سے دفع ہوتے ہیں بدین ریاضت اور زہر و نکاح دفع ہونا ممکن نہیں۔

(۱۵) ذبح کرنے سے حیوان کے وہ زہریلے مادے خارج نہیں ہوتے۔

(۱۶) بعد ذبح ہونے کے بکثرت زہریلے مادے کئی گھنٹہ تک پیدا ہوتے رہتے ہیں اور سبب اسکا یہ ہوتا ہے کہ رگت چھون کی حرکت اس غذا کو چھ خون کے ذخیران کے قریب ہوتی ہے ہضم کرتی ہے اور وہ فضلات پیدا کرتی ہے جو زہر کی مین گرج ہوتے تھے اب نہیں خارج ہو سکتے پس اذ نکا کھانا زہر کھانا ہوا۔

(۱۷) گوشت کا استعمال اضحلال پیدا کرتا ہے۔

ہمکو ان سب ہدایات سے اختلاف ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض ہدایات میں کلام ہے

ہدایات نمبر ۲-۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹ میں ہمکو کچھ کلام ہے اب ہم ہر ایک کو سلا

بیان کرتے ہیں غور سے سماعت فرمائیے۔

(ہدایت نمبر ۲) قدرتی غذا کا انحصار میوہ جات وغیرہ میں یہ غیر مسلم ہے (میں ہمکو

کلام نہیں کہ میوہ جات و پھلیاں ضرور قدرتی غذائیں ہیں لیکن گوشت بھی

داخل غذا ہے جیسا کہ بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے دانتوں کی بناوٹ اس

امر کو ثابت کر رہی ہے۔ اور قطع نظر اسکے سوائے بعض ہندو کے جملہ مذاہب میں

گوشت خوری کی ہمو اجازت دیکھی ہے۔ پس گوشت کا قدرتی غذا ہونا

مذہب پر اعتراض کرنا ہے ضرور ہمکو ہر مذہب۔ اجازت و بناوٹ (سوائے مذہب

ہندو کے) گوشت خوری کی اور یہ بین دلیل ہے اس امر کی کہ گوشت بھی قدرتی

غذا ہے اور ضرور جائز و مباح ہے اور کسی چیز کے جائز و مباح ہونے سے یہ

مطلب نہیں ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ اوسکا استعمال ہی کرتے اور ترک گنہگار

ہوں۔ اگر کسی وقت میں گوشت کی بضررت ہمارے واسطے ثابت ہوگی اور نہ

ضرور شریعت ہماری بجائے اباحت حرمت کا فتوا دے گی۔

(ہدایت نمبر ۴) گوشت خوری کا اسوجہ سے حرام ہونا کہ اس میں بید جانہ نیکان

ہے یہ بھی استدلال غلط ہے۔ ہر پرچتے ہیں کہ جانوروں میں ہر ذی روح مساوی ہے ہر حشرات الارض، حیوانات موزیہ، وہ حیوانات جو عفت ہو اسے پیدا ہوتے ہیں اور سبکا مارنا بھی ناجائز و ممنوع ہونا چاہیے ہر گز ایسا نہیں ہو بلکہ عقل ہماری ان حیوانات کے مادی اسنے کا حکم کرتی ہے کیا صحت جسمانی انسان کیواسطے کوئی صاحب صفائی آب و ہوا کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں ہر آب انسانی صحت کیواسطے صفائی آب ہوا کرینگے۔ تو ضروریہ صفائی اور حیوانات کی فنا کا باعث ہوگی جو رداست ہو اسے پیدا ہوتے ہیں اور کثرت اور حیوانات کی بفرلہ انسان کے ہزار گنی ہوتی ہے چند نفوس انسانی کی صحت کیواسطے ضرور ہا بلکہ سنگنا ذی روح صفائی آب و ہوا کے ذریعہ سے آپ فنانا کر دیتے ہیں اسکو کیوں جائز قرار دیتے ہیں اور کیوں نہیں ظلم قرار دیتے۔ اور اس سے زائد یہ ہے کہ بقول دینا خد صاحب میں مت والے لوگ پانی گرم کر کے پیتے ہیں جسمیں لاکھوں کیڑوں کی جان جاتی ہے اور گویا دو آتش مارا لگتا ہو جاتا۔ چار درارہ صاحبان آتما گو ندرتے اور روئی پکاتے اور گوشت نہ سہی پھٹنے کی دال ہی سہی آخر پانی سے پکاتے ہوئے صوابوری پوری یہ تمام چیزیں پانی ڈال کر بھی میں تمسبار کرتے ہیں یہ تمام چیزیں پانی ڈال کر جو پکائی جاتی ہیں بیشمار کیڑے ان میں کباب ہوتے ہیں اور جالٹے کے موسم میں اشنان کے لیے پانی گرم کیا جاتا ہوگا جسمیں لاکھوں نیزافو خون ہوتا ہے ہر کیا یہ گوشت خوری اور ظلم نہیں ہے۔

(ہدایت نمبر ۱۵) ذبح کرنے سے حیوان کے وہ زہریلے مادے خارج نہیں ہوتے۔ اس ہدایت سے بھی پورا اتفاق ہلکو نہیں ہے۔ کیونکہ ذبح کرنے سے خون کے کل ذخیرے نکل جاتے اور ان میں ذخردن کیوجہ سے بکثرت زہریلے مادے پیدا ہوتے رہتے تھے بلکہ جسم انسانی و حیوانی میں خون ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ سمیت کو ہٹنے کے قبول کر کے تمام جسم کو موسم بنا کر ہلاک کر دیتا ہے ہر زہریلے اثر جسم پر خون ہی کیوجہ سے ہوتا ہے اور یہ دعویٰ ہمارا بدیہی ہے اور محتاج دلیل نہیں۔ پس جب جو حیوانی سے اخراج خون کرادیا جاوے گا تو جسد زہریلے مادے

اُس جہم میں ہیں وہ ضرور خون کے ہمراہ زائل ہو جادینگے اور گوشت بالکل مٹا
و نفع رچا دے گا اگر کچھ نہ ہرٹے مادے باقی بھی رہ جادینگے تو انکی اصلاح
کئی طرح سے ممکن ہے۔

(۱) آگ کے ذریعے سے ضرور آگ گوشت کو جلا کر ہوا اور بخارستان میں اونکے
نہ ہرٹے مادوں کو تبدیل کر دینگی۔

(۲) نمک یا پیاز، لسن، دھنیا، دہی۔ روغن زردیہ چیزیں گوشت میں بطور
مصلحہ کے عادتاً شامل کیجاتی ہیں بہت کچھ اصلاح گوشت کی ان مصالحوں
کے ذریعے سے ہو جاتی ہے۔

(۳) زکامی، و بقرہ دست لگی اکثر گوشت میں شامل ہوتے رہتے ہیں ان سے بھی
اصلاح ہوتی ہے۔

(۴) سب سے زائد گوشت کی اصلاح خدا کا نام لینے سے ہوتی ہے بسبب بوقت
ذبح و غرہ و یشیم اللہ و یا للہ واللہ اکبر کہتے ہیں تو خداوند کریم ہمارا خود حافظ
ہو جاتا ہے۔ خدا کے ماننے والوں کو تو اس بیان سے ہمارے ہرگز اختلاف ہوگا
ضرور خدا سے اگر اتنا اپنی حفاظت کی کیا دے تو حفاظت کریگا۔ اب غافلین جو
خدا ہی کو نہیں مانتے اونکے واسطے اس پر مذکور بالا ہی کافی ہیں اب ہم پوچھتے ہیں
کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی التجا اور تنہا کیا اسلامی طریقہ میں نہیں ہے حقیقت
اسلامی شریعت میں خدا سے برکت طلب کرنے کی خواہش اور کھانا دیکھ کر
اوسکی نعمت کی شکر گزاری اور کھانا کھا کر بھی اوسکی حمد و ثنا اسلام میں ہے کسی
دوسرے مذہب میں آپ نہ پاویں گے۔ بوقت ذبح حیوان بھی خدا ہی کا نام لینے میں
کھانا کھاتے وقت بھی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہہ کر کھانا شروع کرتے ہیں۔
جب کھانا کھا کر خاموش ہوتے ہیں اوسوقت بھی ”الحمد للہ رب العالمین“ کہتے
ہیں۔ اور عطا و دیندار لوگوں کا تو ذکر ہی نہیں وہ تو سورہ لایلاف“ دسورہ

حمد و بہت سی اور بھی دعائیں پڑھتے ہیں۔
(۵) گوشت کی اصلاح پانی سے بھی بہت کچھ ہوتی ہے جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب
فرماتے ہیں ”پانی نہایت ہی نایاب سمانت کر نیوالا جزو ہے اور اسکا استعمال

آزادی کیساتھ خون کی صفائی کے لیے لازمی ہے ۴

(ہدایت نمبر ۱۶) بعد ذبح کئی گھنٹے تک زہریلے مادوں کا پیدا ہونا۔ اس دلیل سے کہ رگے پھٹوں کی حرکت اور اس غذا کو جو خون کے ذخیروں کے قریب پڑتی ہے ہضم کرتی ہے اور فضلات اس کے خارج نہیں ہوتے۔ یہ بیان آپکا اور صوف جمع اور لایق تسلیم ہے جب تک حیوانات کو ذبح نہ کریں اور ذخیرے خون کے ان کے جسم میں باقی ہوں۔ اور حیوان مذکور میں یہ تباہی آپکا صحیح نہیں ہے ہوا سے کہ خون کے ذخیرے حرکت ذبح کر کے سب سے جسم حیوانی سے نکل جادیتے تو بہت کچھ وہ غذا بھی اوس کے ساتھ نکل جادیتی جو خون کے ذخیروں کے قریب ہے۔ اور بالفرض اگر کچھ باقی بھی رہ جادے تو اصلاح اوسکی امور مذکورہ بالا سے ہوجاتی ہے البتہ گلا گھونٹے ہوئے جانور میں یہ احتمالات ہو سکتے ہیں (ہدایت نمبر ۱) گوشت کا انحلال پیدا کرنا۔ یہ بھی مسلم نہیں کہ عام گوشت انحلال پیدا کرتا ہو ذبح کا گوشت انحلال نہیں پیدا کرے کیونکہ زہریلے مادوں کی اصلاح ہوجاتی ہے البتہ مضعت جگر ضرور ہے۔ اور بالفرض انحلال بھی پیدا کرتا ہو تو ہم پوچھتے ہیں دنیا میں کون دوا یا غذا ایسی ہے جو ہر طرح سے نافع ہو اور ہر وقت میں نافع ہو۔ کچھ نہ کچھ مضرت یا خاصہ ہرے میں موجود ہے جسکی اصلاح کبھی از خود آب و ہوا سے ہوجاتی ہے، اور کبھی طبیعت اور کبھی اور اشیا کے ذریعہ سے۔ اس طرح سے گوشت بھی ہے۔

۵) البتہ یہ سب مضرتیں گوشت بینہ میں ضرور ہیں چنانچہ حسب ہدایات ڈاکٹر صاحب موصوف مردہ جانور یا وہ جانور جسکا خون جسم سے بذریعہ ذبح نہ نکالا جادے اوس کے جسم میں خون کے ذخیرے موجود رہینگے اور زندہ ذخیرے موت حیوان کر کر کے جسم حیوان میں باقی رہینگے اس کے باقی رہنے سے مختلف مضرتیں ہونگی۔

(۱) وہ زہریلے مائع جو جسم میں ہوتے ہیں ان کے اخراج کی کوئی سبیل نہیں۔

(۲) رگ و پٹے کے کئی گھٹے زندہ رہنے سے اور اسکی حرکت اوس غذا کو جو خون کے ذخیروں کے قریب ہوتی ہے ہضم کر کے فضلات پیدا کرینگے اور بکثرت ایسے فضلات ہضم میں باقی رہینگے۔

(۳) خون ہیکے ذریعہ سے سمیت تمام جسم تک پہنچتی رہتی ہے اور وہی خون جو سمیت کو قبول کرتا رہتا ہے جسم میں باقی رہیگا جو ہر وقت زہریلے مادہ کو جذب کرتا رہیگا۔

(۴) اگر حیوان میں پہلے سے کسی زہریلے مادے سے ذریعہ خون سمیت کی ہوگی تو وہ بھی اس کے جسم میں باقی رہا دیتے اور خارج نہ ہو سکیں گے۔

ہر حال جس قدر گوشت میں مضر مین طبعی و عقلی ثابت کیجیے وہ سب حیوان مردہ میں بہت ذبیحہ کے بدرجہا ناپید ہو جاتی۔ پس حیوان مردہ کا استعمال کسی طرح سے طباً جائز نہ ہوگا اور اسلام سے زیادہ وہ قومیں مورد اعتراض ہو جاتی جو بدون خون نکلے حیوان کا استعمال کرتی ہیں شریعت اسلام اس اعتراض میں بھی اور قوموں کی پشت سے پیچھے رہی ہوئی ہے۔ اور قون گوشت خوری میں بھی مصلح ہے۔

مسلمانوں پر یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ جب خدا گوشت پرست اور خون نہیں کھاتا تو قربانی کر کے بیفائدہ خون کیوں بہاتے ہو جو اب اسکا یہ ہے کہ بلا شک خدا کو احتیاج قربانی کی نہیں ہے بلکہ نہ وہ یہ پیسہ کا محتاج ہے نہ روزہ ناسخ ہمارے اسکو کوئی نفع پہنچتا ہے اور اسے یہ ہے کسی مذہب کی کوئی عبادت ہو خدا کو اس سے کوئی نفع نہیں ہے حالانکہ صدقہ و خیرات خدا کے نام پر ہر مذہب میں ہے ہر کیا خدا اس روپیہ پیسہ کو جمع کر کے اپنے مصرف میں لاتا ہے نہیں ہیجے اسکیا ہے اسی نے تو ہمکو دیاسے براپنے نام پر پیسے دیکھانے کی اسکو کیا ضرورت ہے اسے اسے ہوم وغیرہ سے خدا کو کیا نفع ہوتا ہے دیکھو اس قسم کے امور سے اصلی غرض خدا کی ہے کہ بندہ نیک اخلاق ہو خدا فی راہ پر دینے سے اسکو سخاوت کی اعلیٰ صفت سے متصف کرتا ہے قربانی اور خیر سے طعام امین کی عادت ڈالتا اور ساتھی اس کے یودیون اور ہندون کے بیان کے نام و لوط طریقہ قربانی کی اصلاح اور جو قومیں گاؤں مائے کی بکشتش کرتے ہیں اور گنہگار ہیں طریق سے کرتا ہے خدا فرماتا ہے انفقوا ما رزقنا کھربنی جو کچھ ہم نے تمکو دیا ہے ادین سے ہماری رضا جوئی کے لیے خرچ کرو پس سلطان برتا اس حکم کے اپنے مال کے بیع اقسام کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں چاندی سونا غلات حیوانات خیر زکوۃ دیتے ہیں اسے اسے قربانی بھی ہے نہ خدا سونا چاندی غلات وغیرہ لیتا ہے نہ خلق

اور قیون کے خدا کے لہو چاٹتا ہے۔

یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو قربانی و ذبح کی ممانعت ہے
 احرام میں شکار کیا جاتا ہے پس اگر یہ اچھے کام ہوتے تو خواہ مخواہ اس خانہ محترم
 میں اس کی رضا جوئی اس اچھے کام سے کرائی جاتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے
 کہ یہاں کا گھر غرب کے ایک کھٹے کی چار دیواری تک سے محدود ہے اور تمام روز
 زمین پر اور سکا کچھ گل زمین اسبطن سے احرام کی حالت میں شکار کھینے کی ممانعت
 ہے تو کیا عربی مینے کی خاص تاریخ مقرر ہو سکتی ہے جبکہ انسان کو بالکل بے انداز ہونا چاہیے
 اگر یہ عمل محدود تھا تو ہر مقام اور ہر زمانہ میں جائز ہوتا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ احرام کی
 حالت میں مسلمان ایسے ہوتے ہیں جیسے نماز کے اندر جو افعال نماز سے مخصوص ہیں
 اور علاوہ دوسرے فعل نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ جائز و مباح بھی ہو ہر مذہب میں
 بہت سے اعمال عبادت ایسے ہیں کہ جو مخصوص ہیں کل زمانہ سے پس کیا کوئی یہ
 کہہ سکتا ہے کہ ہر عبادت ہر وقت اور ہر مقام پر کیوں نہیں ہوتی جو خیرین علماء و
 صالحین ہر وقت میں کھانا پینا اور نکاح کرتے ہیں روزہ اور برکت میں اور کسی وقت
 سے سب طرح سے نیک و قربانی ہر وقت جائز کی گئی ہے لیکن حج میں احرام کے زمانہ
 میں اور خانہ کعبہ میں ممانعت ہے احرام کی حالت میں اور بھی بہت سے مخصوص حکام
 میں مثل شکار و شکار پناہ اپنی زوجہ سے دلی نکرنا جس کا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس
 وجہ سے دلی اپنی زوجہ سے ہمیشہ کے لیے ناجائز ہے اور سبیا ہو اگرچہ ہمیشہ بیت حرام
 ہے نہیں بلکہ ایک خاص عبادت کی جگہ اور ایک خاص عبادت کے زمانہ میں
 جیسے دیگر اشیاء و مباح بندہ اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اور خاص اپنی مشائستہ (یعنی
 حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور خانہ کعبہ میں ذبح و قربانی کی ممانعت) اور
 اس وجہ سے کہ جلاء نہ سمجھ لیں کہ درحقیقت شکار و قربانی بری شے ہے خدا نے سب طرح
 سے احرام اور بیت اللہ میں ممانعت کی شکار و قربانی کی اور سب طرح سے حکم تا کیدی
 دیدیا کہ مٹی میں پہو چکر ہر شخص ضرور قربانی کرے تاکہ جاہلون کا یہ خیال برطرف ہو جائے
 کہ قربانی ناجائز ہے دیکھو قربانی ضرور اچھی شے ہے مگر ہر اچھی شے کو یہ لازم نہیں
 ہے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ اور ہر مقام پر کیا جائے اور بیشک خدا ہر مقام پر موجود

اور ہر وقت ہر ایک کیساتھ ہے خدا فرماتا ہے مایکون من غیرے ثلاثۃ الا هو
 لا یغیر ولا یخسر الا هو سعادہ و سہولۃ و لا اذی من خالک و لا اکثر الا
 هو معہ و اینما کانوا۔ یعنی تم جہاں کہیں تین شخص ملکر بیٹھے ہو اور نہیں چوتھا خدا ہوتا
 ہے اور جہاں پانچ ہوتے ہیں چھ خدا ہوتا ہے اس سے کم خواہ زیادہ ہر حال وہ
 اونکے ساتھ ہے کہیں بھی ہوں پس کوئی مکان خدا سے قصور سے اور نہ کوئی
 زمانہ پس خانہ کعبہ ایک عبادت کی جگہ ہے جسے اسکو بیت اللہ عمارت کہتے ہیں
 اور شایدا انھیں سنوں میں دید کا پیشہ بھی ہے جہنم کی ترقی ہوتی ہے وہ پریشکاوین
 مالوت ہوتا ہے۔ (دیکھو بجز دیداد ہسای ۲۰ متر ۱۰) پس چونکہ خانہ کعبہ پاک و بزرگ
 ہے اور جو چیز پاک ہوتی ہے وہ بہ پاس ادب تا پاک چیز سے بچا یا جاتا ہے اگر ایسا
 نہیں ہے تو جس ادب سے عبادت گاہ میں جاتے ہو ویسے ہی پاخانے میں جایا کرو
 دیدی میں نجاست ڈالنے سے کیوں احتیاط کرتے ہیں آخر گھور سے پر نجاست لیتے
 ہیں کیا جو مجبور اُنسی میں رہتا ہے وہ گھور سے پر نہیں ہے وہاں بھی کبھی کبھی گچی
 پانی چڑھایا جاوے۔

یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ خون تا پاک شے ہے اور کوئی انسان اسکو نہیں کھاتا
 پر گوشت کہ جو خون کا ست ہر کیونکر استعمال ہو سکتا ہے یہ غلط ہے گوشت میں
 جو ہر فضلہ سب شامل ہے البتہ خون کا ست دودھ ہے اب یہ بناؤ دیا میں کون
 شخص ہے جو خون کو کھاتا ہو اور دودھ سے بچتا ہو جو چیز دودھ سے وہی خون
 ہے لہذا دودھ پینے سے بھی پرہیز چاہیے ورنہ گور کھانا اور گھلون سے پرہیز صلوٰۃ
 اس لحاظ غوری میں اسلام نے آزادی کو رد کیا ہے اور دو اصلا میں ایسی عقلم
 کی ہیں جو کسی مذہب کے واسطے ممکن نہیں ہوئے ہیں۔

(۱) شریع محمدی نے سوائے ذبیحہ کے اور ہر قسم کے حیوانات کو جو اپنی موت سے
 مرین یا اسکو دودھ کے عنوانوں سے مار ڈالیں میتہ قسار دیا ہے۔ اور ہر چیز
 کو نجس و حرام قرار دیا ہے۔

انسانی صحت کی واسطے کیسا مفید طریقہ جس سے بہتر دنیا میں کوئی طریقہ نہیں
 جو حیوان صحت و شہدہ درست ہو اور ہم اسکو امراض سے پاک دیکھ لیں اسکی

ذبح کر کے کھا دیں۔ اور جو حیوانات اپنی موت سے مرے ہیں زمین معلوم کون
 حیوان کس مرض میں مرے۔ یا اکثر سائب یا بھوکے کائے ہوئے۔ مر جاتے ہیں۔
 پس اگر مردہ حیوان بیکر کھا جائے تو زمین معلوم کس کس مرض میں مبتلا ہوئے۔ لہذا
 میںہنجری حرام ہوا اس سبب سے ہاتھ سے مار کر کھانے میں سوائے اس طریقہ معینہ کے
 جو شریعت میں ہے یہ خرابی ہوتی کہ۔ جاہلی قوم عرب کے ہرگز کھانا مانتے بلکہ مردہ
 خوری کرنا شریعت کر دیتے اور اصلی فشار سے شارح کے تجربہ ہو جاتے اس واسطے کہ کھانا
 گھونٹ کر مارتا۔ اور مردہ جانور کا کھانا یہ دونوں قسمیں ایک تصور ہوتی ہیں۔

دوسری لم ذبح کرنے کی یہ ہے کہ۔ خریعت اسلام میں امراض روحانی کو مردہ
 جسمانی سے زیادہ تر سخت سمجھا ہے اور صحت نفسانی کو صحت جسمانی پر مقدم جانتا ہے
 گوشت ضرور گرم ہوتا ہے اور طبیعت انسانی میں بالخاصہ دشت حیوانیت
 پہلا کرتا ہے۔ ذبح کرنے سے خواہ مخواہ خون جسم کا نکل جاتا ہے جسے اگرچہ گوشت
 کی قوت گھٹ جاتی ہے لیکن حرارت بھی اوسکی کم ہو جاتی ہے اور گوشت کی
 بہت کچھ اصلاح ہو جاتی اور بدون ذبح کے کل جسم کا خون ہرگز نہیں نکلتا پس بعد
 خون نکل جانے کے پر گوشت سے زیادہ مضرت کا احتمال نہیں رہتا اور مردہ
 نفسانیہ کو بھی مضرت نہیں رہتا۔ یعنی خواہش و خضہ اور دشت اوس گوشت کے
 کھانے سے کم ہو جاتی ہے۔ جیسا یون پر بھی اس کا۔ نافرمان ہے۔
 اور دلیل اس امر کی گوشت کا اثر نفس پر واقع ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ ہاتھ لونا
 سے معلوم و متیقن ہے کہ جو فائدہ اوس حیوان کا ہوتا ہے۔ ایسا ہی انسان
 انسان کا بھی ہو جاتا ہے۔

جیسے اطباء یونانی نے گوشت اسد کو مورت عجایب سمجھا ہے اور تجربہ بھی
 اوس پر مال پر ضرور فیض و غضب کا مورت ہوتا ہے۔
 گوشت لائق دائع موم بھی ہے۔ اور ذکاوت کو بھی بالخاصہ زیادہ کرتا ہے
 گوشت خنزیر کو یونانیوں نے مورت حرم شدید و فساد عقل و ذوال مردت کھا
 ہے اور اس پر بھی چہ ہشاد ہے یہ کل صفات خود خنزیر میں بھی ہیں اور جن قوموں
 میں استعمال اسے گوشت کا ہوتا ہے وہ سب بیدار ہست عقل ان صفات سے

متصف ہوتی ہیں۔ اس سلسلے سے اور حیوانات بھی ہیں جنکے صفات انسانین پیدا
 ہو جاتے ہیں اور نفس روح کیواسطے ضرور مضرت ہوتے ہیں۔ لیکن جہانگیر
 خون کے نکل جانے سے یقین ہوتا ہے کہ اب مضرت آئیں نہیں پڑا کرت
 ہم اور ان گوشتون کے استعمال کی اجازت دیکھی ہے اور جن جانوروں کی
 اصلاح ناممکن سمجھی ہے اگرچہ ہم اسکی مضرت سے ناواقف ہوں لیکن خلق
 اور انکا ضرور نفع و ضرر کو جانتا ہے اور کھانے ہنگو قطعی مانعت کر دی ہے کہ ہرگز
 اور ان جانوروں کا گوشت نہ کھاؤ۔ مذہب جیسوی میں بھی گلا گھونٹے جانور کے
 کھانے کی ممانعت ہے چنانچہ توریت کتاب اعمال پہلا باب میں ہے کہ "کیونکہ
 روح القدس کو اور ہمیں پسند آیا کہ ان ضروری باتوں کے سوا ہم پر اور
 کچھ بوجھ نہ ڈالیں کہ بتوں کے چڑھاوے اور لہو اور گلا گھونٹنے جانور کے
 کھانے اور حرام کاری سے پرہیز کرو اسے اگر تم آپکو بجائے رکھو گے تو خوب
 کرو گے سلامت رہو" دیندار عیسائیوں نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔
 (۲) اسلام کا اور ملت نہ یہ بھی احسان ہے۔ کہ اسکے ہنگو یہ بھی بتا دیا کہ کن
 جانوروں کے کھانے کی وجہ سے نقصان جسمانی و روحانی ہے اور کون سے جانور
 بے مضرت ہیں۔ ورنہ حضرت انسان تو ایسے بلا کوشش میں کہ کسی کو بھی
 نہ چھوڑے تاہم بدون کا ذکر نہیں ہے۔ تہذیب یافتہ لوگ مذہب مگن کے
 کیا کچھ نہیں کھا جاتے۔ امریکہ دیورپ جو تہذیب شایستگی میں اپنے آپ
 نظریہ سمجھے جاتے ہیں (کتاب سور، مینڈک، لال بک، گھونٹے، سمجھی کچھ تو زشی
 جان فرماتے ہیں۔ ہماری مذہب شریعت نے ان جانوروں کے کھانے کو
 نہایت گندگی و بد تہذیبی قرار دیا ہے۔ وسطے صدیوں کے عقلمندوں پہلی
 تو موٹو وحشی و ہایم صفت جانتے تھے جو بقدری اور آزادی سے ہر شے
 کھا جاتے تھے۔ اب تہذیب یافتہ قوموں کی بھی تہذیب کٹاتی ہے۔ اس
 آزادی سے ہنگو آئندہ نتائج کی فہم فہمی ہے کہ یہی حضرت انسان تہذیب
 پکارتے جاویں گے۔ اور انسان کا گوشت کانٹوں میں چمید جمید کر اور پھون سے
 ششپاشپ نوش کرینگے۔

اب شراب مسکرات کو ملاحظہ کیجئے جس میں طبعی و اخلاقی ہزاروں مضرین ہیں (جسکو آئینہ ہم بیان کرینگے) یہی مذہب قومیں کیسے اوسکو بے لگان استعمال کرتی ہیں۔ اتوار میں پاک دن ہے۔ اوس روز کاروبار دنیاوی کرنا ممنوع ہے۔ تمام دن یاد خدا میں رہنا مذہبی فرض ہے۔ گر جاگھر و زمین جانا گھر میں بیٹھا مذہبی کتب کا مطالعہ کرنا یا دھن میں گزارنا ہر عیسائی کا فرض ہے مگر انگلستان ہی میں اس پاک نیکو جو خاص مالک کی بندگی کیواسطے علیحدہ کر دیا گیا ہے شیطانی راج قائم ہوتا ہے۔ مسٹر اسٹڈ اپنے جدید اخبار میں لکھتے ہیں کہ شرابخواری لسنڈن میں کس قدر اتوار کو ہوتی ہے۔ اوتھون نے لسنڈن کا ایک بہت بڑا حصہ بلاڈنگٹن نام منتخب کیا ہے جس میں بیسے لوگوں کی زیادہ آبادی ہے۔ خوشحال و تعلیم یافتہ لوگ رہتے ہیں اوس میں (۵۹) گرجا واقع ہیں مگر (۲۴۹) شرابیخانے ہیں جن میں سے (۱۶۶) یکشنبہ کو بھی کھلے رہتے ہیں اپنے علیحدہ منو پلاٹی ہے علیحدہ ہمارے مذہبی ہیں۔ اس قصبہ کی شرابخواری کی حالت جانچنے کو (۵۵۰) افتخا خاص بطور جو ر مقرر ہوئے۔ کہ تمام گرجا گھر دن اور شراب خانوں میں جلنے والوں کی تعداد طبعیہ کر میں۔ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ بیالیس ہزار کی آبادی سے صرف (۳۴۳۱) مرد اور جو زمین تو گرجا میں گئیں اور (۱۲۱۷۵) شرابخانوں میں گئیں۔ نقد کی زیادتی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایک بار سے زائد گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں بیان کی گئی ہے کہ دو پڈنگٹن نام کے باشندگان سے جو گرجا دن کو گئے (۹۰) ہزار زیادہ مرد شرابخانوں کو گئے اوس تعداد کے (۱۰) کون سے جو گرجا گھر و نکو گئے (۳۶۳۹) شرابخانوں کو زائد گئے۔ غرض کہ یکشنبہ کو بھی شرابی باشندگان انگلستان شیطان کو اپنے اوپر مسلط کر رہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خبر باد کہ یہ زمین (از اخبار ہندوستانی لکھنؤ مورخہ ۳ فروری سنہ ۱۹۰۵ء نمبر ۵ جلد ۲) اگرچہ جملہ حیوانات کی حالت و حرمت۔ نزد اہل تعبد کے اور کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ دلیل تعبد بھی ہمارے اسطے حسن عقلی و فطرتی ہے۔ ہم سابقہ بیان کر آئے ہیں۔ اور کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا اوس کے حسن کو برطرف نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ بالاتفاق حساب و ہندسہ عقلی علموں سے ہے۔ پرکھنا ہی

کے نظر نہیں آسکتے جنکی شکل یہ ہے ۵ اسکو روندہ وارم کہتے ہیں یہ کثیر اندیشے
دیکر آگے بڑھتا رہتا ہے اور یہ نگہ اور سکی جگہ پر آجاتے ہیں اور یہ مرکز دوران
خون کیساتھ باہر نکل جاتا ہے اسوجہ سے یہ انسانی قذا کے قابل نہیں ہے۔

اسی طرح بعض دیگر حیوانات کو غور کرنے سے اور نہیں بھی بالخاصہ اخلاقی و طبی
مضر ترین پیدا ہوگئی۔ اور بعض میں اگرچہ ہماری عقل و تجربہ مضرت پیدا نہ کر سکے
لیکن حکیم کے منع کرنے سے ہمارے واسطے عقلاً اور سیطرے ممنوع ہے جیسا کہ
ڈاکٹر و طبیب کسی غذا یا دوا کے استعمال کو منع کرے اور ہم اس کے خاصہ
اور نفل سے بھی ناواقف ہوں لیکن استعمال اور سکا ہم عقلاً ناجائز ہوگا۔

اسی وجہ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تہ ہر شے کو خداوند کریم نے ہم پر اسوجہ
سے حرام کیا ہے کہ وہ خالق ہمارا بھی ہے اور ان اشیا کے غرض کا بھی۔ ضرور
وہ اس امر سے واقف ہے کہ اصلاح ہمارے اجسام کی کن چیزوں سے ہو سکتی
ہے جن اشیا سے اصلاح ہمارے جسم کی ہوتی ہے وہ ہم پر حلال فرمائی ہیں۔ اور
جن اشیا سے ہمارے ضرورت ہوگی وہ ہم پر حرام فرمائی ہیں۔ اور پھر بوقت ضرورت
جو وقت بدون ان اشیا کے اصلاح ہمارے بدن کی ممکن ہی نہواو سہولت
اور ہی حرام اشیا ہم پر بقدر ضرورت مباح فرما دے ہیں جیسے علاج و طفرہ میں
مذوق و مسلول کیواسطے یہ ضرورت شدیدہ سرطان کی خاک کھلانا یا دیکھنی اس کے
گوشت کی جبکہ علاج ہمارا نسخہ ہو اسی پر۔ پس اگرچہ بادی النظر میں ہم کو کسی
چیز میں مضرت محسوس نہ ہوتی ہو لیکن ممکن ہے کہ اوس میں کوئی مضرت ہو جسکو
خالق ہمارا خوب جانتا ہے۔

اور پھر کما عدالت۔ انصاف ہے کہ خدا نے بوقت ضرورت استعمال کو ان
عمرات کے بھی ہم پر مباح فرما دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ محض حفظان
صحت کیواسطے یہ اشیا ہم پر حرام ہیں اگرچہ ہم مضرت کو اسکی نہ جانتے ہوں۔
جیسا کہ حدیث مذکورہ کے تحت میں امام جعفر صادقؑ نے خود بعض اشیا کی حرمت
کی علت بیان فرمائی ہے لہذا ہے۔

(مبتدئ) اسوجہ سے حرام ہے کہ ضعف بدن کا مورث ہوتا ہے اور قوت جسمانی کو

زائل کرتا ہے اور قطع نسل کا موجب ہے۔ اور میت کھانے والے نہریں مگر مرگ مغالہات سے (خون) کے کھانے سے (ماہی صفر) ہوتا ہے یعنی صفی کی زیادتی کا موجب ہے اور خون آشام لوگ اکثر اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں جو کتے کے کھانے سے عارض ہوتا ہے اور مشاہیر کچنوں ہوتا ہے جسکو ہندی میں "بورھا" ہونا کہتے ہیں اور خون موجب قسوت قلبی ہے اور باعث ہے کمی مہربانی و رحم کا ستے کہ صلہ رحمی وغیرہ بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔

(گوشت خنزیر) اسوجہ سے حرام ہے کہ خدا نے ایک قوم کو شیخ فرمایا تھا مختلف صورتوں پر بیض بصورت خنزیر بعض بصورت شیمنون، بعض ریکی کی صورت پر۔ اسوجہ سے خدا نے ان جانوروں کے کھانے سے منع فرمایا تاکہ لوگ ان سے متغی نہ ہوں اور جس گناہ کی پاداش میں بیسرخ ہوئے ہیں اوس گناہ کی عفت کو جائیں۔

(خمر) شراب اور کل مسکرت کو اوسکے فعل سکر کی وجہ سے حرام فرمایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ شراب بخوار مشل بت پرست کے ہے (اسو سے نشہ بڑھا ایسے نشہ میں ہوتا ہے کہ یاد خدا اوسکے دل میں بالکل باقی نہیں رہتی اور خدا کو بالکل بھول جاتا ہے۔ پس جو خدا کو با اختیار خود چند ساعت بھی اگر دل سے بھلا دے اوسکا اسلام یا خدا پرستی ہرگز باقی نہیں رہتی) پھر فرماتے ہیں کہ خمر بخواری مورثِ رحمہ ہے۔ اور شراب بخوار بے مروت ہو جاتا ہے اور عارِ عالمی پر (بکہ جو عقلاً چیزیں حرام ہیں اونپر بھی) اوسکو نہایت حسارت ہو جاتی ہے مثل مثل عمد۔ دار کتابِ زمانہ اور فواض کے۔ اور شراب بخوار لا یعقل مانند شیمنون کے ہو کر بجز شر کے کبھی فیہر آمادہ نہیں ہوتا۔ اب انصاف فرمائیے کہ جو کچھ ارشاد ہوا ہے۔ کیسا درست و بجا ہے اب ہم کچھ امر کا قائل ثابت کئے ہیں۔

(میت) کیا میت ضعیف بدن کا باعث نہیں ہے ذبیحہ کو تو آپ نام رکھتے ہیں کہ خون نکل کر بالکل پھوک رہ جاتا ہے۔ اور جو مردہ ہو گیا اگرچہ اوسکے جسم میں

اجزاء کے دوسری موجود ہیں۔ لیکن اس کا دلیل یہ ہے کہ اذن اجزاء کی خاصیت ایسی ہے جو کہ قبل موت تھی۔ ضرور موت سے جسم فاسد ہو جاتا ہے اور آثار بدل جاتے ہیں۔ اور دلیل قوی اس پر یہ ہے کہ قبل موت اس خون سے اعضا بنیں نشوونما ہوتی تھی۔ اور جن اعضاء میں یہ خون دورہ کرتا تھا وہ اعضا با حس و حرکت رہتے تھے مرنے ہی خون جذب ہو جاتا ہے اور صحت و حیاتیات کے کل احکام اس پر سے زائل ہو جاتے ہیں اور یہ بدیہی دلیل ہے خون کے ناس ہو جانے اور آثار بد بچانے کی۔

دوسری دلیل ہمارا تجربہ ہے جو قومیں بدوینہ کیسے جانور کھاتی ہیں سرگزشت و طاقت میں وہ اون قوموں سے زائد نہیں ہیں جو ذبیحہ کھایا کرتے ہیں اور کوئی دلیل اون لوگوں کے قوت دار ہونے پر نہیں ہے۔ کہ کشت، وشت، بال، و دیگر در زخمی کاموں میں ہمیشہ ہندوستانی غالب جیسے ہندو دیکھ آئین ہندوستان کی خود ضعیف ہے اور جہان کی آب ہوا قوی ہے مثل ایران و عراق و حماز و کس وغیرہ کے اور کما مقابلہ کسی یورپینی یا فرانسیسی۔ جرمنی، وغیرہ سے کر کے دیکھیں تب آپ کو مردہ خوری کی طاقت و قوت کی پوری آزمائش ہو جائے گی۔ مردہ خور کی سے ضرور قوت جسمانی زائل ہوتی ہے جیسا کہ ہم شاہد کر رہے ہیں اور ان قوموں کو جو مردہ خوار ہیں امام علیہ السلام نے مردہ خوری کو باعث قطع نسل بھی فرمایا ہے۔ آپ کو کمال تعجب ہو گا اور بہت زور سے آپ اس کے انکار و رد پر آمادہ ہو جائیں گے مگر نہیں تعجب نہ فرمائیے جیسے پہلے سن لیجیے۔

جس قدر برسہا برس کے تجربوں کے بعد آپ نے ہر دوا میں آثار و خواص جلجلی نے ہیں۔ کبھی آپ کو ایسا واقعہ بھی درپیش ہوئے یا نہیں کہ آپ کسی دوا کو با عمل مرخص کو بار بار استعمال کر رہے ہوں لیکن ہرگز وہ دوا موثر نہ ہوتی ہو ضرور صد ہا جگہ ہزار ہا بار یہ آپ کو اتفاق ہوا ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور ہر دوا کا اثر کرتی تو پھر کوئی شخص آپ کے علاج سے کیوں مرنا صدمہ دوائیاں خلاص ایک مرض کی آپ استعمال کر دیتے ہیں لیکن کچھ اثر نہیں ہوتا اور مرنے والا اذیسی مرض میں مر جاتا ہے۔ صدمہ یا بخار و سرسام میں مر جاتے ہیں اور آپ علاج

بھی کرتے ہونگے۔ پھر اون دواؤں میں اثر باقی نہیں رہے اور تجربہ آپکا غلط ہو گیا ہرگز نہیں۔ سب دوائیاں اگر چند مرض کی واسطے بالخاصہ مفید ہیں تو بعض امراض کی صورت میں بھی اثر نہیں پھر کیا ہمیشہ وہ مرض ہو ہی جاتا ہے ہرگز نہیں اکثر مضر نہیں ہوتیں۔ پس اس طرح سے مردہ غوری کو باعث قطع نسل کا بتا یا ہے اور میتہ بالخاصہ موجب قطع نسل ہے۔ اگر یہ اثر اوستے کسی وقت میں ظاہر نہ ہو یا خاص محدود ہو کسی نسل و کسی وقت کیساتھ یا کسی قوم کیساتھ تب بھی آپ کیا اعتراض کر سکتے ہیں اور کیونکر آپ اس خاصہ کے منکر ہو سکتے ہیں۔

علاوہ میتہ عام ہے۔ موت کو ممکن ہے کہ جانور کسی مرض میں مبتلا ہو کر مایہ یا کسی جانور کا کاٹا ہو گیا ہو مثل سانپ، ویش کھوڑا وغیرہ کے اب فرمائیے کہ ایسی میتہ کو استعمال کرنے سے منعیت بدن کیا تلک دفعہ او سکا زہر اثر کرنے سے مرگ مفاعلات اور موت ناگہانی کا بھی وقوع ہو سکتا ہے قطع نسل کیسی یہ خود تشریف لجا ویٹے اور یہ امر بدہیات سے ہے مثل آپ کے عرب میں۔ بلکہ عرب کی خصوصیت نہیں ہر قوم پر جبکہ متعلال ہو تا تو جہاں کہیں کوئی جانور مرا ہوا ملجاتا ہے دغدغہ ہم خوش جان کرتے تو کیا انواع و انواع کے امراض میں مبتلا ہو نیکا خوف نہیں تھا ضرور مرگ مفاعلات بھی ہوتی جتنے قطع نسل بھی لازمی تھی اگر کم ضرر ہو تا تو امراض ہی میں مبتلا اور ہر دوا امراض سے منعیت بدن و کم طاقتی بھی ہوتی۔

(خون آشامی) اسے فساد قلبی و قلت زخم کا مونا ہدیی ہے اس لیے کہ یہ امر تجربہ معلوم ہے کہ جو لوگ رفیق القلب ہیں وہ بھی خون نہیں دیکھ سکتے قصد نکالتی لٹ تیر لیتے دیکھ کر خش کر جاتے ہیں جمہی جانور کو اپنے ہاتھ سے فوج نہیں کرتے۔ اگر چند بار زہر دستی کسی ایسے شخص سے قصد مخلوقی جاوے یا جانور ذبح کر یا جاوے پھر انکی رفت قلبی ایسی نہیں رہتی ہے نہ کہ خون آشامی یہ ضرور زخم کو دل سے دفع ہوگی۔ اس پر با صفرہ کا سپرد کرنا یا ظاہر ہے کہ خود گوشت حکم کے فعل کو خراب نہ کرے۔ اور خون بھی بنا برطبع ہے

مرنے کے بعد جسم میں شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں صلاحیت صفر پیدا کرنے کی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ خون مضمّن نہیں ہوتا اکثرے وغیرہ ہو جاتی ہے۔ جب خون مٹی بھی ہے تو ضرور جگر کو صفر خارج کرنے کی طرف مائل کرے گا اور نے کیوجہ سے جب جگر میں شکر ہوگی تو بیشتر بے لائیکا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔

اب رہی روانگی اور بورا جانا یہ بھی خون آشامی سے ممکن ہے اس واسطے کہ خون نہایت گرم فٹا ہے اور زیادہ حرارت سے اکثر امراض دماغی کا سبب ممکن ہے خصوصاً گرم مزاجوں کو اور قطع نظر اسکے ممکن ہے بالخاصہ اس میں اثر ہو جو ہر کوئی دلیل لانے کی وجہ نہیں اور جبکہ ہم یہ بھی ثابت کر چکے کہ خون ہر جاذب سمیات ہے تو خون آشامی میں گو یا سم جوڑنے ہے اور سمیت کا ہونا بد پیاس سے ہے جو لوگ گوشت کو مضر جانتے ہیں۔ وہ خون کو بد چھوڑا اور لا مضر ترسان خیالی کر بیٹھے۔

اکثر دوائیان دنیا میں ایسی ہیں کہ انکو دیکھنے سے صد ہائے تجربہ ہلکے حال ہو سکتے رہتے ہیں انھیں ادویہ مستعملہ میں بہت خواص و آثار روز بروز ہلکے تحقیق ہوئی جاتی ہیں ہم ہرگز کسی دوا کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو ہلکے تجربہ اس کے خواص معلوم ہوئے ہیں بس اس بقدر ہیں۔ اور کوئی شخص دوا میں کوئی اثر غیر مشہور بتا دے اس کا بھی ہرگز ہر انکار نہیں کر سکتے اگرچہ اس وقت ہمارے تجربے میں وہ غلط ظاہر ہوتا ہو لیکن تھوڑے عرصہ گزرنے کے بعد ہلکے ادویہ کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ وزمرہ کے مشاہدہ ہمارے اسپر وال میں جب یہ حالت نقص کی ہماری عقل و تجربہ کی ہے تو پھر ہم کیونکر کسی کے قول کی تکذیب کر سکتے ہیں خصوصاً وہ حکیم لوگ جنکی عقل و قہم و قراست کو ان کے ہم عصر تو ماننے ہی ہوئے تھے اب بھی کوئی امر ان کا خلاف عقل نہیں معلوم ہوتا۔ اور پھر طہم ہوتا بھی ان کا۔ "نل عقلیہ سے کتب کلام میں ثابت ہو چکا ہے اور اس بحث کو ہم بھی فلسفۃ الاسلام میں لکھ چکے ہیں۔ جب ایسے لوگ جسے کسی امر کو کہہ دیں جس کے واسطے خطا عقلی محال ہو تو پھر ہلکے

کیا جائے انکار ہے۔ اگر ہم انکار بھی کر سکتے ہیں تو اسقدر کہ اس حدیث
وغیر کو خبر واحد سمجھ کر اعتناء کریں۔

(گوشت خنزیر) کی ممانعت اسوجہ سے کہ یہ منجملہ موسوعات ہے اور شدت
عقوبت و عظمت عذاب کیوجہ سے اور ان سے منافرت کا حکم دیا گیا ہے اس علت
سے معلوم ہوا کہ جسقدر موسوعات ہیں اور سب کے کھانے کی ممانعت ہے اور یہی
علت ادنیٰ حرمت کی ہے اور کیا اچھی اخلاقی بات اس میں ہے اگر انصاف
سے دیکھو تو ضرور لائق مدح ہے۔ اسلام نے ان موسوعات کو کھانے ہی کی
لہذا ممانعت کی ہے۔ بلکہ پائے اور پرورش کرنے کی بھی ممانعت ہے
سقدر اسے پرہیز کر نیکا حکم دیا ہے کہ جس قرار دیا ہے اس تعلیم میں ایک بہت
بڑا اخلاقی سبق یہ ہے کہ جن وجوہ سے یہ قوانین غضبناکی میں مبتلا ہو کر منع
ہوئی نصیحت اور ننگا ہوئی عظمت کا اظہار ہے اور انسان کو اور انسان گناہوں
سے پرہیز کر نیکا سبق دیا گیا ہے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ گناہ ایسے ہیں
جسکے ارتکاب سے لوگوں کو مرگب سے بچنا اور تنفر کرنا لازم ہے تاکہ دوسروں کے
واسطے عبرت ہو اور وہ اس خوف سے کہ لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگیں گمان
کیا ہو اسے محفوظ رہیں بد اخلاقی کی کمال مذمت اس طریق سے کی گئی ہے اور
یہ تعلیم ہوئی بھی کہ بد اخلاقوں اور گناہگاروں سے اسی طرح سے پرہیز کرو جس طرح
کلب خوک سے بچتے ہو پرہیز کا حکم دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام
نے بلا ضرورت بد اخلاقوں اور کافروں سے محبت کرنے اور ہم صحبت
ہونے اور زیادہ خلا ملا کی ممانعت کی ہے کیونکہ اونکی بد اخلاقی ان میں
بھی سرایت کرے گی۔ اور بد اخلاقوں سے عداوت و دشمنی رکھنے سے آخر
میں بد اخلاقیوں سے اسکو بھی نفرت ہوگی اور انسان بد اخلاقی سے نفرت
کرتے کرتے خود با اخلاق بن جاتا ہے۔ پس یہ بہت بڑا اخلاقی سبق ہے جس کے
ہلوگ خائف ہیں۔ اور بدرجہ ذالذات تامل ان موسوعات کو ہم میں خدا نے ہوائے
رکھا ہے تاکہ یہ زندہ مثال ہوں اس قوم کی جو کثرت عصیان کیوجہ سے
سرخ ہوئی تھی اور باعث عبرت ہوں انسان کیواسطے جب انسان اکیلا

نظر کریگا سعاد کو یہ خیال ہوگا کہ میں بے اخلاق ہوں کیونکہ جسے انہیں منہجسمانی
 ہوا ہے اسے سیرت سے ہم میں سخ روحانی ہوتا ہے اور انسان حیوان بن جاتا ہے اور
 اس سیرت سے لائق تفر ہوتا ہے جیسے یہ چند حیوانات لائق تفر ہیں۔
 (شراب میں) کے جسد زنتلج ارشاد ہوئے ہیں انہیں تو کسیکو کچھ کلام ہی
 نہیں ہو سکتا شہر انجوار دن سے ہر قسم کے امور فہم کا ارتکاب ہو کر رہتا ہے
 شراب بلکل مسکرات خواہش و غصہ کے مددگار ہوتے ہیں۔ اور خاص یہ دوا
 خواہشی تو ن کی مدد کے لیے کی جاتی ہے۔ اور خواہش و غصہ دونوں عقل کے
 حریف ہیں۔ اور حکمت و اخلاق و حکمت ناموس کا اس پر اتفاق ہے کہ عقل کو
 اس کے حریفوں پر تسلط کرنا چاہیے اور یہی انسانیت ہے۔ نہ یہ کہ عقل کے
 حریفوں کو ہم عقل پر تسلط کریں کہ یہی حیوانیت ہے۔ اور یہ ناپاک چیز ضرور
 عقل کو کمزور ہے اور اس کے حریفوں کی مددگار ہوتی ہے تو یہ خود عقل کی حریف
 ہے اور عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت خدا کی نہیں ہے تو اس کے حریف کو دوسرے
 غالب کرنا اگرچہ ایک طرہ العین ہی ہو کافی ہے نعمت خدا کے ضایع کرنے کے لیے
 اور یہ تو ہم کہ شراب بالقوہ عقل کو بڑھاتی ہے ثابت نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ یہ
 خیال خام اس قسم سے ہو کہ جو ناشے ہو تہا ہے اجتماع حواس سے اس عادی
 چیز کی طرٹ عود کرنے کے کہ جو بدت سے ترک ہو۔ علاوہ اس کے اسکا عقل کو
 زیادہ کرنا معارض سے اسلی خواہش اور غصہ کے زیادہ کرنے کی اور ترجیح بدی
 کی جانتا ہے پس لحاظ اسکی ضد کا ترجیح مروج ہوگا۔ اور جو ایک حیوانی حرکت
 موجب عیب اور طبع و اسراف کا ہوگی اور بالکل صلاح عام کے خلاف ہے
 اور لہذا عیب کہ جو خواہش کے بیض کا مددگار ہے اور اکثر منہج غیظ و غضب
 کی طرف بھی ہوتا ہے۔ پس حیوانی کام ہوا۔

پھر اس سے طرح طرح کی باریان بھی ہوتی ہیں ذرا ہی حالت پر بھی نظر کیجئے کہ
 اس ناپاک شے سے گورن کہ اس سے اعضا جنبہ ہمارے ہات سے خراب ہو کر انسان
 کو اس مقام کی سہ کا یہ ہوتا نام قہر ہے۔ جب طبیعہ میں سکی شہادتیں ہست
 موجود ہیں اور نہیں ہست شہادتوں کی صبرائی کر لیا نیکی دہی چار روز

میں آپکو کثرت سے ایسے مایوس، الم علاج مریض نظر آ رہے ہوں جنکی بیماریوں کا سبب نقص ثمر ایک ہے۔

اب ہم دو چار مریضوں کے نام بھی لکھ کر آپکو اسکی برائیوں سے اور بھی آگاہ کیے دیتے ہیں۔

جگر میں امٹلای دم جسکو ڈاکٹری اصطلاح میں (گنیشن آف دے لیور) کہتے ہیں یہ مرض اسی شراب کی بدولت پیدا ہوتا ہے جو اس مرض کا دیرینہ دگر اثر اس کے ہتھکا ہم ذیل میں ذکر کریں اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں مگر ہمیں ہم بیان صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ان امراض کا سبب شراب بھی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ فتور معدہ اور امٹلای دم۔ جگر میں ثمرایوں کے لیے بکثرت ہوتا ہے اور ہر وقت ثمرای کا جگر سمندر ہوتا ہے اس مرض کے قبول کر لینے میں اب درم جگر کو دیکھیے کہ شراب پینے والوں کو کس قدر ہوتا ہے۔ اگر یہ درم رنج ہو گیا تو خیر (بمعلاج) حالانکہ اسی شراب کی بدولت گل پھر ہو جاوے گا نہیں تو اسی درم کی وجہ سے صدمہ ہاگو آستہ ہو گیا ہے اور بدن جان لیے دفع نہیں ہوتا۔

جگر کا دبل، زیادہ تر اسی شراب کی بدولت ہوتا ہے اکثر تو ایسا ہی دیکھا گیا ہے کہ جب تیل جگر کے مریض سے دریافت کیا گیا تو ہمیشہ سبب اسکا کثرت شراب ہی معلوم ہوا۔

اکثر شراب کے سبب دزم جگر اور اس سے برقان بکثرت دیکھنے میں آتا ہے۔ جگر کا پڑھ جانا۔ جسکو ڈاکٹری اصطلاح میں (ڈائیزٹری آف دی لیور) کہتے ہیں دو صفر الکبد، جسکو ڈاکٹری اصطلاح میں (دوسر آف دی لیور) کہتے ہیں اکثر اسی شراب کے تلخ ہوا کرتے ہیں۔ خصوصاً دوسر آف دی لیور کا یعنی صفر الکبد تیز شراب مثل براڈی وغیرہ کے پیئے ہوتا ہے۔ اب آپ ذرا غور کریں کہ ان مہلک امراض سے کتنے آدمی بچتے ہیں اور کتنے مرنے میں جتنے تو ایسے مریض اکثر مرنے ہی دیکھے اور کتنے مٹاؤ اور ایسا مریض بہت سے درد سوائے موت کے چارہ نہیں۔

۱۵۶ نفوس کا مریض اگر کبھی آپکی نظر سے گزرا ہوگا تو آپکو اسکی حالت دیکھ کر بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسکے درد سے مریض کی طرح مایہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے اور پھر جسے یہ مرض ہو گیا تو پھر تمام عمر اوسنے اس سے نجات نہیں پائی۔ جب دورہ ہوا جان بڑا آہنی پھر ہزاروں طرح کی ٹکسیر کیجیے پوشش باندھے غدر اور دیاست لپیٹ کیجیے کیا عالج کہ رفع ہو جاوے۔ اور پھر جب مرض احصاب اندرونی میں سرایت کر جاتا ہے تو وہاں کیا خرابیاں پیدا کرتا ہے اور مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہی نفوس کا درد ہے جسکا علاج کرنے کے لئے خشک کر اور درد کی نذرداشت کر کے (سٹرپٹینٹن ٹریٹمنٹ) کجرات) نے اپنے تئیں ہسپتال مار کر ہلاک کر ڈالا سبب اسکا زیادہ تر کتب طبیبہ میں ششراہیم دکھا گیا ہے۔ جب اس مرض کا اثر جسم میں سرایت کر جاتا ہے تو اکثر اعضا سے اندرونی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جنکی تفصیل کتب طبیبہ میں موجود ہے۔

پیشاب میں ریت کا آنا۔ یہ ریت کئی قسم کی ہوتی ہے۔ مگر اور اقسام کا ذکر ہم نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں صرف اس قسم کی ریت کا ذکر کرتے ہیں جو سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ اور جسکا سبب یہی بھتکت شراب ہے۔ ریت آنے سے اول تو لون ہی آدمی درد کمزوری اور ضعف کعدہ میں مبتلا رہتا ہے مگر یہ بیمار یاں ایسی ہیں کہ جنکی طرفت نہ مریض توجہ کرتا ہے نہ آپ ای کچھ خیال کریں گے بلکہ یوں فرما دیں گے کہ یہ تو اکثر آدمیوں کو یوں ہی رہا کرتا ہے۔ اب ہم اوس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس سے مریض پر توجہ گذرتی ہے وہ خود ہی جانتا ہے یا خدا۔ مگر دیکھنے والے تک نہاں مانتے ہیں۔ اب سنئے جو وقت ہلکے ریت آتی رہتی ہے اور سوقت تک تو قیمت ہے۔ لیکن جب یہ ریت فکری بنکر گرد سے سے گذرتی ہے اور مریض مایہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے اور سوقت شراب کے پینے کا لطف آتا ہے۔ احتقان و فصد وغیرہ کی الگ تکلیف اور درد تو ہناک ہی کر ڈاتا ہے۔ یہ پتھری اگر گردہ سے گذر کر مثانہ میں آگئی تو جان بچانی لیکن مثانہ میں جمع ہو کر انب جو ایک بڑی تھری

جنگلی اور سکا ٹکٹا تو بجز دستکاری کے ناکھن ہے۔ ابھی دستکاری دور ہے
 ڈاکٹر صاحب جب شریعت اور سائنس کے بیوشس کر کے خواہیوں ہی
 چاک کر کے خواہ شانہ ہی کے اندر بذریعہ آلہ کے چورہ کر کے نکالیں گے لیکن
 پیشاب بند ہونے سے اور درد و غم و شمس شانہ سے جو تکلیف ہے ذرا اسے
 ملاحظہ فرمائیے۔ اور پھر جب ڈاکٹر نے پتھری کو نوڈ کر یا چاک کر کے نکالا
 اسکی تکلیف یہ سب ناظرین کے قیاس پر چھوڑا جاتا ہے۔

دو ڈاکٹر ایم ٹریمنس، یہ ایک مرض ہے جسکا ترجمہ ہریان ویتودی ہے سبب اسکا
 شراب ہی ہے۔ دیکھیے یہی (ڈاکٹر ایم ٹریمنس) ہے جبین دماغ میں درم اور
 کبھی مریض دیوانہ ہو جاتا ہے۔

”آتشک“ جسکو دنیا ام الامراض کہتی ہے کیا شراب کے سبب ہی نہیں پیدا
 ہوتا؟ ڈاکٹر رحیم خان بہادر آفریدی سرجن میڈیکل فیلو و ممبر سنٹ پنجاب
 یونیورسٹی سپرٹنڈنٹ مدرس علم و عمل طب میڈیکل اسکول لاہور
 اپنی کتاب ”طبہ جیمی“ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ کوئی پوچھے کہ آتشک کی
 مان کون ہے تو ہم پکار کر کہیں گے کہ آتشک شراب کی بیٹی ہے اور پتھری
 برائیوں کی مان بھی ہے یہ آتشک وہ مرض ہے جسکو دنیا جانتی ہے اور صد
 مریض اسی کی بدولت سل، وجع مفاصل، اور دیگر امراض مثل اسکے کہ کسیکی
 ناک کا بانہ نہ رہ گیا۔ کیسے تالو میں جمید ہو گیا۔ اور بہت سے امراض جلد سے
 جنگی فہرست کھی جاوے تو ایک تفر ہو جاوے۔ مگر انہی اس مقام پر کافی ہے
 کہ کوئی جلدی بیماری ایسی نہیں جو شراب کے سبب نہ پیدا ہوتی ہو۔

شرابیوں میں سل، وق کا ہونا بھی بہ نسبت ان لوگوں کے جو شراب نہیں پینے
 زیادہ دیکھنے میں آیا ہے۔ اسبطر جسے بہت سے امراض اس ام اکٹھا ہو جاتا ہے
 سے ہوتے ہیں جنگی تفصیل میں طول ہوگا۔ اب ہم مختصر ایک تقریر کرتے ہیں
 یہ امر ظاہر ہے کہ شراب سے دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی
 طیب دوا اگر انکار نہیں کر سکتا۔ نتائج اسکے اگرچہ بہت ہیں مگر ہم مرث
 چند ہی بیان کرتے ہیں اسلئے کہ اختصار نہ نظر ہے۔ جب یہ امر ثابت ہے

کہ خراب ایسی چیز ہے جس سے دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ خواب بے قیاس
 ہے کہ ایسا شخص جسکا دوران خون تیز رہیگا اول تو طبیعت اس شخص کی اصلاح
 حادثہ میں مبتلا ہونے کے لیے زائد مایل رہیگی پھر اسے نفسیان زائد تکلیف دینے
 دوسرے بخار وغیرہ ایسے اشخاص کو زائد ہوگا۔ علاوہ اسکے جب دوران خون
 تیز ہوگا تو اسوجہ سے کہ خون دماغ کی طرف زائد رجوع کر گیا۔ بخوابی پسیدہ
 ہوگی اور جو مضر ترین غیظہ آتے سے سدا ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں
 اختلاف قلب بھی لازم ہے۔ استغنا بھی ممکن ہے۔ صفائی خون بھی جو کہ
 طور پر نامکن ہے اسلیے کہ موافق اصول ڈاکٹری جب خون دریدی دیا
 یا غیر صاف شدہ) کشش میں آتا ہے تو نفس کے ذریعہ سے اس خون پر
 (آکسیجن) جو ایک قسم کی ہوا ہے اسکا اثر پہنچتا ہے اور "کاربن" (کولہ)
 خارج ہو جاتا ہے جس سے خون صاف ہو کر سرخ ہو جاتا ہے۔ اب
 جسوقت کہ دوران خون تیز ہے تو دورہ اسکا کشش میں بھی بہ تیزی گزرے گا
 جسکے سبب سے "آکسیجن" کا بھی اثر کم ہوئے پاویگا اور "کاربن" بھی کم خارج
 ہو سیکے اسلیے اسکی صفائی میں نقصان واقع ہوگا جسکا نتیجہ بہت سے
 امراض ہیں اور بیان کی ضرورت نہیں۔

اب ایک امر کی طرف ہم اپنے ناظرین کی توجہ کو مبذول کرتے ہیں اور وہ
 یہ ہے کہ ڈاکٹری اصول میں از روئے علم کہیا یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ بہت
 سے قسم کے زہر ایسے ہیں جو خون میں سرایت کر نیکے بعد نہ نشین رہتے ہیں
 اب ہم یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی اسی قسم کا زہر جسم میں سرایت کر گیا جو خون
 نہ نشین ہے تو ممکن ہے کہ کسی وقت میں خود بخود فنا ہو جاوے۔ یا یوں ہو
 کہ یوں ہی پڑے پڑے بیکار ہو جاوے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ کم سے کم اتنا تو
 ضرور ہوگا کہ اسکا اثر دیگر اعضا پر کم کم پہنچے جسکو طبیعت آسانی سے دفع
 کر دے اور اسکی طرح وہ زہر کچھ عرصے کے بعد زایل ہو جاوے۔ اب فرض
 کر لو کہ کوئی اسی قسم کا زہر جسم انسان میں سرایت کر گیا جو کہ خونین و نشین
 ہے۔ مگر اذن حضرت نے خراب لوشن فرما کر دوران خون تیز کر دیا ایسی حالت

میں نتیجہ اسکا یہ ہو گا کہ وہ زہر پوری طور سے ہر رگ و پے میں اور تمام ہڈیاں
میں بہت جلد پھیل کر اپنا پورا پورا اثر ظاہر کر دیگا۔ اور یہ امر بایہ ثبوت کو
پہنچ چکا ہے کہ ایسا مراضِ عادہ یا خونِ کبیرہ کہ جو امراضِ تیزی کیساتھ فوراً
اپنا اثر جسمِ انسان پر ظاہر کرتے ہیں اکثر ممکن ثابت ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ
اسمین علاج کا موقع بہت کم ہوتا ہے اور مریض جلد تلف ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت
میں جلد ہلاک ہو جانا کچھ بعید نہیں کیونکہ جب سبب زیادتی دورانِ خون
اس زہر کا اثر تمام جسم میں دفعتاً پہنچ گیا تو ظاہر ہے کہ اعضائے رئیسہ بھی
متلا ہو جائیں گے اور جب اعضائے رئیسہ میں سے کئی ایک عضو ایک ہی وقت
میں اثر زہر سے متاثر ہو گئے تو پھر کیونکر مریض جلد نہ ہلاک ہو جائے۔ حالانکہ
جب اعضائے رئیسہ میں سے صرف ایک عضو متلا ہو جاتا ہے تو مریض کا بچنا
دشوار ہو جاتا ہے نہ کہ جب کئی متلا ہوں اور وہ بھی ایک ہی وقت میں تو
پھر زندگی کیونکر ممکن ہے۔

ہمارے نزدیک اسقدر مضر تین بیان کرنا سمجھدار آدمی کے لئے کافی ہیں
ورنہ اگر اسکی برائیاں آدمی تحریر کرے تو ایک دفتر ہو سکتا ہے۔
پس ہکو نہایت احسانمند اور شکر گزار ہونا لازم ہے اس حکیم و عظیم کا جسے
ہمارے فائدہ کی بات ہکو بتائیے اور معذرت سے کہنے کیواسلئے ہکو سخت
تاکید کی۔ اگرچہ ہم ان مضر تین پر مطلع نہ ہوں لیکن ہمارا خدا تو ضرور جانتا ہے
کہ کون کون سے انسان کیواسلئے مضر ہے اور کون مفید ہے۔

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا ہی بخارا بھی خالق
ہے اور ان انسانوں کا بھی خالق ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے صلاح
جسمِ انسانی ہوتی ہے اور کون سے مضر ہے۔ جو چیز حافظِ صحت انسانی یعنی
وہ جائز و مباح ہوئی جو مضر یعنی وہ حرام کی گئی یہ اسکا تفضل و کرم ہے۔ پھر
اسے زیادہ رحمت کو غور کیجیے کہ بوقتِ ضرورت وہ حرام سے بھی ہمچا کر
مباح ہو گئی بقدرِ ضرورت اس مقام پر دو شبہ اور بھی ہوتے ہیں جنکا
رفع کرنا ضروری ہے۔

(۱) کیا وجہ ہے کہ عذرات الہی میں جو مضرت ہوتی ہے وہ ہلکے عسوس نہیں ہوتی اگرچہ بعض اشیاء کی مضرت معلوم ہو لیکن جلد عذرات کی مضرت ہلکے عسوس ہوتی ہے۔

(جواب) یہ ہے کہ ابھی طب آپ کی ناقص ہے لاکھ آپ تحقیق و تدقیق کریں پھر بھی بہت کچھ نقص آپ کی طب میں موجود ہے آج بھی باد جو دیکھ علم تشریح و طب آپ کی پوری رہی گا آپ کو دوحی ہے مگر سوائے استعمانات عقلیہ کے قطعی طور سے آپ نہیں ثابت کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ امراض کا سبب آپ نے منحصر فساد غذا اور ہوا میں قرار دیا ہے اور امراض غیر مادی۔ وغیرہ فراموشی سے آپ باطل ہے بہرہ ہیں۔ مرض الموت میں آپ سب ہی عاجز ہیں۔ خواص و آثار ادویہ و افعال اعضا کو ابھی آپ کے بخوبی نہیں جانتا ہے۔ اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر آپ یقینی طور پر ان امور کو جان گئے ہوتے تو آپ ترقی تحقیق کی ختم ہو جاتی اور روز بروز نئے تجربے آپ کو نہ حاصل ہوتے اس روزانہ ترقی کے بغیر عقل یہ ثابت ہے کہ ابھی ترقی محدود نہیں ہوئی اور تحقیق آپ کی ہر امر میں ناقص ہے۔ ہر شے میں صفا خواص و آثار ہیں جو آپ کو معلوم نہیں اور روز بروز معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ ہر آپ کسی دوا کے فعل کا کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ دیکھنے، سونگھنے، لگانے، لگانے، باندھنے میں ہر طرح سے مختلف اثر ہوتے ہیں لگانے سے دوا کے کچھ اثر ہوتا ہے سونگھنے سے کچھ اور اثر ہو جاتا ہے لگانے سے اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ صفا ایسی چیز میں طب یونانی و ڈاکٹری رد و فون میں موجود ہیں لاکھ آپ کیمسٹری کے ذریعے سے دریافت کر چکے ہوں پھر آپ کسی شے کی پوری ماہیت نہیں بتلا سکتے۔ نہ آپ کو معلوم ہے کہ موت کب و کجی نہ کسی شخص کی عمر کا پورا تخمینہ نہیں کیا تھا آپ کر سکتے تھیں۔ ہر آپ کیونکر اس امر سے انکار کر سکتے ہیں کہ عذرات الہی انسان کی واسطے مضر نہیں ہیں۔ جب آپ آثار و افعال سے جسم انسانی کے بھی بخوبی واقف ہوتے اور آثار و خواص سے ادویہ سے

بھی بخوبی آپکو اطلاع ہوتی اور محقق و جانچ آپکی ختم ہو چکی ہوتی اور وقت سلا بہت
 پہنچ سکتے تھے کہ عمرات الہی میں کوئی سہرت نہیں۔ باوجودیکہ امراض جن سے
 سے تو آپ حتماً نا بلد میں بہت سے ایسے اشیاء میں جنکا اثر اخلاق و نفس
 انسانی پر واقع ہوتا ہے جس طرح دوا میں امراض روحانی کے دلع کرینکا اثر
 ہے اسی طرح دوا میں امراض روحانی کے دلع کرینکا بھی اثر ہے اور
 اکثر اشیاء امراض روحانی کے بھی مورث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ طبیبانی
 میں یہ امر بخوبی ثابت ہو چکا ہے اگرچہ طبیب جدید میں نہ ہو۔ مثل اسکے کہ
 گوشت خنزیر بھائی بڑھاتا ہے۔ شراب و مسکرات اور تکاب کھانے
 کی مورث ہیں۔ پیہ خراگر مکان کے دروازہ میں طمدین تو گھر والوں میں
 لڑائی برپا ہو (دیکھو ذخیرہ خوارزم شاہی) گینڈے کی چربی مٹھے لوگوں
 کے دل میں اسکی طرف سے خوف کا پیدا ہوتا۔ قمری کا گھر میں رکھنا فاع تاثیر
 سحر و چشم بدکا ہوتا۔ ساہی کا کاٹا گھر میں ڈالنے سے لڑائی کا ہونا۔
 خصوصاً حجار معدینہ کے تو بہت کچھ خواص و آثار نفس و روح پر واقع ہوتے ہیں
 مثل یا قوت کے اسکی انگشتی تقضایا سے حاجات و رفع ضرر صاعقہ و غرق
 کے واسطے مفید ہے اور غم و اندوہ تامل کرتا ہے (از خواص الجواہر)
 در سنگ خام، کو کھاسے کہ ایک ٹکڑا اسکا عاشق اور لہ سکے مان کے نام
 سے لین اور دوسرے ٹکڑا عشوق اور اسکی مان کے نام سے اور دونوں
 ٹکڑوں کو عاشق کو گھلا دین تو اسے عشق بالخاصیت و فاع ہو تا ہے۔
 (از تلخیص ناصری)
 در سنگ یشب، کو ہاتھ میں رکھنے سے انسان حوادث سے محفوظ رہتا
 ہے (از خواص الجواہر)
 در سنگ خطاطیعت، جو مسخ رنگ ہو اسکو دافع غم کھاسے اور حریر میں
 بانڈ کر پاس رکھنا موجب جاہ و شہرت کھاسے۔
 در سنگ سلوان، کو دافع مرض عشق کھاسے۔ غرضکہ سب طرح سے ان اشیاء
 کا نفس و روح میں اثر طبع قدیم میں بھی ثابت ہے۔ اور طبیبانہ دوا میں بھی

بھی مثل شریعت اسلام و شریعت ہنود و شریعت یہود و دسمریزم و دھرم و غیرہ کے اور جس قدر شاخیں طب روحانی کی ہیں اور ان سب میں بخوبی ثابت ہے کہ ان اشیاء سے اثر نفس و روح پر بھی ہوتا ہے۔ استعمال پر سے متاثر نہ ہونے کی بجائے خواص اجزاء معدنیہ پر جسے حقیق زرد اور حدیدہ اور فیروزہ وغیرہ کے جو خواص احادیث قدسیہ میں وارد ہیں اور لونکا انکاران آثار سے محض بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ اور آثار اشہائے موجودہ سے انکار کرنا یہ کام کسی محتاط اور ذی علم کا نہیں ہے بدین کسی دلیل صحیح کے پس اس مختصر بیان سے ہمارے بخوبی ثابت ہو گیا کہ محرمات الہی ضرور مضرت رسان ہیں اگرچہ مضرت ادنیٰ ہو کہ محسوس نہ ہو کیونکہ جلد مضرتوں کو بھی ہم نہیں جانتے نہ وقت ضرر سے ہم آگاہ ہیں صمد بامرض ایسے ہیں کہ جواب معلوم ہوتے جاتے ہیں اور ابھی امراض کا معلوم ہونا محدود نہیں مگر ہے آئندہ اور امراض بھی تحقیق ہوں۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بعض زہر دینکا اثر ایک عرصہ دراز کے بعد محسوس ہوتا ہے، سی طب جدید میں ثابت ہوا ہے کہ اکثر خفیف مقدار کے زہر خون میں نشین رہتے ہیں جب دے ران خون اتفاقاً زیادہ ہوتا ہے کیا رگ ایک عرصہ کے بعد زہر جسم میں منتشر ہو کر ہلاک کر دیتا ہے۔ اس سبب سے ممکن ہے کہ محرمات الہی کی مضرت بعض اوقات فوراً معلوم ہوتی ہو اور بعض اوقات برسوں کے بعد شاہدہ ہوتی ہو اور آپ ادس مضرت کا کسی دوسری شے کو باعث سمجھتے ہوں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ محرمات الہی کے استعمال سے فوراً مضرت پونچے لیکن اتفاقاً کسی مصلح اور تریاق کا استعمال یا محض آب ہوا۔ یا محض طبیعت سے اسکی اصلاح ہو جاتی ہو اور آپکو اسکی مضرت محسوس نہ ہوتی ہو اکثر امراض موروثی بھی ہوتے ہیں۔ اس سبب سے کثیر اشیاء کا ضرر اولاد میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص میں آخر میں مادہ آتشک پیدا ہوا دغما وہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر یا مرگ یا گہائی سے مر گیا اب ڈاکٹر صاحب کو

یہ نہیں معلوم ہوا کہ فلان شخص میں مادہ آتشک بھی پیدا ہو چکا تھا لیکن اسی حالت میں جو کچھ پیدا ہوا وہ مرض آتشک لیکر پیدا ہوا اور سوقت معلوم ہو چکا کہ شاید اس کے باپ کو یہ مرض ہوا ہو۔ پس اسے طرے سے لکھن ہے کہ اثر اور سرر حرکات النبیہ کا اولاد میں ظاہر ہوتا ہو غرض کہ بہت سے اسباب ظہور صر کے ہیں۔ اور بہت سے محرمات میں حضرت جسمانی و روحانی بدیہی موجود ہے اور ہر کو یہ تجربہ معلوم ہوتی ہے جیسے شراب، لیکن ہم کب پتہ کر کے ہیں اور باوجود نقصان طبی و اخلاقی کے برابر نوش جان ہوتی ہے اس کا کیا علاج ہے۔

(۲) کاشفاء فی الحرام، حدیث معتبرہ میں موجود ہے پس امام جعفر صادق کا بوقت ضرورت دفع مرض وغیرہ کیواسے حرام شے کے استعمال کی اجازت دینا ہے شر ہوگی۔ اگرچہ استیساے محرمہ میں نفع بدنی اور صحت امراض کلا اور ضما و بدایتہ موجود ہے پھر کاشفاء فی الحرام کا غلط ہوگا۔

(جواب) بر تقدیر صحت حدیث مذکور کوئی محل اعتراض نہیں ہے۔ اسے اس لیے کہ جسوقت میں حصر کردین اطباء صحت مریض کا اس دوا سے حرام میں تو پھر استعمال اس کا حرام ہی کب رہا۔ جو کاشفاء فی الحرام کی مخالفت بھی جائز بلکہ صحت و شفا دوسری چیز سے ہوتی کہ جو حلال ہو چکا ہے ہمیز اور بلا ضرر استعمال شے حرام سے مرض کو خفت یا زوال حاصل ہونا پس ایسی شکل میں حکم قطعی اور یقینی اس کے خلاف ہو نہکا دشوار ہے۔ اس لیے کہ عاواست جاریہ سے یا مریض کے باوجود شے حرام کے مریض اخذیہ و اثریہ مباحہ کا استعمال کرتا ہے پس ممکن ہے کہ کسی غفلت یا شربت یا آب غیرین یا نوزم شب یا تبدل آب و ہوا وغیرہ سے اس کو شفا دی ہو۔ اور اگر کسی دوسری چیز کا اسے استعمال نہیں کیا پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ طبیعت انسانی جو مصالح اور باعث صحت ہے چنانچہ بعض مریض بد دن کسی علاج کے اچھے ہو جاتے یا رہا نہیں دیکھے ہوئے۔ پس باوجود ان اسباب کے کیونکر یقین کا دعویٰ ہو سکتا ہے کہ اس مریض کو خاص شے حرام شفا دی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکورہ میں لفظ شفاء سے معنی مجازی مراد
 لین۔ یعنی اصلاح قلب بدفع غم و ہم جیسا کہ خدا فرماتا ہے: «ویشفت
 صلب و یرقوہ مومنین»، یا تصفیہ قلب بازالہ جمالت و ضلالت مراد ہو
 جیسا کہ آیہ کریمہ «وشفاعہم فی الصلۃ و سر» میں ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ
 شے حرام کے استعمال سے قلب کی اصلاح اور صفائی نہیں ہوتی بلکہ قلب
 سیاہ و مکدر ہو جاتا ہے۔

اب کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔ اور استعمال خارجی شے حرام کا ضما و مہر ہم وغیرہ
 میں یہ شرط جائز ہے اور اسکی وجہ سے اگر صحت و شفا ہو تو اس میں کیا
 قیاحت ہے۔ لا شفاء فی الحرام ہے نہ یہ کہ لا شفاء فی الحلال،
 جبکہ شے حرام کا طلاء اور ضما و حلال ہے تو پھر حرام ہی کب ہوا جس میں مکرر ہے
 اب کوئی تناقض حدیث مرویہ امام علیہ السلام میں باقی نہ رہا اور بعون اللہ
 مطلوب ہمارا ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
 علی محمد و آلہ الطیبین۔

آمین بخت طہ و تہیں۔ فقیر محمد بہادر بن عبدالباری عفی عنہ
حضرت مولانا مولوی فرحتی صاحب استاد ہذا میٹھس نواب صاحب رامپور بالقاءہ
کی زیادت سے مشرف اور کتاب حمایت الاسلام کی زیارت سے مستفید ہوا خدا سے تعالیٰ آپ ایسے حامی دین
و تائیدہ رماوی خدائی کریم دست رکھے۔ نیا دہند فرحتی عفی عنہ از رامپور ۱۹ ستمبر
حضرت مولانا سید علی الحائری الماہوری مدظلہ۔ میٹھس میٹھو کہ کتاب سہنگاب حمایت الاسلام
مستفید عام از افادات جناب سیدی رسید مسرت بعض مقامات آزادیدیم و بغایت پسندیدیم خیر ان پاک بخت
صاحب لڑاک صلح و جد عالی را کھنڈ دار و چوستہ در شاعت دین و تکریم حقیقت مولانا بہرین خود عظیم
موفق و منصور یا تئید و السلام مورخہ ۱۱ اگست ۱۳۱۸ھ

غلام الشریفہ المظہر علیہ السلام
در البیان جلد ۲ نمبر ۱۰۹ اس کتاب میں عقلی دلائل سے مذہب کی ضرورت پر ایک پروردگار کی
گیدہ اور حتی الوسع مذہب کی فلسفی اور عبادات کی عقلی خوبان ثابت کرنے میں ذوق العادہ کوشش کی گئی
فصل۔ ماضی۔ تادم۔ و فیو کے نکات میں جس فلسفی طریق پر تاجل کے بعد ہرگز سے بحث کی گئی ہے اسکی ذمہ داری
ثابت کر رہی ہے کہ باخبر صفت کو ضروریات زمانہ کے ساتھ فلسفہ جدید میں بھی غیر محسوس و سنگار و ماضی
عالم و بار اور علما کی خاص غفلت پر تکرر کرتے ہیں کہ سید علی کے مسائل غریبی پر جیسے دیو پر کے
پر مسئلہ کے حسن و قبح عقلی۔ پند و اندرز پر تاک کیے جانیئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ جناب مولوی سید احمد صاحب
خدا محمد شیعہ کی قابل تفریق ترجمانے علماء کو اس بار الزام ہے سکھ و سن کہنے میں ایک حد تک بیزاری
حاصل کی ہے۔ کتاب بڑی سہل و سہل ہے ایک ۲۷ صفحہ شائع ہو چکے ہیں۔ دودھ پسند شیعہ کی محبت رسول پر
جستہ راہزما چیتے یاد دینے کے لیے عالم پر بس کھنڈ سے خیر و برکت کو جو بختے رہتے۔ کہ یہ میں قابل کا طبع
بات ہے نہ ہر مذہب۔ شیعہ الذہب محمد العصر کی نصیحت ہے شر غصب کی۔ میں نے اس سے عقلی
کسی غیر مذہب سے تفریق نہیں اردو کی سلیس اور سکت۔ میں میں صحن مذہب سے کھنڈ کی لہجہ کو علیحدہ
اندازہ اس وقت مل سکتا ہے جب پہلے شیعہ الاسلام پر تفریق کی ہو۔

دریو یوت۔ قادیان ضلع گورداس پور جلد ۱ نمبر ۱۰۹ میں شیعہ مذہب کے حامی
بعض مقامات سے اسکو پڑا ہے اسکے صنف سید احمد صاحب شیعہ محمد بن احمد صاحب
وہ کا لافز کو کیا ہے اس حصہ میں مذہب کی ضرورت تادم و زور کو تکرر کر دینا نہایت ضروری ہے
ظہر کیا گیا ہے وہ واقعی معقول ہیں۔

ن صلیح نمبر ۱۰ جلد ۱۰۹ باہر جمع الثانی سکتہ الامم حمایت الاسلام پر ایک جدید کتاب جناب مولانا
سید احمد صاحب تائف الصدق میٹھس میٹھو جناب سید ابراہیم صاحب اعلیٰ المذہب امام کے تفسیحات
جس میں فاضل صنف نے اصول و فروع دین مذہب شیعہ کے خاص سن کو دلائل عقلی سے ثابت فرمایا ہے نہایت
میں میں کتاب پر کر دانا اسکو نگرا ہے اور ایسی تحریر دین کی بغایت ضرورت ہے۔ خدا کرے یہ کتاب
کامل ہو جائے۔

و عصر جدید جلد ۱۰ نمبر ۱۰۹ مولانا جلالی سکتہ الامم سب سے زیادہ قابل قدر وہ نام کتاب ہے جو
مولانا سید احمد صاحب تائف الصدق سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد اصغر روم نے بنا حمایت الاسلام شائع کی ہے۔
اسلام کے ہر حکم کی حکمت اور بزرگی اور اسلام کی نصیحت کو اس طرح بتایا گیا ہے کہ غیر مذہب کو اسلام کے
کسی فرقہ کو اعتراض یا شکایت کا موقع نہیں مل سکتا۔

